رُوداد اجتماع رام پور

مکتبہ جماعت اسلامی (ہند) رامپور یوپی

روداد اجتماع رامپور

تقسیم — جماعت اسلامی ہند

مرتبہ

شعبۂ تنظیم جماعت

شائع کردہ

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند
رام پور۔ یو۔ پی

بار اول ... ... ۱۹۵۱ء ۱۰۰۰

بار دوم ... ... ۱۹۵۹ء ۱۰۰۰

قیمت ... ... دو روپے پچھتر پیسے

مطبوعہ ... ... کوہ نور پریس دہلی

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور یو۔پی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کارروائی کل ہند اجتماع جماعت اسلامی ہند رامپور

منعقدہ ۲۰، ۲۱، ۲۲ اپریل ۱۹۵۱ء

تقسیم ملک کے بعد جماعت کا نظم جدید جب سے قائم ہوا، رفقا کا بہم اصرار تھا اور خود جماعت کے مصالح متقاضی تھے کہ (کل ہند) اجتماع منعقد کیا جائے، تاکہ جو رفقاء ملک کے مختلف گوشوں میں بکھرے ہوئے ہیں اور بدلے ہوئے حالات میں نئے نئے مسائل سے دوچار ہیں وہ ایک جگہ جمع ہوں اور ایک دوسرے سے تبادلۂ خیالات کے ذریعہ ان کے حالات اور طریق کار کو قریب سے سمجھنے کی کوشش کریں لیکن ملک کے عام فساد زدہ حالات، غیر مسلم طبقہ کی بدگمانیوں اور مسلمانوں کی خوف زدگی نے اس طرح کے کسی اجتماع کا موقع نہیں دیا۔ اس لئے ضرورتوں اور دلی خواہشوں کے باوجود کوئی کل ہند اجتماع منعقد نہیں کیا جا سکا۔ البتہ یہ ضرورت تھوڑی بہت حلقہ واری اجتماعات کے ذریعہ پوری کی جاتی رہی۔

پچھلے سال جب حالات کچھ سازگار ہوئے تو کل ہند اجتماع کی تیاری بھی شروع کردی گئی لیکن جب تیاری تکمیل کے قریب تھی یکایک مرکز کے قریبی اضلاع میں فسادات شروع ہوگئے اور فسادات سے متاثر علاقوں کے اُجڑے ہوئے خاندان رام پور منتقل ہونے لگے۔ جن کی طرف جماعت نے توجہ کی، اس طرح باوجود مکمل تیاری کے کل ہند اجتماع

کو ملتوی کرنا پڑا۔

لیکن مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۰؍جنوری ۱۹۵۱ء میں یہ مسئلہ پھر زیرِ غور آیا، اس وقت تک فسادات کے اثرات بہت حد تک ختم ہو چکے تھے، رفقاء کے خطوط برابر آرہے تھے اور جماعت کے مصالح بھی تقاضا کر رہے تھے اس لئے مجلس شوریٰ میں طے کیا گیا کہ کل ہند اجتماع رام پور میں کیا جائے۔ جس میں جنوبی ہند کے صرف نمائندے مدعو کئے جائیں اور شمالی ہند کے رفقاء کو یہ سہولت دی گئی کہ وہ علاوہ عذرِ شرعی کے اپنی دیگر قابلِ لحاظ معاشی اور غیر معاشی مشکلات کی بناء پر مستثنیٰ قرار دیئے جاسکیں۔

چنانچہ اس فیصلہ کے بعد اجتماع کے انعقاد کا اعلان کر دیا گیا، جس کے لئے جماعتی مصالح اور رفقاء کی سہولت کا لحاظ کرتے ہوئے ۲۰،۲۱،۲۲؍اپریل ۱۹۵۱ء مطابق ۱۳،۱۴،۱۵؍جمادی الآخر ۱۳۷۰ھ کی تاریخیں مقرر کی گئیں، اجتماع گاہ کے لئے شہر رام پور میں سعادت یار خاں صاحب کی کوٹھی متصل تھانہ پاکھر کو منتخب کیا گیا اور اجتماع کے ناظم محمد یوسف صاحب صدیقی ٹونک مقرر کئے گئے۔

اجتماع سے ایک ماہ قبل ملبے اشتہارات، ہینڈ بلز اور دعوت نامے چھپوائے گئے جو متصل علاقوں کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی جہاں جماعتیں یا حلقے قائم تھے تقسیم کئے گئے۔ تقسیم کے بعد یہ پہلا اجتماع ہو رہا تھا اس لئے قدرتی طور پر جماعتی حلقوں کے علاوہ دوسرے حلقوں میں بھی اس اجتماع کے ساتھ دلچسپی کا اظہار کیا گیا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے ناواقفیت کی بنا پر امن کی غرض سے لئے اس اجتماع کو غلط طور پر پیش کرنے کی کوشش کی، چنانچہ اسی زمانہ میں متعدد اخباروں میں یہ اطلاع شائع ہوئی کہ:۔

رامپور میں جماعت اسلامی کا اجلاس ۲۰ر ۲۱ر ۲۲ر اپریل ۱۹۵۱ء کو

" رامپور ۲۲ر مارچ۔ معلوم ہوا ہے کہ کل ہند جماعت اسلامی کا سالانہ اجلاس رامپور میں ۲۰ر تا ۲۲ر اپریل تک منعقد ہوگا جس میں تمام ہندوستان سے جماعت اسلامی کے لیڈر شریک ہوں گے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کیا جائے گا اس اجلاس میں شرکت کرنے کیلئے اور بھی مسلمان لیڈروں کو دعوت دی گئی ہے۔ وہ سب اس بات پر غور کریں گے کہ مسلمان سیاست میں کس طرح حصہ لیں اور کونسی ایسی سیاسی جماعت میں شریک ہوں کہ انھیں آنے والے انتخابات میں زیادہ سے زیادہ نشستیں مل سکیں "۔ مدینہ ۸ر مارچ ۱۹۵۱ء

" ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جماعت اسلامی کا کل ہند اجتماع ۲۰ر ۲۱ر ۲۲ر اپریل کو رامپور میں منعقد ہو رہا ہے جس میں اس مسئلہ پر غور کیا جائے گا کہ مسلمان کونسی ایسی جماعت میں شریک ہوں، جس کے ذریعہ الکشن میں زیادہ سے زیادہ نشستیں حاصل کر سکیں۔"

چنانچہ اسی قسم کی خبروں کے پیش نظر اجتماع سے پہلے مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے ایک مفصل بیان دیا جو مقامی اور بیرونی اردو انگریزی اخبارات میں شائع ہوا۔ بیان حسب ذیل ہے۔

مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ جماعت اسلامی ہند کا جو کل ہند اجتماع ۲۰ر ۲۱ر ۲۲ر اپریل کو رامپور میں ہونے والا ہے اس کے سلسلہ میں بعض نامہ نگاروں نے غیر ذمہ دارانہ طور پر کچھ ایسی اطلاعات بہم پہنچائی ہیں۔ جن سے بلا وجہ جماعت کے بنیادی مقصد اور طریق کار کے بارے میں غلط فہمیاں پھیل جانے کا اندیشہ ہے اس لئے میں مختصراً جماعت کے بنیادی مقصد اور طریق کار و آئندہ اجتماع کے سلسلہ میں کچھ ضروری باتیں عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

جماعت اسلامی ایک اصولی جماعت ہے جس کا مقصد دین کے بنیادی اصولوں

کی تبلیغ و اشاعت ہے اور جو خدا پرستانہ اخلاق کی بنیادوں پر سماج کی تعمیر کرنا چاہتی ہے، چونکہ موجودہ سیاست کو خدا پرستانہ نظریات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے اس میں حصہ لینا وہ اپنے اصول کے خلاف سمجھتی ہے ایسی وجہ ہے کہ پچھلے کسی انتخاب میں بھی جماعت نے حصہ نہیں لیا اور نہ آنے والے انتخاب میں وہ کسی طرح کا حصہ لینا چاہتی ہے۔

رام پور میں جو اجتماع ہو رہا ہے وہ اسی طرح کا اجتماع ہے جیسا کہ اس سے پہلے ملک کے مختلف حصّوں میں متعدد بار ہو چکا ہے۔ اس طرح کے اجتماعات کی غرض صرف دو ہیں، ایک یہ کہ جو لوگ جماعت کے مقصد کے مطابق دینی اور اصلاحی کام کر رہے ہیں وہ سال میں ایک بار جمع ہو کر اپنی کوششوں کا جائزہ لے سکیں دوسری غرض یہ ہے کہ جماعت کی دعوت سے ملک کے تمام سنجیدہ اصحاب فکر کو روشناس کرایا جائے، اس لئے ہم اپنے اجتماعات میں بلا امتیاز مذہب وملت ہر جماعت اور ہر قوم و فرقہ کے اصحاب فکر کو شرکت کی دعوت دیتے ہیں، اور ہمیں یہ ظاہر کرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ ہماری دعوت پر اس طرح کے لوگ برابر شریک ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ پٹنہ کے ایک اجتماع میں خود گاندھی جی نے شرکت فرمائی تھی اور اس کے بعد اپنی پرارتھنا کی ایک تقریر میں اس اجتماع کی شرکت پر اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ یہ ایسے لوگوں کا اجتماع ہے تو میں وہاں پیدل چل کر جاتا۔" اپنے اس طریق کار کے مطابق ہم نے اس سال بھی ملک کی متعدد ممتاز ہستیوں کے نام بلا امتیاز مذہب وملت دعوت نامے بھیجے

ہیں اور اس طرح کے جو اصحاب ہمارے اس اجتماع میں شرکت کرینگے ہم ان کو خوش آمدید کہیں گے۔" ۷ر اپریل ۱۹۵۱ء

خدا کا شکر ہے کہ اس بیان کے بعد اخبارات کی طرف سے غلط بیانی کا سلسلہ رک گیا، لیکن رام پور کے دو مقامی اخبارات نے اس کے باوجود ایک ہی تاریخ میں، قریب قریب یکساں الفاظ میں، رام پور میں اجتماع کے منعقد ہونے پر اس بنا پر اعتراض کیا کہ اس سے فرقہ پرور عناصر کو رام پور کے مسلمانوں کو بدنام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس سلسلہ میں آغاز نے جو نوٹ لکھا تھا وہ درج ذیل ہے۔

"جماعت اسلامی کا سالانہ جلسہ رام پور میں ۲۰ر ۲۱ر ۲۲ر اپریل کو منعقد ہو رہا ہے جس کے متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب کا ایک بیان بھی امروزہ اشاعت میں شائع ہو رہا ہے۔ اگرچہ جماعت اسلامی کا اب تک جو کچھ عمل رہا ہے یا وقتاً فوقتاً جو اجتماعات دیکھنے میں آئے ہیں وہ سیاسیات سے بالکل الگ رہے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی کے ممبر بہت کم تعداد میں ہیں۔ اگرچہ گذشتہ کچھ عرصہ سے رام پور میں اس کا مرکز منتقل ہو چکا ہے، لیکن یہاں بھی اس کے ممبران کی تعداد "چند" سے آگے نہیں بڑھی ہے۔ یہ جماعت جو پیام دیتی ہے وہ قرآن کی روشنی میں دیتی ہے اور اس کی دعوت فکر کا زاویہ کسی قوم یا فرقہ و مذہب تک محدود نہیں، لیکن با ایں ہمہ یہ اجتماع موجودہ وقت میں رام پور ایسے چھوٹے اور مسلم اکثریت رکھنے والے شہر میں فرقہ وار جذبات رکھنے والے افراد

کے لئے گنجائش پیدا کرتا ہے کہ وہ اسے فرقہ وار ہوا دیں، اپنے ہم نوا اخباروں میں اسے بُری طرح اُچھالیں اور بدنام کریں۔ اس لئے بہتر تو یہی ہوتا کہ یہ اجتماع دہلی، لکھنؤ، الہ آباد یا کانپور میں کیا جاتا، کیونکہ رام پور کو اب تک بعض افراد اور فرقہ پرست اخبار مطعون و بدنام کرنے پر تُلے ہوئے ہیں، اور وہ ہر معاملے میں موقع و بے موقع رام پور کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور زہر اُگلنے میں کمی نہیں کرتے۔

مانا کہ جماعت کے اجتماعات میں ہر فرقہ و مذہب کے افراد کے لئے دروازے کھلے ہیں اور سب کو عام دعوت شرکت ہے، مگر بات وہیں جاتی ہے کہ بدنام کنندگان کے خیالات و جذبات شاید بغیر مشتعل ہوئے نہ رہیں، اور وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جس قدر ہو سکے گا، ڈھنڈورا پیٹنے میں کمی نہ کریں گے، کیونکہ وہ تو بغیر کسی بات کے بھی اس قسم کی حرکات سے باز نہیں آتے اور جبکہ جماعت اسلامی کے نام پر اجتماع ہو تو پھر کیوں چوکیں گے؛

ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت کو بھی مجبور کریں کہ وہ اس اجتماع اور اہل رام پور کو اشتباہی نظر سے دیکھ کر ایک ایسا تصور قائم کرے، جو مسلمانان رام پور کے لئے کسی عنوان مفید نہ ہو، اس اجتماع کی تاریخوں میں کافی دن باقی ہیں، اچھا ہو جو جماعت کے ذمہ دار اپنے اس فیصلہ پر مدبرانہ اندیشانہ غور کرلیں، اور ہو سکے تو اپنے فیصلہ میں ترمیم کی کوئی صورت نکال لیں۔" آغاز ۸ اپریل ۱۹۵۱ء

اور اسی طرح کا نوٹ روزنامہ ناظم میں بھی شائع ہوا۔ ان نوٹوں کے شائع ہونے سے پہلے ہی مقامی طور پر ایک حلقہ کی طرف سے اجتماع کی مخالفت

شروع ہو چکی تھی، اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ان نوٹوں کے ذریعہ جو اندیشے ابھر سکتے ہیں ان کی بروقت تردید کر دی جائے، چنانچہ حسب ذیل مراسلہ امیر جماعت نے اخباروں کو ارسال فرمایا۔

آپ نے اپنے اخبار میں "جماعت اسلامی کا سالانہ اجتماع" کے زیر عنوان جو شذرہ قلم بند فرمایا ہے، اس پر مجھے اس حیثیت سے خوشی ہوئی ہے کہ اس میں آپ نے جماعت کی دعوت کسی حد تک اس کی اصلی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے یعنی یہ کہ جماعت جو دعوت دیتی ہے وہ قرآن وسنّت کی روشنی میں دیتی ہے اور اس کی دعوت فکر کا زاویہ کسی قوم یا فرقہ و مذہب تک محدود نہیں ہے، جس کی تائید بھی آپ نے بجا طور پر جماعت کے اب تک کے طرز عمل اور اس کے اجتماعات سے "جن کے دیکھنے کا آپ کو وقتاً فوقتاً موقع ملا ہے" بطور ثبوت پیش فرمایا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جماعت کی دعوت کی ان بنیادی خوبیوں کو تسلیم کرتے ہوئے بھی آپ نے محض اس اندیشہ کی بنا پر رام پور میں اس کے سالانہ اجتماع کے منعقد ہونے پر ان کی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے کہ اس سے فرقہ پرست عناصر کو مسلمانان رام پور کو بدنام کرنے کا موقع مل جائے گا۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جماعت کی دعوت اور اجتماعات کی مذکورۂ بالا نوعیت کے ہوتے ہوئے بھی کچھ لوگ ایسے ہو سکتے ہیں، جو ہماری وجہ سے خواہ مخواہ مسلمانان رام پور کو بدنام کرنے کی کوشش کریں، اور اگر بالفرض کچھ لوگ ایسے ہوں بھی جو بے وجہ یہاں کے مسلمانوں کو بدنام ہی کرنا چاہیں تو بقول آپ کے

وہ بغیر کسی بات کے بھی اس قسم کی حرکات سے باز نہیں آتے"، پھر ایسے لوگوں کا ہم یا آپ کیا علاج کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کے نزدیک یہ بات مناسب ہو سکتی ہے کہ محض ایسے لوگوں کی اس طرح کی کوششوں کے پیش نظر ہم اپنے تمام کام بند کر دیں اور خالص دینی کام کے لئے بھی کہیں جمع نہ ہو سکیں، درآں حالیکہ یہ ہمارا بحیثیت شہری ایک قانونی حق بھی ہے اور دین کی ضروریات اس کی متقاضی بھی ہیں، اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو مذکورہ بالا اندیشہ کی حیثیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے، لیکن اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کرنی چاہتا ہوں، اور وہ میرے نزدیک زیادہ اہم اور قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ عناصر کو ان کی اس قسم کی حرکتوں سے باز رکھنے کا اگر کوئی علاج ہو سکتا ہے تو وہ صرف ہماری دعوت ہی کے ذریعہ ممکن ہے، کیونکہ ہم تمام انسانوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے خالق کے سامنے اپنی تمام ذمہ داریوں کو محسوس کریں، اور جب کہ وہ تمام انسانوں کا خالق ہے، اور تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، تو ان کے لئے زندگی بسر کرنے کا واحد طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ فرقہ پرستی، قوم پرستی اور وطن پرستی کے جذبات سے بالاتر ہو کر اپنے خالق کے بھیجے ہوئے احکام کی پیروی کریں۔

اگر ہماری یہ دعوت پوری طرح پھیل سکے تو یہ بجائے خود مذکورہ فرقہ پرست عناصر کی ذہنیت کی تبدیلی کا باعث ہوگا اور پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کے بارے میں ان کا یہ نقطۂ نظر بھی بدل سکتا ہے کہ مسلمانوں کی حیثیت ان کے کسی قومی حریف کی ہے، وہ اس کے بجائے یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ ان کی حیثیت

ایک ایسی مصلح جماعت کی ہے، جس کی سرگرمیاں اصلاحی اور تعمیر اخلاق کے لحاظ سے ملک کے لئے عمومی طور پر نفع بخش ہو سکتی ہیں، ہم اپنی جگہ یہ توقع رکھتے ہیں کہ سالانہ اجتماع کے موقع پر ہمارے جو رفقاء ہندوستان کے مختلف گوشوں سے آئیں گے ان کا طرزِ عمل، اور ہم اپنے اجتماعات میں جو کارروائیاں کریں گے، ان کے عام انداز، انشاءاللہ غیر مسلم حضرات کی اسلام، اور مسلمانوں کے بارے میں اس طرح کی بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا باعث ثابت ہوگا جیسا کہ ہمارا اس سے پہلے بارہا کا تجربہ ہے، خود رام پور میں ہمارے جلسے اور بڑے اجتماعات بھی ہو چکے ہیں، جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی شریک رہے ہیں اور آج تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کسی نے بھی فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے اس کو مضر یا قابلِ اعتراض سمجھا ہو، میں یہاں ایک بات اور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی کی تحریک ایک دینی تحریک کی حیثیت سے عام ہندوستان میں متعارف ہے، اس لئے اگر کچھ لوگ اس کے سالانہ اجتماع کے سلسلے میں کسی غلط فہمی یا ناعاقبت اندیشی کی بنا پر کوئی رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہیں تو انھیں اس سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ اس کا اثر عام لوگوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے انتہائی اضطراب اور مایوسی کا باعث ہوگا، یہ بات شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارے اجتماع میں شریک ہونے والوں کے بارے میں جو اطلاعات موصول ہو رہی ہیں، ان میں ایک معتدبہ تعداد غیر مسلموں کی بھی ہے۔

خود رام پور میں نہ صرف مسلمانوں کا بلکہ غیر مسلموں کا بھی تمام سنجیدہ و صاحبِ فکر طبقہ جماعت سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہے، اور جہاں تک ہم نے اندازہ

کیا ہے، وہ رام پور میں اجتماع منعقد ہونے پر بہت خوش اور منتظر ہے، اس لئے مجھے تو آپ کے اس شذرہ ہی پر بڑا تعجب ہے کہ آپ نے ان کے جذبات کی پرواہ کئے بغیر کس طرح یہاں اجتماع منعقد کئے جانے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، میرا خیال ہے کہ ایسے تمام لوگوں کے لئے آپ کا نوٹ تعجب انگیز ثابت ہوا ہوگا۔ میں آخر میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم نے اجتماع کے لئے رام پور کو کیوں منتخب کیا ہے؟

رام پور کے بارے میں ہمارا یہ خیال ہے، جس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ دیگر مقامات کے مقابلہ میں یہاں ہندو مسلم تعلقات ہمیشہ سے خوشگوار اور شگفتہ رہے ہیں اور قدرتی طور پر ہماری دعوت کے لئے ایسا ہی ماحول زیادہ سازگار ہوتا ہے۔

ان روزناموں نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا، ان کو خود شہر کے تعلیم یافتہ اور سنجیدہ حلقوں میں بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں کے بعد مندرجہ ذیل مراسلہ اخبار میں طبقہ کی طرف سے شائع ہوا:-

"کچھ عرصہ ہوا مقامی اخبارات نے مشورہ دیا تھا کہ رام پور میں جماعت اسلامی کا سالانہ اجتماع نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہر دو کی رائے میں یہ اجتماع مسلمانان رام پور کے لئے مضر ہو سکتا ہے۔ میں نے بذات خود ان مشوروں پر غور کیا، دوسروں سے تبادلۂ خیالات کیا، اکثر صاحب الرائے ہستیوں کی رائے بھی معلوم کی، مگر ہم میں سے کوئی بھی اخبارات سے متفق نہ ہو سکا۔

اس کے بعد ہم نے ایک چھوٹی سی جماعت بنا کر عام رجحانات و تاثرات

معلوم کرنے کے لئے عوام و خواص سے سرسری ملاقاتیں کیں تو کسی فرد واحد کو بھی اجتماع سے اختلاف کرتے نہیں پایا اور تقریباً ہر فرد نے اخبارات کے مشورہ کو حیرت کی نظر سے دیکھا۔ اکثر لوگوں نے اصرار کیا کہ ان کے تاثرات کو اخبارات میں شائع کر دیا جائے کہ "ہم اجتماع کی تائید و حمایت میں ہیں۔" آغاز ۱۹ اپریل ۱۹۵۱ء

ان باتوں کے سامنے آجانے کے بعد ایک اخبار کا رویہ تو بالکل بدل گیا اور اس نے مخالفت ترک کر دی لیکن دوسرے اخبار نے چند روز کی خاموشی کے بعد ایک دوسرا مخالفانہ شذرہ شائع کیا۔ جس میں چند محلوں کی نشاندہی کے ساتھ یہ اطلاع شائع کی کہ اس محلہ کے لوگ اجتماع کی مخالفت پر آمادہ ہیں، مگر ایک اور معزز شہری نے مذکورہ مراسلہ کے جواب میں دوسرے ہی دن مراسلہ شائع کیا کہ "جو اطلاع بہم پہونچائی گئی وہ سخت گمراہ کن اور تفرقہ انگیز ہے، اور جو اطلاعات فراہم کی گئی ہیں وہ سرے سے بے بنیاد ہیں۔

آغاز ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء

ان اطلاعات و مراسلات سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ مقامی طور پر رائے عامہ اجتماع کے حق میں ہے، اور جماعت کو جو اطلاعات ملی تھیں وہ بالکل صحیح تھیں لیکن اس کے باوجود ایک مخصوص گروہ جس کا رشتہ عام طور سے بااثر حلقوں اور شخصیتوں سے وابستہ سمجھا جاتا ہے آخر دن تک مخالفت کرتا رہا اور اس مخالفت نے بعض ایسی شکلیں اختیار کر لیں جن سے ہمارے مقامی رفقاء کو ذہنی و مالی حیثیتوں سے کافی اذیت اور نقصان اٹھانا پڑا جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور اسی دوران میں ایک دوسرے طبقہ نے مذہب کی بنیاد پر بھی جماعت کے خلاف

کافی پروپیگنڈہ کیا، اور فتوے منگوا منگوا کر شائع کئے، کچھ باہر کے مذہب کے ٹھیکیداروں نے بھی اس پروپیگنڈہ کو کمک پہونچائی اور ان سب کا مقصود یہ تھا کہ ہمیں اجتماع ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا جائے، یا اگر اجتماع ہو تو ناکام رہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ان مخالفتوں کے باوجود اجتماع کی تیاریاں سکون کے ساتھ جاری رہیں، تا آنکہ اجتماع کا وقت آگیا، اور الحمدللہ کہ ان مخالفتوں کے باوجود وہ نہایت پرسکون فضا میں منعقد ہوا، اور توقع سے کہیں زیادہ کامیاب رہا۔

رفقاء چونکہ ایک مدت سے کل ہند اجتماع کی ضرورت کا شدت سے احساس کر رہے تھے، اس لئے حالات کی ناسازگاری اور معاشی پریشانیوں کے باوجود بڑی تعداد میں شریک اجتماع ہوئے، ان کی حلقہ داری تعداد حسب ذیل ہے۔

الہ اباد	کانپور	بنارس	بہار
۴۶	۷۰	۱۱۳	۸۴
بارہ بنکی	لکھنؤ	دھلی	حیدرآباد
۱۴	۶۴	۳۷	۲۱
کلکتہ	راجستھان	شاہجہاں پور	رام پور
۹	۵۸	۷۰	۳۱۹
کشمیر	بھوپال	بمبئی	جنوبی ہند
۴	۳۹	۱۸	۸

---

۱۹ اپریل ۱۹۵۱ء تک ملک کے مختلف گوشوں سے تقریباً ۹۰۰ ارکان

ہمدردان، متاثرین، و غیر مسلم حضرات رام پور پہونچ چکے تھے اور ۲۰ ہر اپریل کو ۷ ½ بجے جب پہلی نشست کی کارروائی شروع ہوئی تو شرکاء کی تعداد ۱۳۰۰ تک پہونچ چکی تھی۔

۲۰ ہر اپریل کی صبح کو بعد نماز فجر درس قرآن ہوا، سب سے پہلے قاری عبدالواحد صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں سورۂ بقرہ کی آیات اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ سے اُھُمُ الْمُتَّقُوْنَ تک (رکوع ۵) کی تلاوت کی اس کے بعد مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی نے ان آیات کی وضاحت فرمائی۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ شہادت حق ایک اہم فریضہ ہے، جس کے لئے گذشتہ انبیاء کی اُمتیں اٹھائی جاتی رہیں لیکن جب انھوں نے اس فرض کی ادائیگی میں عملاً و قولاً کوتاہی دکھائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون عدل کے تحت اس منصب پر مسلمانوں کو لا کھڑا کیا، اس لئے ان کی زندگی کا اہم فریضہ شہادت حق ہے اور شہادت حق کا اصل مطلب یہ ہے کہ آدمی دنیا پر خدا کے قانون کو برپا کرنے کے لئے عملاً و قولاً جدوجہد کرے، کیونکہ تمام تقویٰ و خشیت الٰہی، عبادات و اذکار و وظائف کا حقیقی معیار یہی ہے۔ تفسیر کا سلسلہ تقریباً نصف گھنٹہ جاری رہا۔ اس کے بعد ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد اجتماع کی پہلی نشست ۷ ½ بجے شروع ہوئی۔

نشست اوّل (جمعہ) ۲۰ ہر اپریل ۱۹۵۱ء

کارروائی قاری عبدالواحد صاحب کی قراءت سے شروع ہوئی، حاضرین سکون اور محویت کے عالم میں بیٹھے ہوئے خاموش سُن رہے تھے۔ قراءت کے بعد امیر جماعت اسلامی ہند نے افتتاحی خطاب فرمایا۔ جو درج ذیل ہے:۔

خطبہ مسنونہ کے بعد۔

محترم حاضرین و رفقار جماعت!

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک مدت کے بعد ہماری یہ دیرینہ تمنا پوری ہو رہی ہے کہ جو رفقار ملک کے گوشوں میں کام کرتے رہے ہیں وہ ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ تقسیم کے بعد جب سے علیحدہ نظم جماعت قائم ہوا ہے اس وقت سے رفقار کا اصرار تھا اور جماعتی ضروریات کے تحت اس کی ضرورت بھی تھی کہ کل ہند اجتماع منعقد کیا جائے، اول تو یہ ایک فطری بات ہے کہ جو لوگ ایک مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں وہ ایک دوسرے سے ملنے اور تبادلۂ خیالات کرنے کے مشتاق و متمنی ہوں اور دوسرے جماعت اسلامی جو اجتماعی کام کرنا چاہتی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ کام کرنے والوں میں باہمی اشتراک و تعاون کا جذبہ زیادہ سے زیادہ کارفرما ہو، کیونکہ جب تک بھی ہم آہنگی اور پوری یک جہتی نہ ہو اس وقت تک کسی پروگرام کو بروئے کار نہیں لایا جاسکتا اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لیے اجتماع کتنا اہم اور ضروری ہے۔

لیکن بدقسمتی سے تقسیم کے بعد ملکی حالات کچھ ایسے رہے ہیں کہ ان کی بنا پر آج سے پہلے کل ہند اجتماع کا انعقاد ممکن نہیں ہو سکا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے تقسیم کے ساتھ ہی ملک میں فسادات کا ایک دور شروع ہو گیا تھا جو کافی عرصہ تک جاری رہا۔ وہ زمانہ کسی ایسے اجتماع کے لئے کسی طرح سازگار نہیں تھا جس میں تمام ہندوستان کے رفقاء جمع ہو کر شریک ہو سکیں، وہ وقت اگر موزوں تھا تو صرف اس بات کے لئے کہ جن کے قلوب مردہ نہیں ہو چکے اگر ان میں جرأت

وہمت کی کمی ہے تو اپنے گھروں میں بیٹھ کر انسانیت کا ماتم کریں یا اگر اپنے اندر ہمت و جرأت پاتے ہیں تو گھروں سے نکل کر فسادات کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

اس کے بعد خدا خدا کر کے یہ غدر ختم ہوا لیکن اس کے ختم ہونے کے بعد بھی حالات اجتماع کے لئے ناسازگار ہی رہے، کیونکہ فسادات کے دوران میں جو اشتعال اور غصہ غیر مسلموں کے دلوں میں پیدا ہوگیا تھا وہ ہنوز باقی تھا اور اس کی بنا پر ہر طرح کے مسلمان قسم قسم کے شکوک اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھے جا رہے تھے اور اس کے ساتھ ان فسادات نے مسلمانوں کو بھی ایک خاص طرح کے خوف وہراس میں مبتلا کر دیا تھا۔ جس کی بنا پر وہ خود بھی مسلمانوں کے کسی اجتماع کو خطرہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کو سخت ناپسندیدہ سمجھتے تھے۔ ہرچند جماعت اسلامی جس طرح کے اجتماعات کرتی ہے اور ان میں جو پیغام یا دعوت پیش کرتی ہے اس کے لحاظ سے ہمیں خود نہ کسی قسم کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور نہ کسی اندیشے کی ہمارے دل میں جگہ تھی۔ بلکہ ان حالات میں اجتماع کی بیش از بیش ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ ہمارا خیال یہ تھا کہ ہمارے اجتماع اور ہماری دعوت ان حالات میں خوشگوار تبدیلیوں کا باعث ہوگی لیکن اس وقت ہر چہار طرف سے جو دشواریاں کسی کل ہند اجتماع کے سلسلہ میں پیش آسکتی تھیں ان پر قابو پانا ہمارے لئے کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اس لئے مجبوراً ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر فی الحال کل ہند اجتماع ممکن نہیں ہے تو اس کا مقصد حلقہ وار اجتماعات کے ذریعہ حاصل کیا جائے، چنانچہ اس کا ایک وسیع پروگرام تیار کیا گیا اور اللہ کا شکر ہے کہ طرح طرح کے موانع کے باوجود جو زیادہ تر مسلمانوں کے خوف وہراس اور ان کی شکست خوردہ ذہنیت کا نتیجہ تھے، ہم ان کے منعقد

کرنے میں کامیاب ہوئے اور ان سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور یہ خدشہ بھی غلط ثابت ہوا کہ ہمارے کسی اجتماع سے مسلمانوں کے لئے کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے، بلکہ حکام کے شک وشبہ میں اضافہ کا امکان ہے۔

لیکن جو ہمہ گیر فوائد کل ہند اجتماع سے حاصل ہوتے ہیں ظاہر ہے وہ حلقہ وار اجتماعات سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے رفقاء کے تقاضوں اور ضروریاتِ جماعت کو دیکھتے ہوئے جونہی ہمیں محسوس ہوا کہ کل ہند اجتماع کے لئے حالات کچھ سازگار ہو گئے ہیں۔ ہم نے گذشتہ سال اس مہینہ میں کل ہند اجتماع کرنے کا فیصلہ کر لیا جس کا اعلان بھی کیا جا چکا تھا لیکن ابھی ہندوستان کی بدقسمتی ختم نہیں ہوئی تھی۔ عین اسی زمانے میں خود یو۔ پی میں فسادات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا جس کا سب سے زیادہ زور ہمارے قرب وجوار کے اضلاع میں تھا، اور ان فساد زدہ علاقوں کے کچھ لوگ بطور پناہ گزیں رام پور میں بھی منتقل ہو گئے تھے جن کی طرف مرکز کو متوجہ ہونا پڑا اس لئے تمام تیاریاں مکمل ہونے کے باوجود بھی اجتماع کو ملتوی کرنا پڑا۔ لیکن الحمدللہ کہ فسادات کا یہ دور زیادہ طویل نہ ہو سکا حالات جلد اعتدال پر آگئے اس لئے ہم نے اس سال دوبارہ اللہ کا نام لے کر زیادہ مضبوطی اور پختگی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ کل ہند اجتماع جو اب تک ملتوی ہوتا چلا آرہا ہے اس سال ضرور کیا جائے اور اس وقت میرا دل اللہ کے فضل کے احساس سے لبریز ہے کہ اس نے اس اجتماع کے انعقاد کے لئے حالات کو ہمارے لئے سازگار بنا دیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سال اس اجتماع کے کرنے میں ہمیں کسی طرح کی دشواری یا رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہے

آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا اور افسوس بھی کہ اس سال بھی جب کل ہند اجتماع کا اعلان کیا گیا تو ہمیں مقامی طور سے طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، حکام کو طرح طرح کی بدگمانیاں ہوئیں اور رکاوٹیں ڈالی گئیں اور اسی طرح خود مسلمانوں کے ایک طبقہ کو بھی چند اندیشوں کے تحت یہاں رام پور میں اجتماع منعقد کئے جانے پر اعتراض ہوا لیکن خدا کا بڑا فضل ہے کہ یہ بدگمانیاں اور اندیشے بڑی حد تک رفع ہو چکے ہیں تاہم اب بھی کچھ حضرات ایسے موجود ہیں جو دیگر وجوہ کے ماتحت ہماری مخالفت پر آمادہ ہیں، مجھے توقع تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خود سمجھ بوجھ عطا فرمائے گا کہ وہ ہماری مخالفت میں کسی ناشائستہ حرکت کا ارتکاب کریں لیکن یہ ناممکن نہیں ہے کہ وہ اس اجتماع میں خلل ڈالنے کی کوشش کریں اگر ایسا ہوا تو بلاشبہ ہمیں اس پر افسوس ہوگا لیکن چونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو پیش آتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آتا ہے اور اس میں کوئی نہ کوئی پہلو خیر ہی کا ہوتا ہے۔ اس لئے اس صورت حال کے استقبال کے لئے بھی آپ کو تیار رہنا چاہئے ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمارے مخالفین کے دلوں میں اس طرح کا خیال ڈال کر ہماری سیرت وکردار کی جانچ کے لئے ایک موقع فراہم کرنا چاہتا ہو تاکہ لوگ دیکھ سکیں کہ جب ہم پر ظلم وستم ڈھایا جارہا ہو تو اس وقت ہم کیسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں اور اس طرح اس شر سے بھی خیر کا پہلو نکل آسکتا ہے میں اس سلسلہ میں آپ کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا رویہ ایسے مواقع پر غصہ اور جھنجھلاہٹ کا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کی بجائے آپ کو صبر وضبط عفو ودرگذر اور بُردباری سے کام لینا چاہیئے۔ مخالفین کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے اُسے خندہ

پیشانی کے ساتھ برداشت کیجئے اور ان کا شکوہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اپنی عفو و مغفرت اور استقامت و ثابت قدمی کی دعا کیجئے۔ آپ کا یہ رویہ خود مخالفین کے لئے تازیانۂ عبرت ثابت ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے اس کے بعد ان پر راہِ صواب واضح ہوجائے اور وہ خود بخود اپنی مخالفتوں سے باز آجائیں۔ آپ دین کا کام کرنے کے لئے آمادہ ہوئے ہیں اور اس کام میں اس طرح کی مخالفتوں کا پیش آنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کام کے سلسلہ میں دین کے حقیقی خادموں اور علم برداروں کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کے لئے طائف تشریف لے گئے تھے تو اس وقت مخالفین نے آپ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ آپؐ کی ہنسی اڑائی گئی۔ آپ کے جسم اطہر پر پتھروں کی بارش کی گئی، یہاں تک کہ آپؐ کا پورا جسم مبارک لہو لہان ہوگیا تھا اور وہ دن آپ کے لئے اتنا سخت ثابت ہوا تھا کہ اس پر طویل زمانہ گزرنے کے بعد بھی آپ نے ایک موقع پر اس دن کا تذکرہ ایک سخت دن کے نام سے کیا، لیکن اس کے باوجود آپ نے جو کچھ پیش آیا خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا اور اس ظلم وستم کے مقابلہ میں اگر آپ کی زبانِ مبارک سے ان کے حق میں کوئی کلمہ نکلا بھی تو وہ یہ نکلا کہ:-

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ   اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے۔ کیونکہ وہ علم نہیں رکھتے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ایک موقع پر حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں

کی سرگذشت سنائی گئی ہے جن میں سے ایک کا حال یہ تھا کہ جب اس کی قربانی اس کی نیت کی کھوٹ کی وجہ سے قبول نہیں ہوئی اور دوسرے بھائی کی قبول کر لی گئی تو وہ رشک و حسد سے جل اٹھا اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا لیکن اس کے مقابلہ میں دوسرے بھائی کا رویہ یہ تھا کہ اس حالت میں بھی ان کے دل میں بھائی کے خلاف کوئی غصہ پیدا نہ ہوا۔ اس موقع پر بھی انھوں نے کچھ کہا تو یہ تھا۔

لَئِنۡ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقۡتُلَنِیۡ	اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کیلئے دست درازی کریگا تو
مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡكَ لِاَقۡتُلَكَ	میں تجھے قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ اٹھانیوالا نہیں ہوں
اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ	میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو کائنات کا رب ہے۔

ہمارا طرز عمل بھی اپنے مخالفین کے مقابلہ میں یہی ہونا چاہیے۔ اس سے آپ کے اخلاق میں بلندی پیدا ہوگی اور اس طرح یہ مخالفتیں اور مزاحمتیں آپ کی تعمیر اخلاق میں بڑی معاون ثابت ہوں گی۔

بہر حال یہ ایک ضمنی بات درمیان میں آگئی ہے۔ ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ طرح طرح کی مخالفتوں اور مزاحمتوں کے باوجود اس نے آج ہمیں یہاں جمع ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔ قدرتی طور پر اس موقع کے میسر آنے پر آپ کو بھی مسرت محسوس ہوتی ہوگی کیونکہ تقسیم کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ہندوستان کے تقریباً تمام حلقوں کے رفقا یکجا ہوئے ہیں اور میرا دل بھی مسرت سے لبریز ہے۔ کیونکہ حقیقتاً میرے لئے سب سے مسرت بخش لمحہ وہ ہوتا ہے جب رفقاء کار سے ملاقات ہو اور جب کہ اتنے رفقاء سے ملاقات کا موقع میسر آرہا ہے جن سے

یکجائی ملاقات معلوم نہیں کہ کب ہو سکے گی اور ان میں سے کتنوں سے بعد کو بھی کوئی انفرادی ملاقات کا موقع حاصل ہو سکے گا یا نہیں میری مسرت کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن میں ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ اس موقع پر آپ کو توجہ دلاؤں کہ ہر چند ہم خیال اور ہم مقصد لوگوں سے ملنا ایک مسرت بخش موقع ہوتا ہے اور اس موقع پر مسرت محسوس کرنا ایک بالکل فطری بات ہے لیکن ہر چیز کی طرح اس کی بھی ایک حد ہے۔ اگر یہ اس حد سے تجاوز کر جائے تو یہی چیز بجائے محمود ہونے کے مذموم بن سکتی ہے، عرصہ کے بچھڑے ہوئے لوگ آج مل رہے ہیں اس لیئے دل کھول کر ملئے۔ اور مل کر جس قدر بھی خوش ہو سکتے ہوں خوش ہو جیئے لیکن اس مسرت اور خوشی میں اس بات کو بھول نہ جائیے کہ آپ کا طول طویل سفر کر کے یہاں جمع ہونا اور ملنا جلنا کسی غرض اور مقصد کے لئے ہے۔ آپ کے یہاں جمع ہونے کی سب سے پہلی غرض یہ ہے کہ رفقاء ایک دوسرے سے متعارف ہوں تا کہ ان میں محبت، یک جہتی اور باہمی تعاون و اشتراک کے جذبات پیدا ہو سکیں، جو اس کام کے لئے ضروری ہے۔ اس غرض کے لئے آپ کو ایک دوسرے سے ضرور ملاقاتیں کرنی چاہئیں۔ بلکہ اجتماعات کے پروگرام سے جو فارغ لمحات آپ کو میسر آئیں ان کو اسی کام میں صرف کرنا چاہیئے لیکن مقصود یہ غرض ہونی چاہیئے کہ محض گپ شپ اور لایعنی گفتگوئیں جو نہ صرف یہ کہ مفید نہیں ہو سکتیں بلکہ الٹی مضر اور ضیاع وقت کا باعث ہوں گی، دوسری غرض اس اجتماع کی یہ ہے کہ آپ اس بات کا جائزہ لے سکیں کہ مختلف مواقع پر آپ کے رفقاء کیا اور کس طرح کام کر رہے ہیں اور ان کے موانع و مشکلات کیا ہیں تا کہ آپ تمام صورت حالات

کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کر سکیں کہ آپ کو آئندہ کیا اور کس طرح کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس غرض کے لئے دو باتوں کا آپ کو خاص طور سے اہتمام کرنا ہوگا۔ پہلی بات یہ کہ اوقات کی آپ پوری پوری پابندی کریں، کھانے پینے اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور نماز اور اجتماع کے لئے جو اوقات مقرر کئے گئے ہیں ان کی شدت سے پابندی ہونی چاہیئے ورنہ لامحالہ اس کا اثر آپ کے عام پروگرام پر پڑے گا۔ اور جو بہت سے ضروری کام ان چند دنوں میں آپ کو انجام دینا ہیں وہ وقت پر انجام نہیں پا سکیں گے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ہر کارروائی میں پورے ذوق و شوق اور توجہ وانہماک کے ساتھ حصہ لیں، خاص طور پر دوسری غرض کے تحت جو پروگرام ہوگا اس میں صرف ہمارے رفقاء کار کو دلچسپی ہو سکتی ہے دوسرے لوگوں کے لئے جن کا جماعت کے کاموں سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے ان کو وہ پروگرام بڑا خشک اور بدمزہ معلوم ہوگا۔ اگر خدانخواستہ آپ لوگوں کی دلچسپی بھی اس کے ساتھ ویسی نہیں ہوئی جیسی ہونی چاہیئے۔ تو اس کا مطلب صرف یہی ہوگا کہ ابھی کام کے ساتھ آپ کو پورا پورا لگاؤ پیدا نہیں ہوا ہے۔

تیسری غرض اس اجتماع کی یہ ہے کہ آپ اپنی دعوت دوسرے لوگوں تک پہونچا سکیں۔ اسی غرض کے لئے خصوصی اجتماعات کے ساتھ اجتماعِ عام بھی کیا جاتا ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم ہر طرح کے لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے اور اس سال اس غرض کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دو دن

خطاب عام کے لئے رکھے گئے ہیں اور ہم توقع کرتے ہیں کہ ان دونوں کے پروگرام کے ذریعہ ہم اپنی دعوت بہت کچھ نئے لوگوں تک پہونچا سکیں گے لیکن یہ بات آپ کے پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ اس مقصد کے لئے اجتماعِ عام کے پروگرام ہی کافی نہیں ہیں، آپ کی دعوت کے بے شمار اور نہایت وسیع گوشے ہیں جن کی توضیح وتفصیل کے لئے دو دن کے اجتماعات کافی نہیں ہو سکتے۔ جو باتیں ان میں پیش ہوں گی انکے علاوہ بھی بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کے پیش کرنے کی ضرورت ہو اور آپ کے اس اجتماع میں بہت سے لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جو کچھ خاص طرح کے اشکالات یا شکوک وشبہات رکھتے ہوں جن سے تعرض کا ممکن ہے، اجتماعات کی تقریروں میں موقع نہ مل سکے۔ اس لئے آپ لوگ صرف اجتماعِ عام کے پروگرام پر اعتماد کر کے اپنے تبلیغ ودعوت کے فریضہ میں کوتاہی نہ کریں۔ آپ لوگ ایسے لوگوں کو تلاش کر کر کے ان کے پاس پہونچنے کی کوشش کریں اور ان کو پوری توجہ اور نرمی ودل سوزی کے ساتھ اپنی باتیں سمجھانے کی کوشش کریں ہو سکتا ہے کہ اس کوشش کے دوران میں آپ لوگوں کا سابقہ ایسے لوگوں سے پیش آئے جو ان میں ناواقفیت یا کسی بدگمانی کی وجہ سے آپ کے ساتھ کوئی دل آزاری کا رویہ اختیار کریں ایسے لوگوں کے طرزِ عمل سے آپ لوگوں کو متاثر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ پورے سکون واطمینان کے ساتھ ان کی پوری باتیں سننی چاہئیں اور پھر پوری ملاطفت کے ساتھ ان کے شکوک واعتراضات کو رفع کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ محض آپ کو چھیڑنے کے لئے کچھ سوالات کریں۔ ایسے لوگوں کی اس نیت کا اندازہ کر لینے کے بعد ان کے ساتھ درگذر سے کام لیں اور خواہ مخواہ بحث ومباحثہ میں نہ الجھیں۔

بہرحال یہ موقع اپنی دعوت سے لوگوں کو روشناس کرنے، جو پہلے سے کچھ واقف ہیں ان کی واقفیت کو زیادہ کرنے اور جو شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں ان کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے ایک نہایت عمدہ موقع ہے، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن یہاں میں آپ کو توجہ دلانی چاہتا ہوں کہ دعوت بلاشبہ زبانی بھی دی جاسکتی ہے۔ لیکن حقیقی اور موثر دعوت عمل ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ آج جو نئے لوگ یہاں تحقیق کی غرض سے آئے ہوئے ہیں وہ اس لئے نہیں آتے ہیں کہ وہ آپ کی زبانی کچھ نئی باتیں سنیں گے آپ جو باتیں پیش کرتے ہیں وہ نئی باتیں نہیں ہیں اور ممکن ہے ان میں سے کتنے ایسے ہوں جو ان باتوں سے آپ سے بہتر طور سے خود واقف ہوں یا آپ سے بہتر بیان کرنے والوں کی زبانی انھوں نے سنی ہوں، ان کے یہاں آنے کا زیادہ تر مقصد یہ ہے کہ وہ آپ کے اجتماع میں شریک ہو کر یہ دیکھیں کہ آپ جو اونچی اونچی باتیں کرتے ہیں آپ اپنے انفرادی یا اجتماعی عمل کا کیا نمونہ رکھتے ہیں اور وہ کہاں تک آپ کی باتوں کے مطابق ہے۔ اچھی اور اونچی باتیں اس زمانہ میں کوئی نایاب چیز نہیں ہیں۔ البتہ حسن عمل ایک ضرور کمیاب اور نایاب چیز ہے، اور دنیا کو حقیقتاً اس کی تلاش ہے۔ اگر آپ نے سب کچھ کہہ دیا لیکن اپنے عمل کا کوئی اچھا نمونہ آپ پیش نہ کرسکے تو صرف یہی نہیں کہ آپ کی دعوت مؤثر نہیں ہوسکے گی بلکہ اندیشہ ہے آپ لوگوں کے لئے دین اور دینی کام سے تنفر کا باعث نہ بن جائیں اور یقیناً یہ معاملہ بڑا ہی سخت اور قابل توجہ ہے۔

اس سلسلہ کی بنیادی بات یہ ہے اور یہی درحقیقت آپ کے کام کا اصل الاصول ہے۔

کہ آپ میں تقویٰ اور خشیت الٰہی اس حد تک ہونی چاہیئے کہ اس کا اثر آپ کے ہر قول و عمل سے نمایاں طور سے محسوس کیا جا سکے، اس غرض کے لئے آپ کو ہر ہر قدم پر احتساب کرنا چاہیئے کہ آپ اس اصل کو کہاں تک ملحوظ رکھ رہے ہیں اور اس احتساب کا سب سے بہتر ذریعہ نماز ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر تقویٰ و خشیت الٰہی کی یہ کیفیت حاصل کرنے اور اس کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے کم از کم نتائج یہ ہوں گے۔

(۱) آپ اپنا وقت بے کار یا لایعنی بات چیت میں صرف کرنے سے احتراز کریں گے کیوں کہ وقت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس کے سلسلہ میں ہر انسان کو جوابدہی کرنی ہوگی کہ اسے اس نے کس کام میں صرف کیا ہے۔

(۲) آپ اپنی زبان کو غیبت اور بدگوئی سے محفوظ رکھیں گے کیونکہ زبان جو کچھ بولتی ہے اس کا بھی ہمیں لامحالہ حساب دینا ہے۔

(۳) آپ کوشش کریں گے کہ آپ کا کوئی فعل بے وجہ کسی کی ایذا کا باعث نہ بنے بلکہ آپ دوسروں کی خدمت و اعانت کرنا اپنا فرض سمجھیں گے کیونکہ یہ چیز خدا کی ناراضگی سے بچنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔

(۴) آپ دوسروں کی اصلاح میں شوق و دلچسپی سے حصہ لیں گے کیونکہ یہ چیز آخرت کی زندگی میں آپ کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے۔

(۵) اور آپ خود اپنی اصلاح پر آمادہ ہوں گے اور اس سلسلہ میں دوسروں کی نصیحت کو بغیر کوئی ناگواری محسوس کئے ہوئے دل سے قبول کریں گے اور اس کے شکر گذار ہوں گے۔ بہر حال تقویٰ دین کی جان ہے، اگر ہم

اور آپ اس کو اپنانے میں کامیاب ہوں گے تو یقیناً ہمارے اس اجتماع سے خیر و برکت کا ظہور ہوگا اور ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے۔ لیکن اگر خدانخواستہ سب کچھ ہوا لیکن نیکی کی اصل روح کو ہم بقدر وسعت محفوظ نہیں رکھ سکے تو آپ کا یہ زحمتیں اور مشقتیں اٹھاکر آنا اور آپ کا یہ سارا نظم و انصرام بالکل بے کار ثابت ہوگا، اور اس کا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

دوسری بات جس کی طرف مجھے اس سلسلہ میں آپ کو توجہ دلانی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی ایک خاص خصوصیت جو آپ کو عام مسلمانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے کو ایک اجتماعیت کے شیرازہ میں منسلک کیا ہے، آپ انفرادی طور سے اپنی اصلاح کرنے اور اپنے اعمال کو شریعت کے قالب میں ڈھالنے کی جدوجہد کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی ایک منظم جماعت کی ماتحتی میں گذرے یہ چیز ضروری ہونے کے ساتھ کچھ نئی بھی نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر آپ کی جماعتی زندگی کی خصوصیات نمایاں طور سے سامنے آسکیں۔ آپ نے جب اطاعت امر اور نظم جماعت کی پابندی کا عہد خود اپنی مرضی سے کیا ہے تو آپ کو اپنی ہر چیز میں اس کی پوری پوری پابندی کرنی چاہیئے۔ ویسے سمع و طاعت کے بارے میں میں عام طور سے اپنے رفقاء کے بارے میں خوش گمان ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ عام حالات میں اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے نہ صرف میرے لئے بلکہ خود آپ کے لئے بھی، اس کی صحیح حیثیت اس وقت نمایاں ہو سکتی ہے جب انسان کو کوئی مشکل پیش آئے یا اپنی مرضی اور پسند کے خلاف کچھ باتیں کرنی

پڑیں، اور یہ اجتماع کا موقع بھی اسی طرح کا ایک موقع ہے۔ اجتماع کے سلسلہ کے یہ تمام انتظامات جو آپ کے سامنے ہیں آپ ہی لوگوں کے اعتماد پر شروع کئے گئے ہیں ان کو قائم کرنا اور برقرار رکھنا یہ آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ ممکن ہے اس کے سلسلہ میں آپ لوگوں کو اپنی ہر طرح کی راحت و آسائش کو قربان کرنا پڑے اور رات دن کے اوقات میں آپ لوگوں کو تھوڑی دیر سونے کا بھی موقع نہ مل سکے، میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ لوگ اس طرح کی تکلیفیں خوشی کے ساتھ گوارا کرینگے اور جو کام جس شخص کے سپرد کردیا جائے اسے وہ پورے انہماک اور مستعدی کے ساتھ انجام دیگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ لوگوں کو انتظامات کے ضمن میں بعض ایسی خدمات بھی انجام دینی پڑیں جن کو عام طور سے حقارت اور ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن عزت و ذلت کا عام پیمانہ آپ کے سامنے نہیں ہونا چاہیئے، آپ ہر اس کام کو عزت کا کام سمجھیں جو دین کے اعزاز اور خدا کی خوشنودی کے حصول کے لیے کیا جائے، خواہ وہ عام نگاہوں میں کتنا ہی ذلیل کام کیوں نہ ہو، بندے کی عزت اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ وہ ذلیل سے ذلیل کام کرکے بھی خدا کی خوشنودی حاصل کرسکے۔

اس کے بعد اس سلسلہ کی آخری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ وقت ملک کے لیے، مسلمانوں کے لئے اور آپ کی جماعت کے لئے بہت نازک وقت ہے ان میں سے ہر ایک کو طرح طرح کی مشکلات اور زحمتیں درپیش ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کے سلسلہ میں آپ پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جس کا ادا کرنا بہرحال ضروری ہے لیکن یہ ظاہر بات ہے کہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے

کے لئے آپ کے پاس ظاہری کوئی سہارا نہیں ہے، آپ کو کلیتہً خدا پر اعتماد کرنا ہوگا اس لئے ضروری ہے کہ آپ ہر موقع پر اور خاص طور سے اجتماع کے اس موقع پر زیادہ سے زیادہ لگاؤ اپنا اللہ تعالیٰ سے قائم کریں اور اس سے اس سلسلہ میں ہدایت و توفیق کے لئے برابر دعا کرتے رہیں۔

یہ تین باتیں جو میں نے عرض کی ہیں ان کا خاص روئے خطاب رفقائے جماعت کی طرف تھا لیکن ان باتوں کے مخاطب ہمارے ہمدرد حضرات بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے خیال کے مطابق اپنے کو ہمدردوں کے خانے میں رکھ کر جماعت کی ذمہ داریوں سے بچنے کی کیسی ہی بہتر سبیل کیوں نہ نکال لی ہو لیکن وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ان ذمہ داریوں سے علیحدہ نہیں ہیں، ہر شخص کے پاس رجسٹر نہیں ہوتا ہے کہ وہ دیکھ کر یہ فیصلہ کرے کہ کون رکن جماعت ہے اور کون ہمدرد جماعت اور نہ اس تحقیق کے لئے کسی کے پاس وقت اور فرصت ہی ہے اس لئے ہر وہ شخص جماعت کا رکن سمجھ لیا جاتا ہے جو جماعت کا نام لیتا ہو یا اس کی کوئی نہ کوئی خدمت انجام دے رہا ہو۔ اس لئے اگر ان سے کوئی کوتاہی کسی ضمن میں سرزد ہوتی ہے تو وہ پوری جماعت کی طرف منسوب کردی جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے مقامات پر محض ہمدردوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے جماعت اور اس کے کام کو بڑا نقصان پہونچا ہے، اس لئے میں ہمدرد حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ انھیں بھی ان ہدایات کی پوری پابندی کرنی چاہیئے جو ارکانِ جماعت کے ضمن میں پیش کی گئی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ہمدردوں میں بہت سے ہمدرد ایسے ہیں جو بہت سے ارکان سے بھی زیادہ جماعت کا کام انجام دے رہے ہیں ایسے لوگوں کی جماعت کے ساتھ ہمدردی

ظاہر ہے۔ ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن میں کم از درجے کے کسی ہمدرد کے بارے میں بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ وہ جان بوجھ کر جماعت کو کوئی نقصان پہونچانا چاہے گا۔ اس لئے مجھے توقع یہی ہے کہ اس موقع پر خاص طور سے وہ اس کی احتیاط کریں گے کہ ان کا کوئی قول وعمل دانستہ یا غیر دانستہ طور پر جماعت کی بدنامی کا باعث نہ بنے، آخر میں میں چند جملے ان لوگوں سے عرض کرنا چاہتا ہوں جو محض اس لئے تکلیفیں اٹھا کر تشریف لے آئے ہیں کہ وہ ہماری باتیں سُنیں اور ہمیں قریب سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر مجھے رسمی باتوں سے طبعاً کراہت نہ ہوتی تو میں ایسے حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا لیکن ایک طرف میں ایک رسمی چیز سے بچنا بھی چاہتا ہوں اور دوسری طرف مجھے یہ احساس بھی ہے کہ جو لوگ اس غرض کے لئے تشریف لے آئے ہیں اپنا فرض سمجھ کر آئے ہیں اس لئے وہ رسمی شکریہ سے یقیناً مستغنی ہوں گے۔ ان وجوہ سے میں ایسے لوگوں کا کوئی رسمی شکریہ تو نہیں ادا کرنا چاہتا لیکن اس بات پر میں اپنی مسرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ محض تحقیق کی خاطر انھوں نے یہاں تشریف لے آنے کی زحمت گوارا کی ہے۔ اس زمانہ میں عام طور سے لوگوں کا رجحان بہت بدلا ہوا ہے۔ اونچے مقاصد سے وہ بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس لئے یقیناً ایسے لوگ بہت زیادہ قابلِ قدر ہیں جو محض یہ معلوم کرنے کے لئے یہاں تشریف لے آئے ہیں کہ اس وقت عام طور سے پوری انسانیت کے لئے اور اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ اس ملک کے لئے جس میں ہم رہتے ہیں اور اس قوم کے لئے جس کے ہم ایک فرد ہیں، کیا معاملات و مسائل در پیش ہیں؛ اور جماعت اسلامی ان کے سلسلہ میں کیا حل پیش کرتی ہے،

خاص طور سے غیر مسلم حضرات کا اس غرض کے لئے یہاں تشریف لے آنا میرے لئے خصوصیت کے ساتھ موجب مسرت ہے، ہر چند مجھے اس مجمع میں ان کی صورتیں تھوڑی نظر آتی ہیں جو میرے لئے چنداں باعث تعجب بات نہیں ہے۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے دنوں ہندوستان کے جو عمومی حالات رہے ہیں ان کا یہ قدرتی نتیجہ ہے لیکن جتنی تعداد بھی ہے وہ ہمارے لئے غنیمت ہے میں ایسے تمام حضرات کو خوش آمدید کہتا ہوں البتہ اپنی وسعتوں اور مجبوریوں کا اندازہ کرتے ہوئے میں بطور معذرت یہ اظہار کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے ان کی اس طرح خاطر و مدارت نہ کر سکیں جس طرح ہمیں کرنی چاہیئے لیکن وہ اسے ہمارے احساس کی کمی یا کوتاہی پر محمول نہ کریں بلکہ اس کو ہمارے وسائل کی کمی یا اجتماعات کی غیر معمولی مصروفیتوں کا نتیجہ خیال فرمائیں۔

جہاں تک ان کی تحقیق کے جذبہ کا تعلق ہے اس کے سلسلہ میں مجھے دو باتوں کا اظہار کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کسی جزوی کام یا جز کی اصلاح کے لئے قائم نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ ایک عمومی اصلاح کی دعوت ہے اور اس دعوت کے بہت وسیع گوشے ہیں اس لئے ہماری باتوں کو پورے صبر و توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے، اس کے بغیر تحقیق کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے اجتماع کی کارروائیاں ایک خاص تنظیم و ترتیب کے ساتھ عمل میں آئیں گی جن کے درمیان باہمی گہرا ربط و تعلق

ہوگا۔ اس لئے اگر کسی ابتدائی مرحلے میں آپ کو کوئی خاص شبہ یا اعتراض پیش آئے تو اسے وقت کے وقت حل کرنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ صبر کے ساتھ ہماری تمام کارروائیوں کے ختم ہونے کا انتظار فرمائیں۔ مجھے امید ہے بعد کے مرحلوں میں وہ شکوک واعتراضات خود بخود رفع ہوجائیں گے لیکن اگر وہ اس کے بعد بھی باقی رہ گئے تو ان کے ازالہ کے لئے انشاءاللہ آپ ہماری خدمات موجود پائیں گے۔

اب میں آپ کا وقت لینا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد جناب محمد یوسف صاحب قیم جماعت آپ کے سامنے جماعت اسلامی ہند کی کل ہند رپورٹ پیش کریں گے، اسے آپ حضرات توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں اس سے آپ کو اندازہ کرنے کا موقع ملے گا کہ جماعت نے اب تک کیا کام انجام دیئے ہیں اور کیا کیا کام باقی رہ گئے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا وَجَعَلَنَا مِنْ خَیْرِ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۵

امیر محترم رفقائے کرام اور معزز حاضرین و حاضرات! دُنیا آج جس بحرانی دور سے گذر رہی ہے اس میں اپنی اصلاح کی کوشش کرنا اور دوسروں کو سُدھار کی طرف مائل کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اگر زندگی کے کسی ایک شعبہ کی اصلاح مقصود ہو تو کام کرنے والوں کی راہ میں زیادہ دشواریاں حائل نہیں ہوتیں لیکن جب انسانی زندگی کی کوئی کل بھی سیدھی نہ ہو اور پوری کی پوری زندگی کو درست **Over-haul** کرنے کی ضرورت ہو اور پوری کی پوری سوسائٹی کی تشکیلِ نو مطلوب ہو، جہاں طرزِ معاشرت و طرزِ تمدن کو یک قلم بدلنا ہو، جب کاروبار، تجارت، زراعت و صنعت اور معاش کے تمام گوشوں میں انقلابی اصلاح مقصود ہو، جہاں حکومت و سیاست اور بین الاقوامی معاملات کو صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت ہو، قانون اور قانون سازی کے نقطہ ہائے نظر کو یکسر بدل دینا مقصود ہو، جب تعلیم و تربیت کے نظام میں بنیادی تبدیلیاں پیشِ نظر ہوں، جہاں اخلاق و روحانیت کی موجودہ قدروں کے بجائے نئی قدریں مہیا کرنی ہوں، غرضیکہ جب

زندگی کے ہر گوشہ اور ہر شعبہ میں خواہ وہ انفرادیت سے تعلق رکھتا ہو یا اجتماعیت سے، ایک ہمہ گیر انقلاب لانا مقصود ہو اور پھر اس انقلاب کا تصور بھی رائج الوقت انقلاب وخونریزی سے مختلف ومتضاد ہو، جس سے شر کا کلی استیصال اور خیر کا قائم کرنا مقصود ہو، اور اس پر مستزاد یہ کہ اس عظیم الشان انقلاب کو برپا کرنے کے لئے جدوجہد وہ لوگ کر رہے ہوں جن کا تعلق اسی گروہ سے ہو جس کی غیر اسلامی روش نے اپنوں کو انحطاط و جمود میں اور غیروں کو ریب وتردد میں مبتلا کر دیا ہو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے پُر امن **Blood-less** اور مہتم بالشان انقلاب **Glorious Revolution** کا ہمارے اپنے محدود ذرائع و وسائل کے ساتھ برپا ہو جانا محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی پر منحصر ہے۔ البتہ اپنی جیسی کوشش کرنا ہمارا اپنا کام ہے۔

جماعت اسلامی ہند کی تشکیل کس طرح ہوئی

ہم جانتے ہیں کہ یہ انقلاب اور ہمہ گیر تبدیلی جو ہمارے پیش نظر ہے اس کے داعی اپنے اپنے زمانہ اور اپنے اپنے ملک میں انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد ان حضرات کے خاص متبعین رہے ہیں۔ آج سے تقریباً چودہ سو برس (۱۴۰۰) پیشتر اس دینی اور اخلاقی انقلاب کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں بلند کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نے جو انقلاب اپنے پیروں کی ذہنیت اور ان کی پوری زندگی میں برپا کر دیا تھا۔ وہ دنیا کی تاریخ میں اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا۔ اسی دعوت

کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اور ان حضرات کے بعد امت مسلمہ کے بعض دیگر حضرات نے اپنایا۔ خود ہندوستان میں بعض بزرگانِ دین کی پوری زندگیوں کا مقصد یہی انقلاب رہا ہے۔ لیکن ہندوستان پر چونکہ ایک عرصہ تک مسلمان سلاطین کا تسلط رہا۔ جنھوں نے اِلّا مَاشاءاللہ اسلام کی نمائندگی کرنے کے بجائے ملک گیری کو اپنا مقصد بنا رکھا تھا۔ اس لئے یہاں صحیح اسلامی ماحول پیدا نہ ہوسکا اور دینِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وہ وسعت اور ہمہ گیری جو ان حضراتؑ کے پیش نظر تھی یہاں عام طور سے لوگوں کے ذہنوں میں جگہ نہ پاسکی۔ پھر یہاں انگریزوں کے ڈیڑھ سو سالہ تسلط کی وجہ سے ذہنیتیں اس قدر مرعوب ہوگئیں کہ یہاں جن لوگوں کو ایک عظیم الشان اخلاقی انقلاب کی دعوت دینی چاہیئے تھی۔ وہ خود ....

صنعتی انقلاب **Industrial Revolution**

انقلاب فرانس **French Revolution**

اور روس کے خونی انقلاب وغیرہ جیسی چیزوں سے نہ صرف متاثر بلکہ مرعوب ہوگئے۔ غریب عوام کا تو کیا کہنا، وہ حضرات جن کے علم و فضل کا سکہ عوام پر بیٹھا ہوا تھا وہ بھی ایسی تحریکات کے دلدادہ بن گئے جو یورپ کے انقلابات کے نتیجہ میں نسلی، وطنی، طبقاتی اور معاشی بنیادوں پر انگریزی اقتدار کے ختم ہونے سے چند سال قبل ہندوستان میں وجود میں آئیں۔ ان حالات کا فطری تقاضا یہ تھا کہ ملک میں کوئی ایسی تحریک اٹھے جس کا مقصد، نصب العین، دعوت اور طریق کار اسوۂ انبیاء کے مطابق ہو چنانچہ اس دور میں احیائے دین اور

اقامت دین کے کام کو چند بے بضاعت انسانوں نے سنبھالنے کے لئے پیش قدمی کی اور چونکہ اس وقت کوئی بھی ایسی جماعت موجود نہ تھی جو اس فریضہ کو انجام دے رہی ہو اس لئے اگست ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کا قیام متحدہ ہندوستان میں عمل میں آیا جس کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی منتخب ہوئے تھے یہ جماعت تقسیم ہند سے قبل تک متحدہ ہندوستان کے باشندوں کو ایک ذہنی اور فکری صالح انقلاب کی دعوت دیتی رہی اور لادینیت Secularism قوم پرستی Nationalism اور جمہوریت Democracy کی بنیادوں پر جو نظامہائے حیات دنیا میں چل رہے تھے ان کی خرابیاں کھول کھول کر بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کو بالخصوص اور غیر مسلموں کو بالعموم ایسے نظام حیات کے قائم کرنے کی دعوت دیتی رہی جس کی بنیاد خدا کی بندگی و اطاعت، وحدت انسانیت حاکمیت الٰہ اور خلافت جمہور پر قائم ہو لیکن بجز معدودے چند کے اس کی آواز پر عام طور سے لوگوں نے کان نہیں دھرا۔

بالآخر اگست ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم عمل میں آئی اور اپنے ساتھ وہ طوفان بدتمیزی لائی جس کا خمیازہ ہم میں سے ہر ایک کو بھگتنا پڑا۔ اس وقت جماعت اسلامی کے ان رفقاء نے جو واگہ کے اس پار رہ گئے تھے یہ محسوس کیا کہ اب ہمارا تعلق اس وقت کے امیر جماعت مولانا مودودی صاحب سے عملاً ناممکن ہے کیونکہ وہ اس حصہ میں مقیم تھے جو پاکستان کہلاتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے طور پر منتشر طریقہ سے اور بلا کسی مرکزی نظم کے جدوجہد کرتے رہے اور جہاں تک حالات نے اجازت دی ملک میں، فساد اور بدامنی کو روکنے اور لوگوں میں خیر و صلاح کے

جذبہ کو ابھارنے کی کوشش میں لگے رہے لیکن جب تک کوئی باقاعدہ نظم قائم نہ ہو منظم طور پر کام کرنا دشوار ہوا کرتا ہے اس لئے بھارت کے رفقاء نے آپس میں مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ ہمارا اجتماعی نظم علیحدہ قائم ہونا چاہئے جس کا کوئی مشاورتی، مالی، انتظامی، دستوری، یا اور کسی قسم کا تعلق کسی بیرونی شخصیت یا جماعت سے نہ ہو لیکن اس وقت تک چونکہ مودودی صاحب ہمارے بھی آئینی طور سے امیر تھے اس لئے ان سے اجازت لینا شرعاً ضروری تھا۔ چنانچہ مولانا نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور ہمیں اجازت دے دی اور وسط اپریل ۱۹۴۸ء میں بھارت کے رفقاء نے متفقہ طور پر مولانا ابواللیث صاحب ندوی اصلاحی کو اپنا امیر منتخب کیا۔ اس طرح جماعت اسلامی ہند کی تشکیل وسط اپریل ۱۹۴۸ء میں عمل میں آئی۔

اس وقت سے بھارت اور پاکستان کی جماعتیں اپنی اپنی جگہ بالکل الگ ہیں اور اپنی آزاد اور مستقل حیثیت میں کام کر رہی ہیں۔ وہاں کا نظم جماعت الگ اور یہاں کا الگ ہے ہم اپنی صوابدید کے مطابق یہاں کے مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنا چاہتے ہیں اور وہ حضرات اپنی صوابدید کے مطابق اپنے یہاں کے حالات کو کتاب و سنت کی روشنی میں درست کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور چونکہ ان دونوں ملکوں کے مسائل مختلف ہیں اس لئے ہمارے اور جماعت اسلامی (پاکستان) کے طریق کار میں فرق کا ہونا بھی ایک لازمی شے ہے اگرچہ بنیادی طور سے اقامت دین اور اعلائے کلمۃ الحق انکا بھی مقصد ہے اور ہمارا بھی،

بس یہی اصول Ideology کا اشتراک ہمارے اور ان کے درمیان موجود ہے اور یہ اشتراک اس قسم کا ہے جو وحدت الٰہ اور وحدت انسانیت کی بنیاد پر قائم ہونے والی کسی ملک کی جماعت سے خود بخود اور فطرتاً پیدا ہو جاتا ہے۔ اس نظری اور اصولی Ideological اشتراک کی بنا پر، یا تقسیم ہند سے قبل کے حالات کے پیش نظر جب کہ ایک واحد تنظیم تھی۔ بعض لوگ غلطی سے، اور بعض محض پروپیگنڈے کی خاطر مشہور کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی ہند اور جماعت اسلامی (پاکستان) دونوں ایک ہیں یا یہ کہ جماعت اسلامی ہند کا تعلق مولانا مودودی سے ہے لیکن حقیقت وہ ہے جو اوپر بیان کی گئی۔ بہر حال جس وقت جماعت اسلامی ہند کی تشکیل ہوئی وہ ہمارے لئے ایک نازک دور تھا، ایک طرف تو غیر مسلموں میں اشتعال، انتقام، عصبیت اور تعصب کے جذبات بھڑک رہے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں پر خوف و ہراس، اور انتشار کی حالت طاری تھی۔ مسلمان ایک طرف اکثریت سے اور دوسری طرف نئے نظام حکومت سے خائف و مرعوب تھے۔ ان رات فرقہ پرستی سے بیزاری، خود سیاست سے بیزاری اور شاذ و نادر نعوذ باللہ اسلام سے بیزاری، مسلمانوں کا اور ان کی انجمنوں کا عام دستور بنا ہوا تھا۔ ایسے حالات میں مسلم قوم کے چند افراد کا مل کر ملک اور قوم کے مسائل پر غور و فکر کرنا اور سدھار و اصلاح حال کا کوئی کام کرنا ایک بڑا مشکل اور صبر آزما معاملہ تھا۔ ہر چند کہ یہ حالات ایسے نہ تھے جن کو دور رس نگاہوں نے ان کے پیش آنے سے قبل بھانپ نہ لیا ہو۔ حتیٰ کہ اس نازک دور میں جو کچھ پیش آنے والا تھا، اس کے تاریک پہلو سے جماعت اسلامی ہند کے رفقاء پہلے ہی سے واقف تھے اور خدا کی دی ہوئی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس دور میں آنے والی

مشکلات کے پیش نظر اپنی سعی و جہد کے نہج کو تقسیم ہند سے تقریباً چار ماہ قبل ہی طے کر چکے تھے۔ نیز انھیں باتوں کو ایک پمفلٹ کی شکل میں جس کا نام "ہندوستان میں تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل" ہے شائع بھی کر دیا گیا تھا۔ تاکہ قوم پرستی کا نشہ اتر جانے کے بعد جو لوگ ہوش میں آتے جائیں وہ اس دور کی آنے والی مشکلات سے واقف ہو کر اسلامی طرز پر فکر و عمل کے انداز کو معلوم کر سکیں اور غلط اور مفسد نظامہائے حیات سے بچ کر انسانی زندگی کی تعمیر ان بنیادوں پر شروع کر دیں جن کو انسانوں کے خالق، مالک، حاکم اور رازق نے متعین فرمایا ہے۔

لیکن اس رپورٹ میں ان بنیادوں کی تفصیلات میں جانے کا کوئی موقع نہیں ہے اس کے لئے تو آپ کو اس اجتماع کی کارروائی سے کچھ اشارات مل سکیں گے اور ہماری دعوت اور اس کے پروگرام سے متعلق تفصیلات معلوم کرنے کے لئے جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ البتہ ہماری اس رپورٹ کو سمجھنے کے لئے اس فرق کو ضرور مدِ نظر رکھیں کہ جس نظام حیات کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں وہ رائج الوقت نظامہائے حیات سے کتنا مختلف ہے اور کتنا اصلح، ارفع اور اعلیٰ بھی ہے۔

جابرانہ سرمایہ داری اور آمرانہ اشتراکیت کی بنیادوں پر جو نظامہائے حیات انسانوں نے بنائے ہیں ان میں انسان صرف ایک بلند معیار زندگی High Standard of living حاصل کرنے کے لئے بیقرار رہتا ہے لیکن اسلامی نظام حیات میں آدمی کو نہ صرف ایک بلند معیار زندگی بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ اور پہلو بہ پہلو ایک بلند معیار اخلاق High Standard of Morality

اور ایک بلند معیار تقویٰ و خدا پرستی
High Standard of Righteousness بھی حاصل ہوا کرتے ہیں۔ اسلامی نظام حیات میں خدا کا اس کی تمام صفات، حقوق و اختیارات کے ساتھ اذعان و یقین، اس کی رضا و خوشنودی کی طلب اور آخرت کی جوابدہی کا یقین ہی وہ بنیادی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں سودی کاروبار اور استحصال بالجبر کے تمام طریقوں کی حرمت، زکوٰۃ کی عظمت اور قانون وراثت کی عزت پیدا ہو جایا کرتی ہے اور آدمی دولت کا مالک ہونے کے بجائے اپنے آپ کو اس کا امین سمجھنے لگتا ہے اور تمام انسانوں کو ایک خالق کی مخلوق اور ایک آدم کی اولاد سمجھتے ہوئے ان کے اندر طبقاتی جنگ و جدال کے بجائے مطابقت اور موانست پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اسلامی نظام سرمایہ دارانہ جمہوریت اور آمرانہ اشتراکیت، نیز دیگر نظامہائے حیات کی معدودے چند غیر متوقع خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایسی خوبیوں کا بھی حامل ہے جو قطعاً کسی دوسرے نظام میں نہیں مل سکتیں لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس وقت کسی ملک میں عملاً اسلامی نظام قائم نہیں ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کی طرف مائل ہو سکیں بلکہ لوگ عام طور سے سرمایہ دارانہ یا اشتراکی نظامہائے حیات ہی کی طرف مائل ہیں۔ ہماری دعوت یہ ہے کہ لوگ اُن سچے اصولوں کی طرف متوجہ ہوں جو کسی خاص قوم کا ورثہ نہیں ہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے عام ہیں جن کو خالق کائنات نے ابتدائے آفرینش سے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے برگزیدہ انسانوں ہی کے ذریعہ مختلف اقوام عالم کو ان کی اپنی زبانوں میں عطا فرمایا تھا پھر اُنہی اصولوں

کہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صحیح اور مستند شکل میں دنیا والوں کے سامنے پیش کیا گیا جن کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ایک صالح معاشرہ قائم کیا تھا۔ یہ دعوت ہم مسلم و غیر مسلم افراد نیز مسلم اور غیر مسلم جماعتوں، حتیٰ کہ مسلم اور غیر مسلم مملکتوں کو بھی دیتے ہیں کہ آؤ ہم تم سب مل کر ایک ایسا نظام قائم کریں جس میں وحدہٗ لاشریک کی حاکمیت و مالکیت اس کی تمام صفات کو اور آخرت کی بازپرس کو سنگ بنیاد کی حیثیت حاصل ہو۔ صرف اسی صورت میں ایک ایسا نیا عالمی نظام New World order قائم ہو سکتا ہے اور ایک ایسی عالمی حکومت World State وجود میں آ سکتی ہے کہ جس کے افراد کو حقیقی امن و چین کی زندگی نصیب ہو، جس میں دنیا و آخرت کی تمام خوبیوں، بھلائیوں اور فلاح و سعادت کا خوشگوار امتزاج موجود ہو اور جس میں تمام انسان دوسروں کی غلامی سے آزاد اپنے آپ کو محض ایک خدائے واحد کے فرماں بردار اور وفادار بندے اور دوسرے انسانوں کو اپنا بھائی تصور کر سکیں۔ اس طرح وہ انسانی برادری قائم ہو سکے گی جس میں اونچ نیچ نہ ہوگی، نہ ذات پات کے امتیازات ہوں گے بلکہ اعلیٰ اور حقیقی، روحانی اور اخلاقی قدریں ہوں گی۔ سچا اور بے لاگ اجتماعی انصاف ہوگا اور اپنی اصلی شکل میں تمدنی، معاشرتی اور سیاسی جمہوریت بھی موجود ہوگی جو آج کل کی جمہوریت سے بالکل مختلف ہوگی جس میں سارے اقتدار کا مالک وہی خدائے عزوجل سمجھا جائے گا جو واقعی سارے اقتدار

کا مالک ہے اور جس نے اپنے کرم وفضل سے انسان کو وہ شاہراہ مستقیم عطا فرمائی ہے جس پر چل کر انسان اپنا مقصود زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ صراط مستقیم تقسیم ہند سے قبل، تقسیم کے وقت اور تقسیم کے بعد بھی نہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے راہ نجات تھی اور ہے، بلکہ ہمارے علم ویقین کے مطابق پورے ملک اور باشندگان ملک کی تمام مشکلات کا واحد علاج بھی اسی راہ پر چلنے سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی راہ کو ہم خود اختیار کرنا چاہتے ہیں اور اسی کی قولی وعملی تبلیغ ہمارا مقصد ہے یہ راہ بلاشبہ مشکلات سے بھری ہوئی ہے لیکن صحیح راہ کو محض مشکلات کی وجہ سے چھوڑ دینا کوئی معقول رویہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جس وقت جماعت اسلامی ہند کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس وقت وسعتِ کار اور مشکلاتِ راہ کو دیکھتے ہوئے یہ یقین کرنا بڑا دشوار تھا کہ ہماری جماعت ملک کے بدلے ہوئے حالات میں کچھ کر بھی سکے گی لیکن ان دشواریوں کے باوجود جو کچھ ہم کر سکے ہیں اس کی نوعیت آپ پر اس رپورٹ سے واضح ہو جائے گی۔

جماعت کا چار نکاتی پروگرام

پروگرام کے مطابق ہمارے سامنے چار نکات تھے جن پر ہمیں اپنی توجہ پانچ سال میں صرف کرنی تھی۔ ان چار نکات میں سے پہلی چیز تو یہ تھی کہ اس قومی کشمکش کا خاتمہ کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان برپا تھی اور غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات قوم پرستانہ بنیادوں پر قائم ہونے کے بجائے اسلامی بنیادوں پر قائم ہوں کیونکہ جب تک اس کشمکش کا خاتمہ نہ ہو جائے اور غیر مسلموں کے ساتھ صحیح بنیادوں پر خوش گوار تعلقات قائم نہ ہوں غیر مسلموں کا اسلام

کی دعوت کی طرف توجہ کرنا کسی درجہ میں بھی ممکن نہیں ہے۔

دوسری ضروری بات یہ تھی کہ خود مسلمانوں کے معاشرے کی اصلاح اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے، ان میں دین کا علم وسیع پیمانہ پر پھیلایا جائے اور اس علم الٰہی کے مطابق وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ شعبوں کو سنواریں، نیز اس علم کو دوسروں تک پہنچائیں اور اس طرح بھارت میں دین کی قولی و عملی تبلیغ ایک بڑے پیمانہ پر کی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کی دین و دنیا سنبھل جائیں اور ان کا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکے۔

تیسری چیز یہ تھی کہ مسلمانوں کے ذہین طبقہ کی صلاحیتوں سے باقاعدہ طور پر کام لیا جائے اور ان کی کوششوں کو ان تحریری اور تقریری کاموں میں لگایا جائے جو نظام اسلامی کے لئے مفید ہوں۔ مزید برآں اسی ذہین طبقہ کو عوام کی صحیح رہنمائی کے لئے بھی تیار کیا جائے کیونکہ عوامی کام کو صحیح طور پر سنبھالنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ تجربہ کار اور تعلیم یافتہ متدین رہنما میسر نہ ہوں۔

چوتھا ضروری کام ہمارے پیش نظر یہ تھا کہ وہ سب لوگ جو ہماری جماعت سے کسی قسم کا بھی تعلق رکھتے ہوں وہ اس بات کی کوشش کریں کہ ہندی زبان یا دوسری صوبائی زبانوں میں ان کی تحریر و تقریر کی صلاحیت اتنی بڑھ جائے کہ غیر مسلموں کے سامنے ان کی اپنی زبانوں میں نیز ملک کی سرکاری زبان میں دعوت کو پیش کیا جا سکے۔

حضرات! یہ تھا تقسیم ہند کے وقت ہمارا منصوبہ جس کی نوعیت کا اجمالی تذکرہ، آپ جماعت اسلامی ہند کے شائع کردہ دستور میں بھی پا سکتے ہیں۔

آج اس رپورٹ میں ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ وسط اپریل ۱۹۴۸ء سے لے کر یعنی تقریباً تین پونے تین سال کے درمیانی عرصہ میں ہم اس پروگرام پر کس حد عمل کر سکے ہیں، کیا ہماری دشواریاں رہی ہیں، کتنا ہم کرنا چاہتے تھے اور کتنا نہیں کر سکے اور آئندہ کے لئے کیا نقشۂ کار ہمارے پیش نظر ہے۔

قومی کشمکش کو مٹانے کیلئے ہماری کوششیں

سب سے پہلے ہم اپنے پروگرام کا پہلا جزو لیتے ہیں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو کشمکش تقسیم ہند سے قبل محض قومی بنیادوں پر چلی آرہی تھی۔ اس کو ختم کرنے میں ہماری کوششیں بھارت میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بے محل نہ ہوگی کہ قومی کشمکش کو رفع کرنے کا خیال ہمارے دل میں تقسیم ہند کے بعد موجودہ حالات کے پیش نظر پیدا نہیں ہوا بلکہ تقسیم سے قبل بھی ہم اس کو اصولاً غلط سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان اعتصام بحبل اللہ کے اصول کے مطابق اپنے آپ کو حزب اللہ بنانے کے بجائے غیر اسلامی طرز کی قومی رسہ کشی میں مصروف ہو کر ایک نسلی گروہ کی خصوصیات Characteristics کو دنیا کے سامنے پیش کریں اور دین اللہ قائم کرنے کے بجائے غیر مسلم قومیت کے مقابلہ میں مسلم قوم اپنے دنیوی مفاد کے لئے کشمکش شروع کر دے اور رائج الوقت نظام کو چلانے میں سہیم و شریک ہونے کی حیثیت کا مطالبہ کرے۔

تقسیم سے پہلے بھی قومی اور غیر اسلامی اغراض کے لئے غیر مسلموں سے یہ کشمکش اصولی طور پر غلط ہی تھی گو کہ نتائج کے لحاظ سے اتنی مضرت رساں نہ تھی۔

لیکن تقسیم کے بعد تو یہ اصولی غلطی مسلمانوں کو ہلاکت کی طرف لے جانے والی تھی اس لئے مسلمانوں کو تقسیم ہند کے بعد سے تو ہم پیہم اور مسلسل متنبہ کرتے رہے ہیں کہ وہ انتخابات کی دوڑ دھوپ، الیکشن بازی، وزارتوں اور ملازمتوں کے تناسب کی جد جہد اور اسی قسم کے غیر اسلامی اور بے اصولی کاموں سے کنارہ کش ہو جائیں ہمارا یہ مشورہ محض ہمارے قول کی حد تک نہ تھا بلکہ ہم نے اپنے عمل سے بھی اسی بات کا ثبوت دیا ہے کہ ہماری جماعت موجودہ طرز کی سیاست سے کسی قسم کا کوئی سروکار نہیں رکھتی ہے چنانچہ ہمارے رفقاء نے تقسیم سے قبل اور تقسیم کے بعد کسی الیکشن میں کسی وزارت میں یا اسی طرز کی جاہ طلبی میں کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں لیا ہے۔ اسی بات کا اظہار تشکیل جماعت کے بعد بھی ہم نے ایک اجتماع کے موقع پر ۱۳؍ اگست ۱۹۴۸ء کو ان الفاظ میں کیا تھا۔

"جو لوگ ہماری تحریک سے واقف ہو گئے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نہ تو ہم ملازمتوں کے خواہاں ہیں، نہ نشستوں اور سیٹوں کے خواہش مند ہیں اور نہ ہمیں ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل بورڈ کی ممبری یا چیرمینی کی کبھی خواہش رہی ہے اور نہ ہے اور نہ ہم نے مغربی طرز کی سیاست میں کوئی حصہ لیا ہے نہ ہم کانگریس کے ممبر تھے اور ہیں اور نہ ہم مسلم لیگ کے ممبر رہے ہیں یا ہیں، ہمارا تعلق نہ سوشلسٹ پارٹی سے ہے نہ کمیونسٹ پارٹی سے اور نہ ملک کی اور کسی سیاسی پارٹی سے۔"

(ہفتہ وار الانصاف الہ آباد ۵؍ ستمبر ۱۹۴۸ء)

اور پھر سیاست حاضرہ سے اس علیحدگی کے وجود کو ایک استفسار کے جواب میں

امیر جماعت نے فروری ۱۹۴۹ء میں اس طرح بیان فرمایا تھا کہ :-

"ہمارے نزدیک جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کسی غیر الٰہی نظام میں ذمہ دارانہ طور سے حصّہ لینا خواہ اس کے چلانے والے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں ایمان اور خدا پرستی کے بالکل منافی بات ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ یہ پنچائتیں جو قائم ہو رہی ہیں وہ اپنے حدود میں کتنی ہی آزاد و خود مختار کیوں نہ ہوں بہر حال وہ غیر الٰہی نظام حکومت ہی کا ایک شعبہ ہیں جس کی بنیاد الٰہی قانون کے بجائے انسانوں کے خود ساختہ قوانین پر قائم ہے اور ان پنچائتوں میں جو فیصلے ہوں گے وہ بھی ممبران پنچایت کی شخصی اور آزاد رایوں سے ہوا کریں گے یا وہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی رایوں کے تحت ہوا کریں گے اور یہ دونوں باتیں غلط اور باعتبار نتائج مہلک ہیں۔ انسان سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن خدا کی ہدایت کے بغیر قانون سازی اور حکومت اسکی حیثیت اور اختیار سے بالکل بالاتر چیز ہے اور یہ اسی حقیقت کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ آج دُنیا تباہی اور پریشانی کا شکار ہے،، (سہ روزہ الانصاف ۲۵ر فروری ۱۹۴۹ء)

"ہمیں اخلاقی اور مفید خلق کاموں سے اختلاف نہیں ہے۔ وہ اگر ہو سکیں تو بہت اچھے اور بہت پسندیدہ کام ہیں اور ہم ان کاموں کو اپنے طور سے کرنے اور ان میں دوسروں کے ساتھ تعاون بھی کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن کسی ایسے نظم کے تحت جو بالکلیہ ہمارے اختیار میں نہ ہو اور

فی نفسہ وہ نظم بھی ایسا ہو۔ جسے ہم ایمان داری کے ساتھ غلط سمجھتے ہوں، ہم برضا و رغبت ان کاموں میں حصّہ نہیں لے سکتے۔"

حضرات! ہندوستان کی سیاسی کشمکش سے ہماری بیزاری و بے نیازی کا اندازہ آپ کو ان تحریروں کے علاوہ اس بات سے بھی ہو جائے گا کہ مارچ ۵۰ء میں ظہیر الحسن صاحب لاری کی صدارت میں مسلمانوں کی جو کانفرنس لکھنؤ میں طلب کی گئی تھی اس نے جب اپنے ریزولیوشن کے ذریعہ ملک کی تمام مسلم جماعتوں کے ساتھ جماعت اسلامی ہند سے بھی اپیل کی تھی کہ مسلم قوم کے لئے سب مل کر موثر طور سے کام کریں تو امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب نے جماعت کی پوزیشن کو ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا کہ:۔

"اس وقت خصوصیت کے ساتھ جو مسائل مسلمانوں کے ضمن میں پیش آرہے ہم ان کو حل کرنے کے لئے دوسری مسلم جماعتوں کے ساتھ مل کر غور کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ اسلام کا جو بنیادی نقطۂ نظر ہے اس کو غور و فکر کی بنیاد قرار دیا جائے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ یو۔پی کے جن لیڈروں نے جماعت کو تعاون کی دعوت دی ہے وہ اس نقطۂ نظر کے کہاں تک مؤید ہیں لیکن اس اجتماع کی جو کارروائی عام طور سے اخبارات میں شائع ہوئی ہے اس سے تو ایسا مترشح ہوتا ہے کہ شاید ابھی ان کے فکر کی قدیم روش کچھ زیادہ بدلی ہوئی نہیں ہے۔ اگر ہمارا یہ اندیشہ صحیح ہے تب تو ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم

ان کے ساتھ کسی طرح کے تعاون اور اشتراک کرنے سے معذور ہیں۔ البتہ اگر ان حضرات نے حالات کے تقاضوں کا صحیح اندازہ کرلیا ہے اور اب وہ اسلام کو ہی بنیاد بناکر مسلمانوں کے مخصوص مسائل کو حل کرنے کے لئے آمادہ ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس قسم کی کوششوں سے اپنے کو علیحدہ رکھ سکیں۔" (سہ روزہ الانصاف الٰہ آباد ۵ر اپریل ۶۵ء)

حضرات!

ہم اس بات سے ناواقف نہیں ہیں کہ بھارت کے موجودہ دستور کے لحاظ سے ہر ایک جماعت سیاست حاضرہ میں حصّہ لے سکتی ہے لیکن ہمارے اپنے اصول ہی اس کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم اس غلط طرز کی سیاست میں حصّہ لیں، جس میں خدائی اقتدار اور اس کی ہدایت کی نفی کی گئی ہو۔ نیز اس مرحلہ میں سیاست و نظم حکومت کے متعلق اظہار خیال بھی ہمارے لئے چنداں اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ حقیقت میں ہمیں تو ایک ایسے معاشرے کے قیام کی فکر ہے جو پورے کے پورے دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔ اسی لئے ہمارا اصلی کام وہ ہے جس کا تذکرہ آگے چل کر کیا جائے گا لیکن یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ہمارے ان خیالات اور رویہ کے باوجود ہمارے متعلق غلط قسم کی خبریں پھیلائی جاتی ہیں چنانچہ آپ کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ اواخر مارچ ۶۵ء میں لکھنؤ کے ایک انگریزی اور ایک اردو روزنامہ نے یہ خبر مشتہر کردی کہ اپنے اس "کل ہند اجتماع" میں ہم اس بات پر غور کریں گے کہ مسلمان کس پارٹی کا ساتھ دیں کیونکہ آئندہ الیکشن

میں انھیں زیادہ سے زیادہ نشستیں حاصل ہو سکیں انا للہ و انا الیہ راجعون

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا!

ہمارا تو سارا زور ہی اس بات پر صرف ہو رہا ہے کہ مسلمان اپنے دینی فریضۂ اقامت دین کو بجا لانے کی کوشش کریں اور الیکشن وغیرہ کے لایعنی اور لغو کاموں سے پرہیز کریں۔ چنانچہ امیر جماعت اسلامی ہند کا ایک تازہ مضمون جو ماہنامہ "زندگی" رام پور میں گذشتہ کئی اشاعتوں سے قسط وار شائع ہو رہا ہے، اس کا واضح ثبوت ہے لیکن جماعت کے مقصد اور طریق کار کے متعلق لوگ برابر غلط فہمیاں پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔ اس قسم کے افترا اور اتہام نے ہمیں بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ ایک تو تقسیم ملک کے بعد مسلمان بیچارہ اپنے ہوش و حواس ہی میں نہ تھا کہ ہماری بات کو سنتا اور دوسرے ہمارے متعلق اس قسم کے غلط پروپیگنڈے نے اس کو ہمارے نزدیک آنے سے اور بھی روک لیا لیکن چونکہ تقسیم کے بعد بھارت میں مسلمان خوف زدہ ہو رہا تھا اور سیاسی حالات کی تبدیلی اور نئے دستور [illegible] نے جو کشمکش اور قومی مطالبات کو لاینحل بنا دیا تھا اس لئے ہمارے پروگرام کے اس جزء کو کہ بھارت میں اس موذی کشمکش کا خاتمہ کیا جائے۔ عام طور سے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تاہم سیاست جائزہ کی جو چاٹ مسلمان کو لگی ہوئی تھی وہ لکھنؤ مسلم کانفرنس اور جونپور مسلم کنونشن وغیرہ جیسے جلسوں سے نمایاں ہو رہی تھی۔ لکھنؤ مسلم کانفرنس کے عزائم کے مقابلہ میں جماعت کا موقف ابھی آپ کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے۔ جونپور مسلم کنونشن کے موقع پر بھی ہم نے یہی موقف اختیار کیا۔ اس

موقع پر امیر جماعت اسلامی ہند نے اپنے ایک رفیق کو بطور مشاہد کنونشن میں شرکت کے لئے بھیجا تھا۔ جنھوں نے اس موقع پر یہ تبلایا تھا کہ مسلمانوں کے رہنما اور دوسرے معاملات میں تو کتاب و سنت کو کسی نہ کسی حد تک سامنے رکھتے ہیں لیکن جب سیاست کا سوال آتا ہے تو یورپ و امریکہ وغیرہ کی تقلید کرتے ہیں جو حد درجہ غلط اور مضر ہے۔ ہمارے رفیق نے اس کنونیشن میں اس بات پر زور دیا تھا کہ مسلمانان ہند کے لئے جو پروگرام بنایا جائے اس میں مغربی نظریات کے بجائے کتاب و سنت کو معیار بنایا جائے لیکن افسوس کہ اس تجویز کو مسلم کنونشن نے رد کر دیا، اور پرانے طرز کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح ایک طرف جہاں اس قومی کشمکش کو زندہ رکھنے کی ناکام کوششیں بعض ادارے اور مسلمان لیڈر کر رہے تھے، مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس کے بیڈروں کی آراء اس ضمن میں مختلف اور متفرق تھیں۔ ان میں سے ایک گروہ تحفظ حقوق مسلمین کا گرویدہ تھا اور اس کے لئے دستور ہند کی لادینی حیثیت کا سہارا لئے ہوئے تھا۔ اس گروہ کی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے حضرت امیر جماعت نے ایک اجتماع کے موقع پر فرمایا تھا کہ :۔

"اول تو یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ متحدہ قومیت کے وعظ و تلقین کے ساتھ اس طرح کے فرقہ وارانہ نعروں کا جوڑ کیا ہے دوسرے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کے لئے یہ حضرات کون ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں جس سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ ہمارا تو خیال یہ ہے کہ یہ حضرات جب تک تحفظ کا نام

لیتے رہیں اور اس سلسلہ میں کوئی کام نہ کریں اس وقت تک ان کے لئے بھی خیر ہے اور مسلمانوں کے لئے بھی ورنہ اس تحفظ حقوق کے لئے جدوجہد کی ابتدا ہوتے ہی پھر وہی قومی کش مکش شروع ہو جائے گی جو اس وقت بہت محنت اور بڑی قیمت ادا کرنے کے بعد دب سکی ہے اور اس کشمکش کا شروع ہو جانا نہ ملک کے لئے مفید ہے اور نہ مسلمانوں کے لیے اور سب سے آخر میں نہ اسلام کے لیے، کیونکہ اسی کشمکش کا یہ نتیجہ ہے اور اس کے لیے ہم مسلم لیگ کو بہت زیادہ خطاوار سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں کو اسلام سے نفرت ہو گئی، جیسے غلطی سے وہ مسلمانوں کا جن سے انھیں نفرت ہے مخصوص مذہب سمجھنے لگے ہیں حالانکہ یہ تمام بنی نوع انسان کا قدیمی مذہب ہے، اور مسلمان نامی قوم کے وجود میں آنے سے بہت پہلے دُنیا میں موجود رہا ہے۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں کی یہ خدمت نہیں ہے کہ نظام باطل میں ان کے حقوق متعین کرانے کے لئے کسی قسم کی جدوجہد کی جائے جس سے کشمکش قومی بھی خواہ مخواہ اُبھرے گی اور مسلمان کچھ حاصل کرنے کے بجائے اور رہے سہے حقوق بھی کھو بیٹھیں گے بلکہ ان کی حقیقی خدمت یہ ہے کہ ان کو اور ان کے ساتھ تمام ابنائے وطن کو حقیقی خدا پرستی کی دعوت دی جائے اور ان کو بحیثیت کل دین کو اختیار کرنے کی تلقین کی جائے۔ اسی سے ملک میں حقیقی امن و سکون کی فضا پیدا ہو گی اسی سے ملک سارتی

واستحکام کی طرف بڑھ سکے گا اور اسی سے مسلمانوں کے حقوق بھی محفوظ ہو سکیں گے۔ خدا پرستی ہی حقیقی سعادت کی ضامن ہے اور دین و دنیا کی کامیابی اسی پر منحصر ہے۔ یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے لیکن علماء کو سمجھانے کی جرأت کون کر سکتا ہے وہ خود بھی تقریروں میں کہتے بھی ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ عملاً اس کو پیش نہ کریں۔"

(سہ روزہ الانصاف ۲۸ مارچ ۱۹۴۹ء)

لیکن اسی جماعت کے بعض حضرات ایسے بھی تھے جنھوں نے اس رائے کا بھی اعلان کیا تھا کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے امن وسلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ اس طرز سیاست سے مجتنب رہیں۔ حالانکہ ان حضرات کا مشورہ محض حالات زمانہ کے پیش نظر تھا اور ہم خالص دینی بنیادوں پر مسلمانوں سے یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ اس فاسد اور غلط طرز کی سیاست سے الگ رہو اسی لئے نتیجہ کے طور پر ہمارے اور دوسرے مسلمان لیڈروں کے مشوروں میں بڑا بُعد ہے مسلمان لیڈروں کا تو کہنا یہ ہے کہ جب صحیح معنوں میں لامذہبیت اور جمہوریت کے تقاضوں کو اہل ملک پورا کرنے لگیں تب اس وقت مسلمانوں کو اس سیاست میں حصہ لینا چاہیئے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ نہ اب اور نہ کسی وقت ایسی سیاست میں حصہ لینا جائز ہے جس کی بناء ان کے مسلمہ معتقدات کے خلاف اٹھائی گئی ہو خواہ ایسی سیاست کی باگ ڈور خود مسلمانوں کے اپنے ہی ہاتھوں میں کیوں نہ ہو پھر ہمارا مشورہ محض سلبی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ہم ایک روشن اور درخشاں اثباتی پہلو بھی مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں اور ان سے یہ کہتے ہیں کہ تم

اپنی کوششوں کے رُخ کو دین کی جانب پھیر دو اور جس سرگرمی مستعدی اور ایثار کے ساتھ تم ابھی تک غلط قومی کاموں میں لگے ہوئے تھے اس سے زیادہ خلوص شعور اور جذبۂ ایمانی کے ساتھ اب اقامت دین کے فریضہ کے ادا کرنے میں منہمک ہو جاؤ اور صرف اپنی قوم کے لئے جینے اور مرنے کے بجائے عام انسانیت کی فلاح وبہبود اور رب العالمین کے حکموں کے اتباع کے لئے جینے اور مرنے لگو تاکہ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے زبانی اقرار وشہادت کے مطابق تمہارے تمام اعمال ہو جائیں اور تمہاری پوری زندگی اور زندگی کا ہر گوشہ اور ہر پہلو دین کے دائرہ کے اندر ہو نہ کہ اس سے خارج تاکہ تم اپنی زندگی سے اس بات کا ثبوت دے سکو کہ خدائے تعالیٰ کا دین محض عبادات واخلاق ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں تمدن، معاشرت وسیاست سب ہی کچھ داخل ہے اور قانون الٰہی کے مطابق حقیقی اور فطری سیاست وہی ہے جس میں تمام اقتدار اسی مالک الملک کا تسلیم کیا جائے جس نے انسان کو اس دُنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس کے قوانین کی دُنیا میں پیروی کرے نہ کہ موجودہ طرز کی سیاست کی طرح انسان خود قانون ساز بن جائے اور خدائے تعالیٰ کی حاکمیت کی بجائے خود اپنی حاکمیت اور خدائی کا ڈھنڈورا پیٹنے لگے۔

حضرات! یہ ہیں سیاست اور سیاست حاضرہ کے متعلق ہمارے خیالات، مختلف مقامات پر کس حد تک اور کس تعداد میں لوگ ہمارے ان خیالات سے متاثر ہوئے ہیں اس کا تفصیلی جواب تو آپ کو مختلف حلقوں کے قیمین حضرات کی رپورٹوں سے معلوم ہو گا جو مرکزی رپورٹ کے بعد پیش کی جائیں گی لیکن ہمارا

اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اس آواز سے ضرور متاثر ہوئی ہے
اس سلسلہ میں جو طریق کار مقامی جماعتوں نے اختیار کیا وہ حسب ذیل ہے ہم
مسلمانوں سے انفرادی طور پر روابط بڑھائے گئے تاکہ وہ ہماری بات سن سکیں۔
اور پھر لٹریچر اور گفتگو کے ذریعہ فرقہ واریت کے نظری اور عملی نقصانات خوب اچھی
طرح واضح کئے گئے۔ اجتماعی طور پر خطابات عام اور مقامی اخبارات میں مدلل بیانات
اور مضامین کے ذریعہ فرقہ پرستی پر کڑی تنقید کی گئی اور ان پر واضح کیا گیا کہ امت
وسط ہونے کی حیثیت سے ان کے ایمان کے بنیادی تقاضے کیا ہیں اور ان سے
کس طرز عمل کے طالب ہیں۔ جہاں موقع مل سکا مسلمانوں کے اسم پر اشخاص
اور جماعتوں کے ذریعہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو فساد کی حد تک بڑھنے سے روکا گیا
او رکشیدگی کے زمانہ میں کتابچے، اشتہارات وغیرہ شائع کئے گئے نیز امن کمیٹیاں
قائم کرنے اور ان میں حصہ لینے کی کوشش کی گئی بعض جگہ باضابطہ فہرستیں بنا کر سر
برآوردہ لوگوں سے تبادلۂ خیالات کا اہتمام کیا گیا۔ ایک طریقہ یہ بھی رہا ہے کہ خانہ
ویران مسلمانوں کی نوآبادی قائم کرکے ان کے جوش اور توجہ کو تعمیری کاموں میں تبدیل کر دیا گیا۔
مسلمانوں کے دلوں میں فسادات کے نتیجہ میں جو عام ہراس و سراسیگی کی کیفیت پیدا
ہوگئی تھی اس کو اللہ تعالیٰ کی صفات ربوبیت، رحم و عدل اور اس کی شان عصمت
وحفاظت کی یاد تازہ کرکے ان کی حرارت ایمانی اور جرأت قلبی کو ختم ہونے سے حتی الوسع
روکا گیا۔ اسی طرح جب مسلمانوں کا کوئی دہشت زدہ گروہ کسی ایسے مقام پر پہنچا جہاں
ہمارے رفقاء ان کی کچھ امداد کر سکتے تھے تو ہم نے ایسے خوف زدہ لوگوں میں اطمینان
قلب، تعلق باللہ اور توکل علی اللہ کے پیدا کرنے کی کوشش کی اور اپنی بساط بھر انکی مالی

اعانت بھی کی۔ ان طریقوں کا بحمداللہ مسلمانوں پر خاطر خواہ اثر ہوا۔

غیر مسلمین پر دعوت کا اثر

حضرات! یہانتک تو ہم نے قومی کشمکش کو ختم کرنیکے سلسلہ میں ان کوششوں کا ذکر کیا ہو جو مسلمانوں میں کی گئی لیکن چوں کہ ہماری جدّو جہد کا تعلق غیر مسلموں سے بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ مسلمانوں سے ہے اس لئے کہ ہم پیغام الٰہی کو غیر مسلموں تک پہنچانا اور ایک ایسی مثالی (Ideal) زندگی کی نشان دہی کرنا کہ جس سے غلط قسم کی تفریقیں مٹ کر وحدت انسانیت اور وحدتِ الٰہ کا تصور قائم ہو سکے اپنا اہم فریضہ سمجھتے ہیں، اس لئے غیر مسلم حضرات کے ضمن میں جو کوششیں ہم نے کی ہیں ان سے بھی ہم آپ کو مطلع کرنا چاہتے ہیں تاکہ غیر مسلموں میں جو کوششیں کی گئی ہیں انکی نوعیت کا آپ کو صحیح اندازہ ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ غیر مسلموں سے ہمارے تعلقات کی صحیح نوعیت کیا ہونی چاہیے، اور وہ ان تعلقات سے کتنی مختلف ہے جنکی نمائندگی ملک کی وہ پارٹیاں کرتی چلی آئی ہیں جنکا تعلق سیاست حاضرہ سے رہا ہے۔

اس ضمن میں سب سے پہلے تو ہمیں یہ غلط فہمی رفع کرنا ہے کہ جماعت اسلامی ہند شدھی جیسی کسی تحریک کا ردعمل ہے جس کا مقصد بھارت میں مسلمانوں کی تعداد بڑھانا ہے تاکہ وہ ملک کی سیاست میں اپنی کثرتِ تعداد کی وجہ سے زیادہ نمائندگی حاصل کر سکیں۔

اس غلط فہمی کے رفع کرنے کے لئے تو صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ سیاست حاضرہ کے متعلق جن خیالات کا اظہار اس سے پہلے کیا جا چکا ہے اس سے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی کا موقف کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ پچھلے دنوں اس قسم کے کام تبلیغ و اشاعت اسلام کے نام سے بڑے

زور شور سے کئے جاتے رہے ہیں جن کی وجہ سے یہ غلط فہمی اگر بعض غیر مسلموں کے دلوں میں پیدا ہو بھی جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے لیکن اگر آپ کو ہماری دعوت کا کما حقہ علم ہو تو پھر اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی سرے سے گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ہماری دعوت اس کے سوا کیا ہے کہ تمام انسان خواہ وہ کسی قوم یا وطن سے تعلق رکھتے ہوں آدم کی اولاد اور عیال اللہ ہیں اور اس لئے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ انسانوں کے اس رشتہ کو استوار کرنے اور عبد و معبود کے تعلقات کو صحیح اور فطری بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف ممالک اور مختلف اوقات میں اپنے ایسے برگزیدہ بندوں کو بھیجا تھا جنھیں ہم نبی اور رسول کہتے ہیں۔ ان تمام نبیوں اور رسولوں کی مشترک اور بنیادی تعلیم یہ تھی کہ خدائے واحد ہی تمام اقتدار کا سرچشمہ ہے، اسی کی ہدایت انسانوں کی زندگی کا قانون ہے اور چونکہ یہ ہدایت رسولوں اور نبیوں کے ذریعہ عام انسانوں تک پہنچی ہے لہٰذا نبیوں اور رسولوں کی بتلائی ہوئی تمام باتوں پر انسان کو عمل کرنا چاہئے تاکہ دنیاوی زندگی بھی امن اور چین سے گذرے اور مرنے کے بعد جب دوبارہ زندگی پاکر انسان اپنے خدا کے روبرو حاضر ہو تو وہاں اسے فلاح و سعادت حاصل ہو۔ یہی تعلیم عرب و عجم کے تمام نبیوں اور رسولوں نے دی۔ اسی تعلیم کو یقیناً ہندوستان میں پیدا ہونے والے رسولوں اور نبیوں نے بھی یہاں پھیلایا ہوگا۔ لہٰذا بھارت کے غیر مسلموں سے ہماری گذارش یہ ہے کہ وہ بھی اپنے نبیوں اور رسولوں کی تعلیمات کو تلاش کریں اور اگر انھیں اپنے رسولوں اور پیغمبروں کی تعلیمات مل جائیں تو ان پر عمل کرنا شروع کردیں لیکن اگر انکے یہاں اس

بارے میں مفصل ہدایات نہ ملیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ چیز خدا تعالیٰ نے ان کے یہاں نہیں بھیجی تھی بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ انقلابات زمانہ کی وجہ سے خدائی تعلیم کا بڑا حصہ وہ کھو بیٹھے ہیں، وہی چیز اسی خدا کی بھیجی ہوئی ہم ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ انھیں کی کھوئی ہوئی چیز ہے جو ایک دوسرے ذریعہ سے ان کے پاس پہنچ رہی ہے لہٰذا اس کو جانچنے پرکھنے اور پہچاننے کی ضرورت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن اصولوں میں مسلمانوں کی، اہل ملک کی اور پوری دنیا کی کامیابی اور ترقی مضمر ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی، اس کی ہدایت کی پیروی اور آخرت کی جوابدہی کے اصول ہیں۔ یہ "اصول" جیسا کہ امیر جماعت اسلامی ہند نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک مشترک اجتماع میں فرمایا تھا، کچھ نئے نہیں ہیں، کائنات کے خالق و مالک نے ہر قوم کو اپنے رسولوں کے ذریعہ ان اصولوں سے روشناس کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ انھوں نے بڑی حد تک انھیں بھلا دیا۔ تاہم ان اصولوں کے اثرات آج بھی نیکی و اخلاق کی شکل میں قوموں کی زندگی میں موجود ہیں۔

> "ہمارے پاس ان اصولوں کی بنیاد پر ایک مکمل، مرتب اور عملی نظام بھی موجود ہے جو کم از کم اس وقت دوسری قوموں کے پاس موجود نہیں ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کے تمام انسان اس پر غور کریں اور اگر وہ ان کے لئے قابل قبول ہو تو اسے قبول کر لیں لیکن موجودہ حالات میں اپنے غیر مسلم بھائیوں سے ہمیں اس کی توقع نہیں ہے لیکن ان سے اتنی درخواست ضرور ہے

کہ وہ ان ہی اصولوں کو اپنائیں اور ان کی بنیاد پر جو نظامِ زندگی
ان کے یہاں موجود ہو اسے ملک میں نافذ کریں ہم اسے یورپ
کے لادینی نظاموں پر ترجیح دیں گے۔ اس نظام میں اگر ہم جیسے
مسلمانوں کے لئے قتل کی سزا ہو تو ہم اس کے لئے بھی راضی ہیں
اور لادینیت کی رَو کو روکنے کے لئے یہ قربانی دے سکتے ہیں لیکن ہمیں
امید نہیں کہ کسی مذہب میں جو خدائی تعلیمات سے کچھ بھی تعلق رکھتا
ہو اس قسم کے قوانین موجود ہونگے۔" (الانصاف یکم فروری ۱۹۵۰ء)

حضرات! اس ضمن میں آپ کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم غیر مسلموں کو اس قسم کے
نظام قائم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں جو ہندو مہا سبھا یا راشٹریہ سیوک سنگھ
کے لیڈروں کے پیش نظر ہے۔ ان حضرات کا یہ نظریہ تو جہاں تک ہمارے علم کا
تعلق ہے محض قوم پرستی کا نظریہ ہے جو اس اصولی نظریہ سے کسی طرح میل نہیں
کھاتا جس کی طرف غیر مسلموں کو ہم دعوت دیتے رہے ہیں اگر اس اصولی نظریہ کی
جھلک آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو جماعت اسلامی ہند کے لٹریچر کو ملاحظہ فرمایئے
اور ہر طرح کے تعصب سے خالی الذہن ہو کر کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کیجئے۔
لیکن بدقسمتی سے تعصب کا شکار خود مسلمانوں کی غلطیوں کی وجہ سے عام طور سے
اس زمانہ میں ہمارے غیر مسلم برادرانِ وطن رہے ہیں۔ نیز اس مشکل کام کو انجام دینے
کے لئے جو ضروری صفات مطلوب ہیں ان سے ہمارے بیشتر رفقاء پوری طرح متصف
نہیں ہیں اس لئے غیر مسلموں میں ہمارے کام کی رفتار سست رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
ہندی رسالہ "اجالا" جو غیر مسلموں تک دعوت پہنچانے کا ایک اچھا ذریعہ ہو سکتا تھا

اور جس کو باوجود خسارے کے ہم نے کافی عرصہ تک جاری رکھا غیر مسلموں میں مقبول نہ ہو سکا[1] اور مجبوراً اس کو بند کرنا پڑا۔ اب اس کے بجائے چھوٹے ہندی پمفلٹوں کے شائع کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر مسلموں میں ہمارا کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ خدا کے فضل سے ہم اپنی دعوت کے متعارفین میں بھارت کی مایۂ ناز ہستیوں کو گنا سکتے ہیں۔ گاندھی جی تو ہمارے کام سے تقسیم ہند کے قبل ہی واقف تھے لیکن تقسیم کے بعد ہم نے ڈاکٹر راجندر پرشاد، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر پٹابھائی سیتا رمیہ، پنڈت گوبند بلبھ پنت، شری راج گوپال اچاریہ، سردار بلدیو سنگھ، سر مہاراج سنگھ وغیرہ اصحاب تک اپنی دعوت پہنچانے کی کوشش کی، اس طرح تقسیم کے بعد سے اب تک ڈھائی ہزار کے قریب سنجیدہ، ذہین اور اہل فکر غیر مسلم حضرات کو دعوت سے متعارف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۹۴۹ء میں جے پور کانگریس سیشن کے موقع پر جماعت اسلامی ہند کی تبلیغی سرگرمیوں کی رپورٹ جن حضرات کی نظر سے گذری ہو گی وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں گے کہ سنجیدہ اور اہل الرائے طبقۂ غیر مسلمین میں کس خوش آئند طریقہ سے ہماری دعوت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی اس موقع پر غیر مسلم حضرات کی ایک اچھی خاصی تعداد نے ہندی ترجمہ قرآن پاک کے مطالعہ کا اشتیاق ظاہر کیا جس کی بنا پر جماعت اسلامی ہند نے یہ فیصلہ کیا کہ ہندی زبان میں کلام پاک کے ترجمہ کا انتظام کیا جائے چنانچہ مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن پاک کے ڈھائی پاروں کا ترجمہ مع ایک مبسوط مقدمہ کے جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہو گا اس وقت تک قریب قریب تیار ہو چکا ہے۔ یہ ترجمہ اور

---

[1] ہندی ماہنامہ "کانتی" پھر جاری کیا گیا ہے جو مقبول ہو رہا ہے۔

اس کے حواشی اس طرح مرتب کئے گئے ہیں کہ غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں جو اُلجھنیں ہوں وہ صاف ہوتی چلی جائیں اور وہ اسلامی تعلیمات کو انکی اصلی شکل میں اور ان کے ماخذ سے براہِ راست سمجھ سکیں۔ یہ ترجمہ مع تفسیر ماہنامہ "زندگی" رامپور میں "تیسیر القرآن" کے نام سے ماہ بماہ شائع ہو رہا ہے اور یہ طے کیا گیا ہے کہ پہلے کم از کم مقدمہ اور سورۂ بقرہ کے ترجمہ کے شائع کرنیکا انتظام کیا جائے گا۔
فی الحال ہندی زبان میں ترجمہ اور تصحیح کے کام کی طرف توجہ کی جا رہی ہے لیکن چونکہ طباعت وغیرہ میں اس سلسلہ میں کافی روپیہ صرف ہوگا اس لئے سرِ دست اس کام میں کچھ تاخیر ہی ہوگی۔ اسی ضمن میں یہ انتظام بھی ہمارے پیش نظر ہے کہ اگر ممکن ہو تو دو ایک رفقاء کو خاص طور سے ہندی زبان میں مہارت پیدا کرنے اور غیر مسلم حضرات کے اپنے لٹریچر سے براہِ راست آگاہی حاصل کرنے پر مامور کیا جائے تاکہ آئندہ یہ رفقاء مخصوص طور پر غیر مسلموں کے لئے جماعت کا لٹریچر تیار کرنے میں مفید ثابت ہو سکیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب تک ایسا لٹریچر کافی تعداد میں تیار نہ ہو جائے ہم غیر مسلموں میں اپنے کام کی رفتار کو دھیما کر دیں گے۔ بلکہ جتنا کچھ لٹریچر ہندی، انگریزی یا دوسری زبانوں میں ہمارے پاس موجود ہے اس سے کام لینا چاہیئے اور ہمارے رفقاء کو جو ہندی زبان میں کچھ مہارت رکھتے ہیں لٹریچر کی تیاری میں مرکز کی ہر ممکن امداد کرنا چاہیئے لیکن ان سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ رفقاء کو غیر مسلموں کے سامنے قرآن اپنے طرز زندگی سے اس چیز کا عملی نمونہ پیش کرتے رہنا چاہیئے جسکو وہ دُنیا والوں کیلئے فلاح و سعادت کا ضامن سمجھتے ہیں حقیقی تبلیغ یہی ہے اور اسی سے وہ بین فرق غیر مسلموں کی سمجھ میں آسکتا ہے جو جماعت

اسلامی ہند کے رفقاء کے رویہ اور دوسری جماعتوں کے منتسبین کے رویہ میں پایا جاتا ہے۔ بحمداللہ کہ ہمارے بعض رفقاء کے متعلق غیر مسلم نہ صرف ایک اچھا گمان بلکہ ان پر پورا اعتماد رکھتے ہیں۔ غیر مسلموں میں ہمارا اصلی کام یہی ہے کہ انھیں خدا ترس اور خدا پرست بننے کی دعوت دیں۔ اس دعوت کے سلسلہ میں اگر مشکلات بھی پیش آتی ہیں تو ہم انھیں گوارا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جو زحمتیں ہمیں آئے دن سی، آئی، ڈی وغیرہ کی تفتیش اور تحقیقات کے سلسلہ میں پیش آتی رہتی ہیں ان سے گھبرانے کے بجائے ان کو کام کے لوازم میں سے سمجھنا چاہیے۔ بعض مرتبہ اس قسم کی زحمتیں اس لئے بھی پیش آتی ہیں کہ مقامی طور پر ہمارے رفقاء کی صحیح پوزیشن مقامی حکام وغیرہ کے سامنے واضح نہیں ہوتی اور وہ ہماری کوششوں کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن مناسب طریقوں سے اگر ان غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی سعی کی جائے تو ہماری اطلاعات کے مطابق بعض مقامات پر خود غیر مسلم حکام اور عمال نے ہمارے رفقاء کی بعض کوششوں کو جو انھوں نے فسادات کے دوران میں کیں بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ خود رامپور شہر میں ایک نازک موقع پر یہاں کی مختلف جماعتوں کے سنجیدہ حضرات نے امیر جماعت کو اس کام کی انجام دہی کی صدارت کی ذمہ داری سپرد کردی اور جس رواداری، انصاف اور باہم اعتماد سے اس موقع پر سب لوگوں نے ملکر کام کیا وہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ بے لوث خدمت خلق کا جذبہ اگر لوگوں کے دلوں میں موجود ہو یا پیدا کردیا جائے تو وسیع دائرے میں انسانیت کی خدمت کس خوبی سے انجام پا سکتی ہے۔

فسادات کے بارے میں جماعت کا مسلک

حضرات! ہماری ماضی قریب کی تاریخ میں ایک خونی دور کی اہمیت ناقابل فراموش ہے جس کے اٹھائے ہوئے ہنگاموں سے آج تک ہماری یہ سرزمین لرز رہی ہے اور جسے ہندوستان کا سیاہ ترین دور کہا جائے گا۔ میری مراد اس دور فسادات سے ہے جس کا آغاز ۴۶ء کے اوائل سے ہوا، ۴۷ء میں اپنے شباب پر پہنچا اور جس کی ہولناک تاریخ سے ہم سب واقف ہیں۔ آج جب کہ تقسیم ہند کے بعد پہلی بار جماعت اسلامی ہند کا کل ہند اجتماع ہو رہا ہے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ جماعت کے ان افکار اور اعمال کا بھی اجمالاً ذکر کر دیا جائے جو اس دور میں اس نے پھیلائے تھے۔

فسادات کا سلسلہ ویسے تو ۱۳ اپریل ۱۹۴۶ء کو یوپی کے فساد سے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن اگست ۴۶ء سے تو یہ ملک میں اس طرح پھیلنا شروع ہو گیا جیسے خشک جنگل کو کسی نے آگ لگا دی ہو۔ صدہا میل کے علاقوں میں باقاعدہ جنگیں لڑی گئیں اور وہاں کی اقلیتوں کو سرے سے مٹا دینے کی مہمیں عمل میں لائی گئیں۔ یہ دیکھ کر ہمیں بے حد دکھ ہوا کہ ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دونوں قوموں کے لیڈروں اور اخبارات نے آگ لگانے میں تو پورا حصہ لیا لیکن معدودے چند لوگ ایسے تھے جنھوں نے فی الواقع خلوص دل کے ساتھ یہ کوشش کی ہو کہ یہ فسادات نہ ہوں اور دونوں قوموں کے تعلقات عداوت و دشمنی کے بجائے صلح و محبت پر قائم

ہوں۔ بہر حال شریف انسانوں کا فرض یہی ہے کہ وہ جہاں جتنی قوت رکھتے ہوں خدا کی زمین پر امن اور انصاف قائم کرنے کی کوشش میں صرف کریں۔

جماعت اسلامی نے فسادات کی آگ بھڑکنے سے پہلے ہی اس کے آثار بھانپ لئے تھے بلکہ وہ کئی سال سے ہندوستان کے لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش کر رہی تھی کہ جس راستہ پر تم جا رہے ہو اس کا نتیجہ بجز باہمی جنگ اور سب کی تباہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ ستمبر ۱۹۴۶ء میں جب اس تباہی کے آثار صاف نظر آنے لگے تو جماعت نے آنے والے فسادات کے بارے میں اپنا مسلک اور طرز عمل واضح طور پر متعین کر کے تمام ارکانِ جماعت کے نام حسب ذیل ہدایات بھیجی تھیں :-

"سوال کیا جا رہا ہے کہ اگر کہیں فسادات رونما ہوں تو ہم کیا رویہ اختیار کریں۔ اس سلسلہ میں عام ہدایات اس سے پہلے ترجمان القرآن میں دی جا چکی ہیں۔ اب مجلس شوریٰ کافی غور و خوض کے بعد حسب ذیل ہدایات دیتی ہے۔

(۱) عام فسادات کی حالت میں ارکان جماعت کے لئے اپنے تحفظ کا سب سے بڑا ذریعہ ان کا اپنا اخلاقی رویہ اور ان کا قومی و نسلی تعصبات سے بالاتر ہو کر خیر و صلاح کی عملاً دعوت دینا ہے۔ اس معاملہ میں ارکان جماعت جتنے زیادہ راست رو اور بے شر ہوں گے اور جس قدر زیادہ بھلائی کرنے اور بھلائی کی طرف دعوت دینے میں سرگرم ہوں گے اسی قدر زیادہ فتنۂ عام کی آگ سے ان کا محفوظ رہنا متوقع ہے اور جس

قدر زیادہ بے عمل رہیں گے اسی قدر زیادہ خطرے میں رہیں گے۔

(۲) اگر فسادات کی حالات میں کوئی رکن جماعت گھر جائے اور اس پر حملہ کیا جائے تو حتی الامکان اسے حملہ آوروں کو نصیحت کرنی چاہیئے۔ اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو اپنی مدافعت کے لئے ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ اس صورت میں اگر اس کے ہاتھ سے کوئی مارا جائے تو مقتول کے خون کی ذمہ داری شرعاً خود مقتول ہی پر ہوگی۔ مدافعت میں ہاتھ اٹھانے والا عند اللہ بری ہوگا۔ اور اگر مدافعت کرنیوالا خود مارا جائے تو وہ انشاء اللہ شہید ہوگا۔

(۳) اگر کسی رکن جماعت کے سامنے ہندوؤں یا مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی مظلوم پر دست درازی کر رہا ہو تو اس کو روکنے کی اور مظلوم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے حتیٰ کہ اس سلسلہ میں خود اپنی جان بھی خطرے میں پڑ جائے تو اس خطرے کو انگیز کر لیا جائے۔

(۴) فسادات کی حالت میں اگر کوئی شخص یا خاندان خطرے میں مبتلا ہو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور خواہ وہ خود پناہ مانگے یا نہ مانگے اپنی طرف سے کوشش کر کے اسے اپنی پناہ میں لے لیا جائے اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر بھی اس کی حفاظت کی جائے۔

(۵) فسادات کے زمانہ میں جب کبھی اور جہاں کہیں موقع ملے عامۃ الناس کو اور اگر ممکن ہو تو فسادات بھڑکانے والے سرغنوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے، ان کو خدا سے ڈرایا جائے۔ اگر مسلمان ہوں تو ان کو دین کا حقیقی مقصد اور اس کے حصول کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور ان پر واضح کیا جائے

کہ قومی کشمکش اور اس کے لئے یہ فساد کسی درجہ میں بھی عنداللہ مقبول نہیں ہے اور اگر غیر مسلم ہوں تو ان پر قوم پرستی کے برے نتائج واضح کئے جائیں۔

(ترجمان القرآن جلد ۲۹، صفحہ ۲۷۸)

فسادات کے دوران میں ہمارا رویہ

ان ہدایات پر ہمارے رفقاء نے کس طرح عمل کیا اسے بھی مختصراً سن لیجئے۔

ہمیں یہ بتاتے ہوئے بہت مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے رفقاء اور ہمدردوں اور متاثرین تک نے اکثر مقامات پر بہت اچھا کام کیا اور اپنی سیرت و کردار اور عدل و انصاف پر مبنی روش سے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی صحیح خدمت کی لیکن ظاہر کہ ارکان کی تعداد ملک میں اس وقت آٹے میں نمک سے بھی کم تھی اس لئے جماعت کی اس روش کا اثر عام طور پر نمایاں نہ ہو سکا۔ تاہم امرتسر، راولپنڈی، جہلم، ضلع کیمبل پور، روڑی ضلع حصار اور بابا پور ضلع نظام آباد میں ہمارے ارکان اور ہمدردوں نے جو کام کیا ہے اس کی تفصیلات جماعت کی روداد حصہ پنجم میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں جن سے ہمارے طرز فکر و طرز عمل کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد فسادات کے موقع پر جو کوششیں جماعت اسلامی ہند کے رفقاء نے کی ہیں ان میں سے خصوصیت کے ساتھ سہار ضلع متھرا، بریلی جالنہ واقع حیدر آباد دکن، فیض آباد اور ڈالٹن گنج واقع صوبہ بہار کے رفقاء کی کوششوں کا سرسری تذکرہ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

قصبہ ڈالٹن گنج صوبہ بہار میں جو واقعہ ہوا اس کے متعلق ہمارے رفیق یوں لکھتے ہیں :۔

" ایک مرتبہ ہمارے ضلع اسکول اور ایک دوسرے ہائی اسکول کے لڑکوں کے درمیان فٹ بال میچ کے سلسلہ میں فساد ہو گیا دونوں طرف سے خشت باری اور ہاتھا پائی ہو رہی تھی۔ دونوں طرف سیکڑوں لڑکوں کا ہجوم تھا، پتھر اور اینٹ کی بارش کے درمیان میں دونوں مجمعوں کے بیچ میں کود پڑا۔ اور الحمد للہ میری کوششوں سے مشتعل پارٹیاں منتشر ہو گئیں۔ میرے اسکول کے لڑکوں سے دوسرے اسکول کا ایک لڑکا زخمی ہو گیا تھا اسے لیکر میں ہسپتال گیا اور ڈاکٹر کے پاس جا کر مرہم پٹی کرائی۔ اس طرح کی دو ایک اور مثالیں ہیں جن میں میری ناچیز کوششوں سے فساد رک گیا۔"

فیض آباد، جالنہ اور قصبہ سہار ضلع متھرا میں ہمارے رفقائے جماعت نے جیسا کہ ان کی رپورٹیں ظاہر کرتی ہیں بلا لحاظ مذہب و ملت مصیبت زدوں کی امداد کیلئے خدمت خلق کا فرض انجام دیا ہے۔ چنانچہ زخمیوں کی خدمت اور دیکھ بھال اور تیمار داری کی گئی جس سے ان کے کردار کے اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

فیض آباد میں حسب حیثیت مظلومین کی مالی امداد بھی کی گئی، بریلی کے ہمارے رفیق کی اطلاع ہے :۔

" فسادات کے دوران میں صرف مسلمانوں تک ہی خدمت کا کام محدود نہیں رہا۔ انفرادی حیثیت سے عملی طور پر انسانی ہمدردی کیگئی

مثلاً غیر مسلموں کی تیمارداری وغیرہ کی گئی۔"

جالنہ میں بھی بلا تفریق مذہب و ملت زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کا کام کیا گیا۔ فساد چونکہ اچانک پھوٹ پڑا اس لئے روک تھام میں کوئی قابل ذکر کام نہ ہو سکا۔ ہمارے رفیق تحریر کرتے ہیں:-

"جنوری ۱۹۵۱ء میں یہاں اچانک فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑا مقامی ارکان فساد کے بعد دواخانہ جا کر زخمیوں کی دیکھ بھال اور خدمت کرتے رہے۔ فساد چونکہ اچانک اور غیر متوقع طور پر رونما ہوا تھا اس لئے قبل از وقت اس کے اندفاع کا کوئی موقع نہ مل سکا۔"

فسادات کے دوران میں جہاں جہاں مسلمان آبادیوں میں خوف وحراس پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ وہاں ہمارے رفقاء نے بلا خوف و خطر پہنچ کر مسلمانوں کو بھاگنے اور نقل مکانی کے مفاسد بتلا کر ان میں صبر و سکون پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے فساد کے وسیع ہونے کے امکانات بھی کم ہوتے چلے گئے۔ اس موقع پر یہ بھی عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ جہاں ہندو مسلم کشمکش میں زیادہ کھنچاؤ پیدا ہو کر فساد کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے وہاں ارکان کا کیا عمل رہتا ہے۔

بنارس میں ہمارے ایک رفیق جن کا گھر خالص ہندو محلہ میں ہے فساد کے دوران میں کبھی اپنے مکان کو چھوڑ کر نہیں گئے۔ چنانچہ اس کا خاصا اثر محلہ والوں پر پڑا جنھوں نے ہمارے رفیق کی دلیری اور اخلاص کا اعتراف بھی کیا۔ فسادات کے سلسلہ میں بالعموم جو طریقے ہم نے اختیار کئے ہیں ان میں سے ہم صرف چند کو مثال کے طور پر یہاں عرض کریں گے۔

(۱) کمیٹیاں بنانے کی کوشش کرنا جس میں دونوں فرقوں کے معززاور امن پسند لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے۔

(۲) فرقہ پرستی اور اس سے پیدا شدہ ذہنیت پر کڑی تنقید کر کے اس کی مضرتیں دونوں فرقوں کے لئے بتلانا، اس کے لیے کتابچے، پمفلٹ شائع کرنا مخطابات عام کے مواقع پیدا کرنا اور انفرادی ملاقاتوں اور گفتگوؤں میں دونوں فرقوں کے لوگوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنا ان کو اخلاق اور انسانیت کے بلند اصولوں کی طرف متوجہ کر کے صلح اور آشتی کی طرف بلانے کا کام پوری سرگرمی کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کے اثرات اچھے نکلے ہیں۔ چنانچہ بھوپال اور ٹونک میں یہ کام کامیابی کے ساتھ کیا جاچکا ہے، دیگر بہت سی جگہوں پر امن پسند لوگوں کو سمجھانے بجھانے سے فسادات کی روک تھام ہوسکی ہے، مثلاً اورنگ آباد ضلع بنارس، سرائے میر، مہوارہ کلاں ضلع اعظم گڈھ صفی پور ضلع اناؤ وغیرہ وغیرہ۔

اس سلسلہ میں مختلف مواقع پر امیر جماعت اسلامی ہند جو بیانات اور ہدایات دیتے رہے ہیں ان کا خاطرخواہ اثر ہوا ہے۔ "پیام امن" کے عنوان سے رام پور کے اخبارات میں ایک اپیل مارچ ۵۰ء میں شائع ہوئی جب کہ شاہجہاں پور اور پیلی بھیت کے علاقوں میں فسادات کی آگ پھیل رہی تھی اور اندیشہ تھا کہ شاید رام پور اس کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ امیر جماعت نے اپنے بیان میں فرمایا:۔

"دوسری بات جو اس موقع پر ضروری ہے یہ ہے کہ اس وقت ہر شخص کو پوری پوری احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس سے کوئی ایسی بات

یا حرکت سرزد نہ ہو جو کسی فریق کے لئے کسی درجہ میں بھی وجہ اشتعال بن سکے اور اگر کسی ایک فرد یا چند افراد کی طرف سے اس طرح کی کوئی بات سرزد ہو بھی جائے تو اس کا مقابلہ انتہائی صبر و ضبط سے کیا جائے اور اس کو کوئی قومی شکل دینے کے بجائے اس کو محض اس کی ذات تک محدود رکھا جائے اور اگر وہ اپنی قوم کا آدمی ہے تو اس کی حمایت و ہمت افزائی کرنے کے بجائے اس غلط کام پر اس کی ملامت کی جائے۔ اس طرح توقع ہو سکتی ہے کہ امن و امان کی موجودہ فضا قائم رکھنے میں ہم کامیاب ہو سکیں گے میں اس کے لئے انتہائی خلوص کے ساتھ دونوں فرقوں سے اپیل کرتا ہوں۔"

(الانصاف ۲۵ مارچ ۵۰ء)

خدمت خلق بلا لحاظ مذہب و ملت

حضرات! فساد کے علاوہ قحط، سیلاب، آتش زدگی یا ایسے ہی دوسرے مواقع پر بھی جماعت اسلامی ہند اپنے محدود ذرائع و وسائل کی حد تک اہل ملک کی بلا امتیاز مذہب و ملت خدمت کرتی رہی ہے ۴۸ء میں ہندوستان کے متعدد صوبوں اور خاص طور سے صوبہ یو۔پی میں بارش کی کثرت اور دریاؤں میں طغیانی آجانے کی وجہ سے ملک میں بڑی تباہی پھیل گئی۔ پنڈت پنتھ وزیر اعظم یو۔پی کی اطلاع کے مطابق یو۔پی کے بیس لاکھ آدمی گنگا کے سیلاب کی وجہ سے بے خانماں ہو گئے۔ ایسے موقع پر امیر جماعت اسلامی ہند نے رفقاء

نے

کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ آپ نے رفقاء کو ایک اعلان کے ذریعہ اس طرف مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "ہم میں سے جو شخص جس طرح کی بھی مدد مصیبت زدوں کو پہنچا سکتا ہے اس کو بلا دریغ بلا تفریق مذہب و ملت فوراً پہنچانی چاہئے، کیونکہ یہ ہمارا ایک دینی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ہماری عملی تربیت کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہے۔" آپ نے فرمایا کہ :—

"اس وقت سب سے مقدم کام روپیوں کی مدد ہے۔ اس کام کے لئے جس سے روپیوں پیسوں کی جو مدد بھی بن پڑے اسے بے دریغ کرنی چاہئے۔ اور اس کام کے لئے آپ دوسروں کو بھی مدد کرنے کی طرف توجہ دلا سکتے ہیں۔"

اس سلسلہ میں حلقہ بنارس، کانپور، اور الہ آباد کے قیمین کے پاس رقمیں جمع ہوئی تھیں جنھیں مستحقین کو دیا گیا۔ نیز ہمارے رفقاء نے خاص طور سے بلیا، غازی پور اور بنارس کے بعض ایسے دیہاتوں کا دورہ کر کے امدادی کام کیا جہاں سیلاب کی وجہ سے تباہی آگئی تھی۔

اسی طرح بہار میں غلہ کی کمی کی وجہ سے جو نازک صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس سلسلہ میں رفقاء کو حسب ذیل مشورے دیئے گئے ہیں۔

الف :- اول مختلف گاؤں کی صحیح غذائی حالت سے حکومت کے ذمہ دار لوگوں کو باخبر کیا جائے اور گاؤں میں کنٹرول نرخ پر غلہ کی فراہمی کی کوشش اور مناسب طریقے پر ان کی تقسیم کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں لوگوں کی کوشش سے کئی جگہ کامیابی ہوئی ہے۔

ب :- جماعت سے تعلق رکھنے والے حضرات کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ

فاقہ زدوں کی امداد کا خاص طور سے خیال رکھیں، جن کو اپنی ضرورت سے زیادہ میسر ہو اگر ان سے ہو سکے تو اپنے کھانے کا پانچواں حصّہ بچا کر فاقہ زدوں کی اعانت کریں جن سے ہو سکے وہ ہفتہ میں ایک روز روزہ رکھیں اور دن کا کھانا بچا کر فاقہ زدوں کی امداد کریں۔

خدا کا شکر ہے کہ ان مشوروں پر بہت سے حضرات عمل کر رہے ہیں بعض خاندانوں میں تو اجتماعی طور پر ان پر عمل ہو رہا ہے، یعنی پورے خاندان کے کھانے کا پانچواں حصّہ بچایا جاتا ہے اور خاندان کے تمام بالغ اور تندرست آدمی ہفتہ میں ایک روز جمعرات کے دن روزہ رکھتے ہیں اور پسماندہ غذا اسے ہر مذہب و ملّت کے فاقہ زدوں کی امداد کی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ململ صوبۂ بہار میں پورا کا پورا دیہات آگ کی نذر ہو گیا، جس کی وجہ سے ہندو مسلمان دونوں پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے مکانات نذرِ آتش ہو گئے۔ غلہ جل گیا، پہننے کے کپڑے برباد ہو گئے اور ہر طرح سے لوگ تباہی کا شکار ہو گئے۔ ایسے موقع پر جماعت کے افراد نے بلا امتیاز مذہب و ملت وہاں کے لوگوں کی خدمت کی ان کے لئے کھانا مہیا کیا، کپڑا مہیا کیا، ہماری بہت سی مقامی جماعتوں نے ان کی روپیے پیسے سے مدد کی۔ حتیٰ کہ بعض رفقاء نے تباہ شدہ مکانوں کی تعمیر میں جہاں تک ممکن تھا اپنے ہاتھ پیروں سے بھی مدد کی اسی طرح حیدرآباد میں پولیس ایکشن کے بعد غنڈہ عناصر کی وجہ سے جو مرد عورتیں اور بچے تباہ حال ہو گئے تھے ان کی امداد و بحالی کے لئے جماعت کی طرف سے ایک اسکیم تیار کی گئی تھی جس سے پریشان حال لوگوں کی امداد و اعانت کے لئے خواہ وہ کسی قوم

سے تعلق رکھتے ہوں سبیل نکالی گئی تھی امیر جماعت اسلامی ہند نے اس اسکیم کی طرف اپنے رفقاء اور دیگر اصحاب خیر کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ "حیدرآباد میں جو افسوسناک حالات رونما ہوئے ہیں، ان کا علم ہر شخص کو کم و بیش ہوگا۔ ایسے حالات میں ہر دردمند انسان پر خواہ وہ کسی قوم و نسل سے تعلق رکھتا ہو، جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ بالکل ظاہر ہیں۔ اسی لئے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ہم اپنے محدود وسائل و ذرائع کے ساتھ اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکتے ہیں اس میں دریغ نہ کریں گے" چنانچہ اس اپیل کا خاطر خواہ اثر ہوا اور حلقۂ حیدرآباد کی جماعتوں کی وساطت سے امداد و ریلیف کا خاصا کام ہوا۔ گلبرگہ اور حیدرآباد میں تو یہ کام محدود پیمانہ پر ہوا لیکن بیدر میں ایسے مواقع نکل آئے جہاں ایک ریلیف کیمپ کھولا گیا۔ یہ کیمپ ۷؍اکتوبر ۱۹۴۸ء کو جاری کیا گیا جہاں مظلومین کے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا اور کپڑوں سے بھی مدد کی جاتی تھی۔ روزانہ کیمپ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد ڈھائی سو رہتی تھی۔ غلہ اور کپڑے سے بیدر کے لوگوں نے مدد کی اور اور کچھ کپڑا حیدرآباد سے فراہم کر کے روانہ کیا گیا۔ مقامی آبادی نے رقمی اعانت میں حصہ لیا اور کچھ رقم حیدرآباد سے جمع کرا کے بھیجی گئی۔ یہ کیمپ تین ماہ تک اچھے پیمانہ پر جاری رہا۔ یہاں تک کہ حالات کچھ اعتدال پر آئے اور جب لوگ اپنے دیہاتوں یا حیدرآباد کو منتقل ہونے لگے تو یہ کیمپ جنوری ۱۹۴۹ء کو برخاست کر دیا گیا۔ لیکن انفرادی امداد و اعانت کا کام جاری رہا۔ کچھ لوگوں کو مدد دے کر کاروبار یا مزدوری پر لگایا گیا .... اس کیمپ پر ۱۴۱ من غلہ اور ۵۷۳ روپے ۲ آنے ۸ پائی خرچ ہوئے۔ مقامی آبادی نے پانچ سو روپیوں کے غلے اور ۹۷۳ روپیہ نقد رقم سے مدد کی اور حیدرآباد سے پانچ سو روپے نقد

اور تقریباً ایک سو روپیہ کے کپڑے اور کمبل روانہ کئے گئے۔ کیمپ برخاست ہونے کے بعد انفرادی امداد جاری رہی۔ اب چونکہ دیہاتوں میں اکثر بوڑھی عورتیں اور چھوٹے بچے رہ گئے ہیں۔ نوجوان مرد اور عورتیں شہر میں منتقل ہو گئی ہیں۔ اس لئے اس اسکیم کے نفاذ کے خیال کو ترک کرنا پڑا۔ ریلیف فنڈ میں مبلغ ۴۴۷ روپے چودہ آنے (۱۴) ۳ سکہ عثمانیہ اور تین ہزار چھ سو اٹھانوے روپیہ آٹھ آنے ہندوستانی سکہ میں وصول ہوتے تھے۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ اس دوران میں حیدرآباد میں امداد و اعانت کا کام جاری رہا۔ ۵۰ء میں دو سو بیواؤں کو ریلیف کمیٹی حیدرآباد کی بھیجی ہوئی دو ہزار ساڑھیوں کی تقسیم دیہات کا دورہ کر کے مستحقین میں کی گئی دو سو بیواؤں کو دو سال کے لئے وظیفے دلوائے گئے۔ اپریل ۵۰ء میں بیوگان کی امداد کے لئے حکومت کی جانب سے ایک صنعتی مرکز کھولا گیا جہاں تقریباً سولہ بیوائیں جن کے شوہر گذشتہ فساد میں مارے گئے تھے کام کر رہی تھیں۔ اس مرکز کو جماعت کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔ اب تک پچاس ساٹھ اصحاب کو چھوٹے کاروبار پر لگایا گیا تقریباً سوا سو افراد کی وقتی امداد کی گئی۔ بیس بائیس افراد کو اپنے اپنے مقامات پر جانے کے لئے کرایہ ریل دیا گیا۔ تقریباً سو افراد میں کمبل اور کپڑے تقسیم کئے گئے۔ غرضیکہ ہر ممکن طرح سے حیدرآباد کے بہت سے بے خانماں لوگوں کی امداد کی گئی۔

اسی طرح ایک اور موقع پر جب کافی تعداد میں پریشان شرنارتھی حضرات کا ایک قافلہ پاکستان سے ٹونک پہنچا تو ہمارے مقامی امیر جماعت کے توسط سے اُن کی آباد کاری کا انتظام بہت معقول طریقہ سے کیا گیا اور جو امکانی مدد ہماری

جماعت کر سکتی تھی اس سے دریغ نہیں کیا گیا چنانچہ ہمارے رفقاء کی ان کوششوں کا اثر ہندو مسلم تعلقات کی خوشگوار صورتوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔

غیر مسلمین کے تاثرات

حضرات!

اب آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ قومی کشمکش کو مٹانے، اہل ملک میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و اشتراک کے جذبہ کو اُبھارنے اور ان میں صحیح اصولوں کے ماتحت ایک دوسرے سے برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں ہم نے اب تک کیا کوششیں کی ہیں۔ حقیقت میں معدودے چند لوگوں کی کوششیں کوئی خاص وزن نہیں رکھتیں۔ تاہم ہماری ان کوششوں کے جو ثمرات نکل رہے ہیں وہ ہمیں اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ ہم اپنی کوششوں کو نہ صرف بدستور جاری رکھیں بلکہ ان میں اضافہ کر دیں۔ نمونہ کے طور پر ہم اس سلسلہ میں غیر مسلم حضرات کے چند تاثرات بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ہماری کوششوں کو اس حلقہ میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہمارے رفقاء کے بارے میں کیا رائیں قائم کی جاتی ہیں۔ غیر مسلموں میں سے ایک اچھی تعداد کا ہمارے متعلق ایک اچھا تاثر ہے۔ پٹا بھائی سیتہ رمیاں سابق صدر کانگریس نے اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

Such books are bound to popularise Islam. Its political & social structures are more or less a sealed book to Hindus.

یعنی اس طرح کی کتابیں اسلام کو لازماً مقبول بنائیں گی۔ اسلامی حکومت

کا نظام اور اس کا معاشرتی ڈھانچہ ہندوؤں کے لئے تقریباً ایک سربمہر کتاب ہے۔"

اسی طرح بروا ڈیہہ (بہار) میں اظہار خیال کیا گیا کہ یہ چیز تو حق ہے لیکن صد افسوس کہ مسلمان تو اس پر عمل نہیں کرتے اور ہماری نظر سے یہ اوجھل ہے۔

سر مہاراج سنگھ گورنر بمبئی نے اپنے قلم سے شکریہ کا خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ ان کتابوں کو میں دلچسپی کے ساتھ پڑھوں گا۔

(۱) فیروز پور میں بعض غیر مسلموں نے بھرے مجمع میں کہا کہ یہ ایسی سچّی اور قیمتی باتیں ہیں کہ اس سے زیادہ سچّی اور قیمتی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔

(۲) اکولا بہار میں بعض غیر مسلموں نے کہا کہ جماعت اسلامی جو اصول پیش کر رہی ہے ان سے دُنیا کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

(۳) سدھا سلطان پور ضلع اعظم گڈھ میں غیر مسلموں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ یہ دعوت ٹھیک ہے۔ اگر ان اصولوں پر کام کیا جائے تو دُنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

(۴) میرٹھ کے چند غیر مسلم دوست نہ صرف دعوت و طریق کار سے اتفاق کرتے ہیں بلکہ افرادِ جماعت سے اُنسیت کرتے ہیں، ان کی عزّت کرتے ہیں اور اپنے معاملات میں اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔

(۵) بمبئی میں غیر مسلموں نے کہا کہ اگر پہلے سے یہاں اس نظام کو پیش کیا گیا ہوتا تو نہ ہندو مسلم کشمکش ہوتی اور نہ غربت ہی باقی رہتی۔

(۶) پٹنہ میں جن لوگوں نے لٹریچر دیکھا سبھوں نے اس کی تعریف کی اور بعض نے اپنے دوسرے ہم مذہبوں اور بیویوں کو بھی پڑھایا۔

(۷) اعظم گڈھ میں بعض غیر مسلموں نے کہا کہ اسلام اگر یہی ہے تو ہم اس کے ہم نوا ہیں
(۸) مظفر پور بہار کے غیر مسلم شوق سے ہماری کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اسلام یہی ہے تو اس سے کوئی انصاف پسند آدمی اختلاف نہیں کر سکتا
(۹) کریم نگر میں چند غیر مسلموں میں اچھے تاثرات کے ساتھ اسلام سے متعلق غور و فکر کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔

(۱۰) مدراس کے ایک غیر مسلم ڈاکٹر نے دعوت کو سن کر فرمایا "یہ پیغمبروں کے الفاظ معلوم ہو رہے ہیں بدھ، مسیح جیسے لوگوں کی تبلیغ معلوم ہو رہی ہے اور میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے بالکل سچ ہے لہٰذا اس دعوت کو ہر ہر شہر میں تمام انسانوں میں پہنچانے میں کوتاہی نہ کرنی چاہیئے۔ ہر زمانہ میں اس قسم کی دعوت دینے والوں کو اول قدم ہی پر تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ہے میں بھی اس پر غور کروں گا اور ضرور کوشش کروں گا"

(۱۱) ایک اور غیر مسلم ڈاکٹر نے دعوت کے اصولوں سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا "یہ تو بہت اچھی چیز ہے"

(۱۲) لاڑکانہ میں ہمارے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض غیر مسلموں نے اس کی بہت تعریف کی اور بعض نے خود پڑھنے کے بعد دوسروں کو بھی پڑھنے کے لئے دیا۔ ایک صاحب نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ بات تو بہت معقول ہے مگر آج کل اس راستہ پر چلتا کون ہے۔ آج کل کے زمانہ میں اس راستہ پر چلنا دشوار ہے۔

(۱۳) فیض آباد میں بعض غیر مسلموں کی گفتگوؤں اور ان سے روابط کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری دعوت اور ہماری کوششوں کو وہ اچھی نگاہوں سے

دیکھتے ہیں اور مسلمانوں کی تمام جماعتوں میں صرف ہماری جماعت سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

(۱۴) میسور میں ایک غیر مسلم نے لٹریچر کا مطالعہ کر کے اس کو سراہا اور کہا کہ اگر عملی طور پر یہ چیزیں اختیار کی جائیں تو دلوں میں صفائی اور زندگیوں میں خوشگواری پیدا ہو گی۔

(۱۵) برسیہ میں بعض غیر مسلموں کا کہنا ہے کہ اگر ان اصولوں پر سوسائٹی کو منظم کیا جائے تو دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

(۱۶) جے پور میں کہا گیا "اختیار کرنے کی چیز ہے، انسانیت کو اپنی قوت اسی کی اشاعت میں صرف کر دینی چاہیئے۔"

جے پور میں ایک مقام پر قوم پرستی کی وجہ سے ابتداءً مخالفت بھی ہوئی لیکن رفقاء کے قول و عمل کی یکسانی سے جلد ہی ختم ہو گئی

(۱۷) سوائی مادھوپور میں غیر مسلموں نے دعوت کو حق بتایا اور کہا کہ انسانی دکھوں کا یہی علاج ہے۔

حضرات! ہماری کوششوں کے متعلق غیر مسلموں کا یہ تاثر اس بات کا تو پتہ دیتا ہے کہ ہماری دعوت کو ان کے سمجھدار طبقے میں مقبولیت حاصل ہوتی چلی جا رہی ہے لیکن جب تک غیر مسلموں کے ایک بڑے طبقہ کی غلط فہمیاں خود مسلمانوں اور اسلام کے متعلق رفع نہ ہو جائیں اور ان کے سامنے اسلامی سیرت و کردار رکھنے والے لوگ ایک معتد بہ تعداد میں چلتے پھرتے نہ نظر آئیں۔ تب تک لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آتی مشکل ہے کہ خدا کی بندگی اور ہدایت سے دنیا کے

اور خود ہمارے ملک کے پیچیدہ مسائل کس طرح بخوبی اور بآسانی حل ہو سکتے ہیں۔ اسلام کو کتابوں سے سمجھانے کی بجائے اس کی چلتی پھرتی جیتی جاگتی اور زندہ تصویر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ بھارت میں ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم ہو جائے جو اپنے اصل اور فرع میں اسلام کی نمائندگی کرتا ہو۔ آیئے اب ان کوششوں پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے جو اسلامی طرز کا معاشرہ قائم کرنے کے سلسلہ میں اپنے ملک میں ہم جاری کئے ہوئے ہیں۔

مثالی معاشرے کے قیام کی کوشش

ہمارے پروگرام کی دوسری شق جو ہمارے کام کا ایک بہت اہم جز ہے یہ ہے کہ خود مسلمانوں کے اندر اسلام کا صحیح شعور پیدا کیا جائے اور ان کی عملی زندگی کو ان معتقدات پر اٹھایا جائے جن کو انھوں نے وارثتہً یا غیر شعوری طور پر قبول کر رکھا ہے۔ اس طرح جب اسلام کی نمائندگی خود مسلمانوں کی ایک قابل لحاظ تعداد ادا کرنے لگی گی تو اصول و کردار کی جاذبیت اس کوشش کو بڑی حد تک آسان بنا دے گی جو ہمیں اپنے ملک میں کرنی ہے۔ اس ضمن میں ہمیں تین چیزوں کی طرف توجہ کرنی تھی۔

اولاً یہ کہ مسلمانوں میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت کی جائے۔

ثانیاً ان میں دین کی قولی و عملی تبلیغ کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

ثالثاً مسلمانوں کی اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی اصلاح کیجائے۔

ان تینوں چیزوں کو ایک صالح معاشرے کے قیام میں جو بنیادی اہمیت حاصل ہے وہ سب پر عیاں ہے لیکن ان کو بروئے کار لانے کے لئے جس سکون اور پُر امن فضا کی ضرورت ہے. وہ تقسیم ہند کے بعد سے بھارت میں نہ تو داعیانِ تحریک کو نصیب ہو سکی اور نہ انہی لوگوں کو میسر آ سکی جن کے سامنے اس پروگرام کو پیش کرنا تھا۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلمین کے سنجیدہ عنصر تک کو ہے کہ تقسیم کے بعد بھارت میں مسلمان نہ صرف معصوم بلکہ مظلوم بھی تھا اور یہاں کے حالات اس کے لئے بہت نازک ہوتے چلے گئے. ان حالات میں مسلمان پر خوف و ہراس کا طاری ہونا ایک گونہ قدرتی امر تھا اور اس کا کچھ نہ کچھ ردعمل ہمارے رفقاء پر بھی پڑا۔ نئے حالات کے پیدا کردہ مسائل نے بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لی اور فسادات کے لامتناہی سلسلہ کی وجہ سے ہمارے کام میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں، حتیٰ کہ انہی حالات کی وجہ سے گذشتہ سال ہمیں اپنا سالانہ کل ہند اجتماع بھی ملتوی کرنا پڑا۔ ایسے موقع پر جو کام ہمیں کرنا پڑا وہ حسب ذیل تھا۔

اول یہ کہ ہجرت، انتقال آبادی، تبادلہ آبادی وغیرہ کے متعلق ایسے صحیح خیالات مسلمانوں میں شائع کئے جائیں جن سے ان میں صبر و استقلال کی شان پیدا ہو سکے۔

دوئم یہ کہ ان کے اضطراب اور بے چینی کو دور کیا جائے اور ان کے خوف و ہراس کو کم کرنے کی کوشش کی جائے۔

سوئم یہ کہ اپنے رفقاء کو ان کے فرائض یاد دلا کر ان میں استقامت پیدا کی جائے

ان باتوں کے سلسلہ میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امیر جماعت اسلامی ہند کے بیانات سے چند اہم اقتباسات پیش کئے جائیں جن سے آپ کو صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ ہم نے کیا کوششیں کی ہیں۔ ایک بیان میں امیر جماعت نے فرمایا۔

"سب سے پہلی بات تو مجھے یہ کہنی ہے کہ یہ جو کچھ پیش آرہا ہے، یہ درحقیقت ان غلط قوم پرستانہ اور وطن پرستانہ نظریات کا نتیجہ ہے جس میں اہل ملک اب تک مبتلا ہیں، اور اس صورت حال کا حقیقی علاج وہ دعوت حق ہی ہے جو جماعت اسلامی مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے سامنے پیش کرتی آرہی ہے۔ یعنی خالص خدا پرستانہ بنیادوں پر لوگوں کو متفق کرنا اور وحدت انبی نوع انسان کو یاد دلا کر حقیقی انسانیت پر ان کو آمادہ کرنا۔ اور مجھے تو یقین ہے کہ اگر ہمارے رفقاء نے اگر اپنے نظریات و خیالات کی اشاعت و تبلیغ میں پوری طرح حصہ لیا ہوتا تو ہندوستان کے حالات بہت حد تک اس سے مختلف ہوتے اور ہمیں یہ اندوہناک منظر نہ دیکھنا پڑتا۔ ہمارے رفقاء جہاں بھی رہتے ہوں، ان کا فرض ہے کہ وہ اس موقع پر اپنی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کردیں اور بغیر کسی تفریق و امتیاز کے ہر مسلم و غیر مسلم کے ذریعہ پہنچیں اور اپنا پیغام سُنا کر ان کو امن پسندی اور انسانیت پر آمادہ کریں اور جہاں ان کی کوششوں کے باوجود فسادات ہو جائیں وہاں اپنے پیغام کو سنانے کے ساتھ ساتھ پیش آمدہ مصائب میں مصیبت زدوں کی مدد کریں اور اس کام میں

جو خطرات بھی درپیش ہوں ان کا ہنسی خوشی مقابلہ کریں۔ حقیقی عزیمت کی راہ یہی ہے۔ ہاں اگر کسی مقام کے حالات اتنے نازک ہو جائیں کہ وہاں کسی طرح کے کام کا موقع ہی باقی نہ رہے تو اس صورت میں اپنے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی کوئی اور تدبیر اختیار کریں اور اس صورت میں بہتر ہے کہ وہ کسی محفوظ مقام میں منتقل ہو جائیں البتہ اس طرح کے مواقع پیش آنے پر بھی ان کا فرض یہ ہے کہ وہ تنہا اپنی حفاظت کی فکر کرنے کے بجائے ان سب لوگوں کی حفاظت کا بندوبست کریں جو خود اس میں قاصر معلوم ہوں۔

پھر آپ نے فرمایا:۔

دوسری بات اس ضمن میں یہ کہنی ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں پر ایک خاص طرح کا خوف و ہراس طاری ہو گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ بھاگ بھاگ کر پاکستان جا رہے ہیں یا جانے کی فکر میں ہیں، ایسے تمام لوگوں سے براہ راست ربط و تعلق پیدا کیجئے اور ان کو اللہ پر اعتماد کرنے کا مشورہ دیجئے۔ ایک مسلمان کو ہر حال میں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے مستقبل کی طرف سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں کے موجودہ خوف و ہراس کا اگر کوئی علاج ہے تو یہی ہے۔ ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے لئے کوئی مقام حفظ و امان کا ضامن ہو سکتا ہے، حقیقی حفاظت بس اللہ کی ہے اور جب تک اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، حفاظت کی ہر تدبیر اختیار کرنے پر بھی آدمی خوف

ہی میں مبتلا رہے گا۔ اس وقت ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں ان میں انابت اور توجہ الی اللہ کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے، اسی سے ہمارے اندر اعتماد اور اطمینان پیدا ہوسکتا ہے، اور یہی ہمارے لئے حقیقی قوت ہے، خود بھی اس کی طرف توجہ کی جائے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی طرف دعوت دی جائے۔"

"تیسری بات اس ضمن میں یہ کہنی ہے کہ آج کل تبادلہ آبادی کا جو ذکر ہر جگہ چھڑ گیا ہے، اس سے آپ کو متاثر ہونے کی ضرورت نہیں، اوّل تو یہ بات مشتبہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے لیڈر اتنے خود باختہ ہوسکتے ہیں کہ وہ موجودہ مسائل کو کسی اور طرح حل کرنے کے بجائے تبادلہ آبادی کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کریں۔ ہندوستان کے چار کروڑ مسلمانوں کو پاکستان منتقل کرنا، اور انھیں وہاں جگہ دینا، اور ایسے ہی پاکستان کے غیر مسلموں کو جن کی تعداد بھی بہت بڑی ہے ہندوستان لے آکر بسانا کوئی آسان کام نہیں ہے خود پناہ گزین جو پہلے سے دونوں ملکوں میں موجود ہیں، ابھی ان کے لئے کوئی ٹھکانا مہیا نہیں کیا جا سکا ہے، اور اس کی وجہ سے دونوں ملکوں کو طرح طرح کی دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ پھر وہ نئے پناہ گزینوں کو بلانے کا حوصلہ کس طرح کرسکتے ہیں، تاہم اگر دونوں ملکوں کے عوام ہی نہیں خواص اور صاحب عقل و خرد لوگ بھی اس وقت نہی کے چل کر یہی طریق کار زیادہ مناسب اور بہتر سمجھنے لگیں تو بھی اول تو یہ توقع

رکھنی چاہئے کہ اگر خدانخواستہ اس کی نوبت آئی تو اس کی نوعیت وہ نہیں ہوگی جو خود اختیاری بھگدڑ وغیرہ کے موقعوں پر ہوتی ہے کہ انسان کا جان سلامت لے جانا ہی دشوار ہوتا ہے، بلکہ وہ کسی منظم اسکیم ہی کے تحت ہوگی اور یقیناً اس میں وہ خطرات پیش نہیں آئیں گے جن کے خوف سے لوگ لرزہ براندام ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا:۔

"اور دوسری بات یہ یاد رکھئے کہ ہمیں مستقبل کے بارے میں اس طرح کی قیاس آرائیوں میں اپنا وقت نہیں ضائع کرنا چاہیئے۔ مستقبل کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمیں تو اپنی جگہ یہ طے کر کے کام کرنا ہے کہ جس سرزمین میں ہم پیدا ہوئے ہیں، وہی ہمارے کام کا اصلی میدان ہے، اور اس کو ہم اپنی خوشی سے صرف اس وقت چھوڑ سکتے ہیں جب ہم اس میں کام کرنے کو ضیاع وقت سمجھنے پر مجبور ہو جائیں، یا حالات ہی اس پر مجبور کر دیں۔ لیکن جب تک یہ صورت پیش نہیں آتی ہے اور ہمیں یہی توقع رکھنی چاہیئے کہ اگر ہم اپنے کام کو صحیح طریقہ سے انجام دیں تو یہ صورت ہرگز پیش نہیں آئے گی، اس وقت تک تو ہمیں ہر لمحہ قیمتی سمجھنا چاہیئے اور پورے انہماک کے ساتھ اپنا کام انجام دینا چاہیئے"۔ (الانصاف ۲۸ مارچ ۵۰ء)

ایک دوسرے بیان میں آپ نے فرمایا کہ:۔

"جہاں تک ہمارے رفقاء کا تعلق ہے ان کو بتایا جا چکا ہے کہ انہیں موجودہ حالات سے قطعاً متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے لئے یہ طے شدہ بات ہے کہ ہم جس سرزمین میں پیدا ہوئے ہیں، اسے اس وقت تک

چھوڑ نہیں سکتے، جب تک کہ ہمیں اپنی کوششوں کے نتائج سے مایوسی نہ ہو جائے، یا حالات ہی ایسے نہ پیدا ہو جائیں کہ کام کرنا ہمارے لئے دشوار ہو جائے۔ ہمیں فطری حد کے اندر اعزا، اقربا بھی عزیز ہیں، گھربار سے بھی محبت ہے، خاندان اور پڑوس سے بھی اُلفت ہے وطن اور ملک سے بھی لگاؤ ہے لیکن ہمارا اصلی تعلق اس مقصد سے ہے جسے ہم نے اپنایا ہے، یعنی اللہ کے دین کی مکمل اطاعت اور اس کی دعوت و اشاعت، پس جب تک کسی درجہ میں بھی ہم اس مقصد پہ قائم رہ سکیں، ہمارے جانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر خدانخواستہ اس کا امکان باقی نہ رہے تو پھر کوئی اور کشش ہمیں یہاں نہیں روک سکتی نہ اعزا، اور نہ اقربا، نہ پڑوس اور نہ خاندان، اور نہ جائداد و مال اور اس صورت میں ہمارا رویہ انشاء اللہ ان لوگوں سے مختلف ہوگا جو اس وقت سمجھتے تو یہ ہیں کہ ان کے لئے یہاں رہنا صحیح نہیں ہے لیکن پھر بھی مال و دولت کی محبت ان کا قدم روکے ہوئے ہے، یا اس کی محبت میں اتنا سرشار ہیں کہ اس کی خاطر وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں، جس کا کرنا بحیثیت مسلمان ان کے لئے جائز نہیں، اور جہاں تک ہمارے نقطۂ نظر کا تعلق ہے ہم ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے ہیں کہ ہمارے یہاں سے جانے کی وہ شرائط پوری ہو چکی ہیں جو اللہ کے قانون نے ہمارے لئے مقرر کی ہیں۔ اور یہ نہ سمجھئے کہ ہمارا یہ خیال حالات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ فسادات وغیرہ ہمارے سامنے بھی ہیں اور مستقبل کے جن امکانات

سے لوگ خوف زدہ ہو رہے ہیں، ان پر ہم نے بھی غور کیا ہے لیکن اس کے باوجود ہماری رائے یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔"

پھر آپ نے فرمایا:۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے جو پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ اس وقت جو کچھ بھی پیش آرہا ہے، ہم نہیں سمجھتے کہ یہ ہمیشہ قائم رہنے والی حالت ہے۔ انسان اس زمانہ میں کتنا ہی کیوں نہ بگڑ گیا ہو، ہم اس کی سرشت سے جو خیر پر مبنی ہوتی ہے، مایوس نہیں ہیں ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ قتل و غارت اور فساد یقیناً رک کر رہے گا۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ جو کچھ پیش آرہا ہے وہ صرف بد خواہ، بدکردار افراد کی بدخوئی اور بدکاری ہی کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے کوئی باقاعدہ مفسدہ کام کر رہا ہے اور وہ کسی درجہ میں کسی بڑی اجتماعی خرابی کا نتیجہ ہے تو بھی ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح افراد کے اندر بگاڑ ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے نفس لوامہ کی سرزنش اور تادیب سے دوبارہ سنبھل جاتے ہیں، اسی طرح معاشرہ اور اجتماع میں بھی خرابیاں رونما ہوتی ہیں اور پھر پورے مجموعہ کا نفس لوامہ اس کو راہ راست پر لاتا ہے۔ چنانچہ قوموں کی تاریخ میں اس کی مثالیں اور ثبوت موجود ہیں۔ پس یقین رکھنا چاہیئے کہ یہ جو کچھ پیش آرہا ہے یہ ایک بحرانی حالت ہے اور یہ کسی نہ کسی دن ختم ہو کر رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی اسی طرح کے بحرانی دور آئندہ اور بھی پیش آئیں اور آثار بتلاتے ہیں کہ شاید ابھی ہندوستان مدتوں اس طرح کی عارضی بحرانی کیفیات میں مبتلا ہوتا رہے گا۔ لیکن پھر بھی

یہ حالت انسانی فطرت و سرشت کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے وہ یقیناً ختم ہو کر رہے گی۔" (الانصاف ۱۳ر اپریل ۵۰ء)

حضرات! ان اقتباسات سے یہ ظاہر ہو گیا ہو گا کہ اس نازک دور میں مسلمانوں کو ہم کس طرز عمل کی دعوت دے رہے تھے اور کس طرح اکثریت کے ہوتے کے مقابلہ میں ان میں اعتماد علی اللہ اور توکل علی اللہ کی شان پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمان کیلئے صرف اکثریت کا رویہ ہی پریشانی کا باعث نہیں بنا ہوا تھا بلکہ نظم حکومت کی تبدیلی کے ساتھ وہ حکومت سے بھی مشتبہ اور خوف زدہ ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ حکومت کے بہت سے حکام و عمال، جو بہر حال اسی معاشرہ کا ایک جزو ہیں، جس کی مسلمان سے قومی جنگ چھڑی ہوئی تھی، اس دور میں خود حکام بالا اور وزراء وغیرہ کے علی الرغم حکومت کی پالیسی پر صحیح طور سے عمل پیرانہ تھے، اور مسلمان کو خواہ مخواہ پریشان کر رہے تھے، تاہم یہ خوف زدہ مسلمان حکومت کے خلاف کچھ بے بنیاد شکوک و شبہات بھی رکھتا تھا، اور حکومت کی طرف سے بعض بدگمانیوں کا شکار تھا۔ اگر ان بدگمانیوں کو اور ہوا دی جاتی یا انھیں جوں کا توں بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع دیا جاتا تو اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کی ذہنی پریشانیوں میں اضافہ ہو جاتا جس کا اثر ہمارے دعوتی کام پر بھی پڑتا اس لئے ضروری تھا کہ ہم ان بدگمانیوں کی حقیقت کو واضح کر دیتے، چنانچہ علاوہ ان مشوروں کے جو وقتاً فوقتاً لوگوں کو اس سلسلہ میں دئے جاتے رہے ---- ---- --- ----

---- رفقائے جماعت کو خطاب کرتے ہوئے امیر جماعت نے ایک بیان میں فرمایا:-

ہمیں موجودہ حکومت کی طرف سے بھی جو درحقیقت اجتماعی حالت کا مظہر ہے۔ کوئی بات ایسی نہیں معلوم ہو سکی ہے، جس سے یہ بدگمانی کی جا سکے کہ اس فتنہ و فساد کے طاری ہونے میں خود اس کا کوئی دخل ہے یا اس کو وہ برقرار رکھنا چاہتی ہے، بلکہ اس کے برعکس گذشتہ چند روز کے واقعات اور اصلاحی و تعمیری کوششیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اس صورت حال کو ختم کرنے کی خواہش اس کے ذمہ دار لوگوں میں موجود ہے۔ موجودہ حکمراں اگر آپ کے تعلق سے نہیں تو خود اپنے مفاد کے لئے اس طرح کی حالت نہ بالقصد پیدا ہونے دے سکتے ہیں اور نہ اس کو برقرار رکھنے کے خواہش مند ہو سکتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان کے علی الرغم ایسے حالات پیدا ہو جائیں جو ان کے قابو سے باہر ہوں، لیکن اگر وہ ایسے ہی عقل وظرف رکھتے ہیں کہ لوگوں کی جان و مال نہ محفوظ رکھ سکے تو آپ یقین رکھئے کہ وہ آپ کی نہیں خود اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔ اس طرح کی حالت پیدا ہونے کے جو نتائج ہو سکتے ہیں ان کا تدارک آسان نہیں ہے اور باتوں کو چھوڑ کر آپ کو اس خالق کائنات کے عدل و انصاف پر بھروسہ کرنا چاہیئے جو اس کے رسول کی زبان میں عام مخلوق کو اپنی "عیال" قرار دیتا ہے، اور اگر آپ واقعی مسلمان ہیں تو آپ اس کی "حزب" اور وہ آپ کا "ولی" ہے۔ دنیا کا حقیقی کارساز اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ اندھا بہرا نہیں ہے، اس کی صفت سمیع و علیم ہے اور قوموں کے

عروج وزوال کے پچھلے واقعات اس کے شاہد ہیں اور اگر خدا نخواستہ انسانی سرشت اور موجودہ حکمرانوں کے متعلق میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ محض خوش گمانی ہے، اور بات وہی صحیح ہے جو اس وقت لوگوں کے ذہن پر غلبۂ یاس کی وجہ سے مسلط ہوگئی ہے یعنی یہ کہ مستقبل مسلمانوں کے لئے تاریک ہے تو بھی میں اپنے رفقاء سے یہی خواہش رکھتا ہوں کہ اس حالت کی اصلاح کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے اس کی ادائیگی سے پہلے مایوس نہ ہوجائیں۔"

(الانصاف ۱۴ اپریل ۵۰ء)

پھر اسی طرح ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ:-

"ہمارے نزدیک مسلمانانِ ہند کے لئے اس وقت جو صحیح لائحہ عمل ہوسکتا ہے وہ یہی ہے جو مختصراً اوپر بیان کردیا گیا ہے، اگر آپ اس کو صحیح سمجھتے ہوں تو اس کے مطابق اپنی حد تک آپ کو کام شروع کردینا چاہیئے۔ رہی یہ بات کہ حکومت اس وقت مسلمانوں سے بدگمان ہے اور وہ جو کچھ بھی کریں گے اشتباہ کی نظر سے دیکھا جائے گا اور اس کی وجہ سے وہ باغی سمجھ لئے جائیں گے، تو اول تو میں حکومت کے بارے میں اتنی بدگمانی صحیح نہیں سمجھتا کہ وہ آپ کے کاموں کی نوعیت کو یکسر نظر انداز کرکے محض مسلمان ہونے ہی کی بنا پر آپ کو "باغی" قرار دیدے۔ جس طرح کے کام کا آپ کو مشورہ دیا جارہا ہے۔ وہ کام تو ایسا ہے کہ اگر حکومت سمجھ بوجھ سے کام لے تو اسے اس طرح

کے کام کرنے والوں کو خوش آمدید کہنا چاہیئے، اور نہ کم از کم اس میں رخنہ اندازی کرنے سے بہرحال اسے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور ہمیں توقع بھی رکھنی چاہیئے کہ وہ ایسا ہی کرے گی۔ ظاہر ہے کہ آپ نظم حکومت میں کوئی اختلال پیدا نہیں کر رہے ہیں، اور نہ فرقہ وارانہ یا طبقاتی جنگ کا کوئی پروپیگنڈا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ تو جو کچھ چاہتے ہیں اس کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ آپ خود بھی اسلام کے نظریۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے خواہش مند ہیں اور دوسری خلق خدا کو بھی خدا کی بخشی ہوئی اس نعمت میں شریک کرنا چاہتے ہیں پھر حکومت نے آزادی رائے و ضمیر اور اس کے مطابق اظہار رائے کو اصولاً تسلیم کیا ہے اور اس کے بموجب ایسی جماعتوں کو بھی یہ حق عملاً دے رکھا ہے، جن کے اصول و نظریات فتنہ و فساد کا بھی باعث بن سکتے ہیں تو وہ اس حق سے ہم ہی کو کیوں محروم رکھے گی۔ بہرحال ہمیں حکومت کے بارے میں خواہ مخواہ بدگمانی سے کام لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ یہ بدگمانی صحیح ہو یا عملاً اس کا ظہور ہی ہونے لگے تو سوال یہ ہے کہ کیا پھر ایسی صورت میں اسلام کا نام لینا ترک کر دینا چاہیئے؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی مسلمان جو مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتا ہے اور اسلام ہی پر اپنا خاتمہ پسند کرتا ہے وہ اس سوال کا جواب اثبات میں دے سکتا ہے۔"

(الانصاف ۲۰ دسمبر ۱۹۴۸ء)

الحمد للہ کہ اس طرز کے اظہار خیال سے نہ صرف ہمارے رفقاء میں استقامت پیدا ہوگئی، بلکہ رفقاء نے دوسرے مسلمانوں کو بھی ان خیالات سے متاثر کیا، انفرادی واجتماعی ملاقاتوں اور خطاب عام کے ذریعہ، نیز پوسٹرس اور کتابچوں کے ذریعہ جو قیمتاً اور بلا قیمت بڑی تعداد میں شائع کیے گئے، مسلمانوں کے خوف و ہراس کو دور کرنے، اللہ پر بھروسہ کرنے اور اپنی اعتقادی و عملی اصلاح کر کے اپنے اپنے مقامات پر جمے رہنے کا مشورہ دیا گیا، اور بحمد اللہ اس کے اثرات اچھے رہے قیم حلقہ بہار تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس کوشش کے اس حلقہ میں نمایاں اثرات محسوس کیے گئے، بہار کے ارکان اور ہمدردان اور متاثرین کے متعلق تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں عام طور پر وہ خاطر جمعی کے ساتھ اپنے اپنے مقامات پر جمے رہے اور اپنی دعوت کو پیش کرتے رہے، اور اپنے اثر سے بہت سے خاندانوں کو پریشان ہونے اور بدحواسی میں مال و متاع چھوڑ کر بھاگنے اور تباہ ہونے سے بچائے رکھا۔"

کم و بیش اسی طرح کے اثرات دوسرے مقامات پر بھی مترتب ہوئے جہاں ہمارے رفقاء نے ایک طرف تو مسلمانوں کے خوف ہراس کو توکل علی اللہ اور اعتماد باللہ میں بدلنے کی کوشش کی اور دوسری طرف انھیں دعوت دی کہ وہ اپنے معاشرے کو صحیح اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کی کوشش کریں۔ ایک صالح معاشرے کا قیام چونکہ ہمارے پروگرام کا ایک اہم جز ہے اس لئے اس سلسلہ میں جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں اس کی خاطر خواہ طور پر انجام دینے کے لئے ضروری

ہے کہ ہم مسلم سوسائٹی کا پورے طریقے سے جائزہ لیں اور چونکہ شہری اور دیہاتی آبادی میں علمی استعداد، معلومات عامہ، باہمی یگانگت اور حالات سے واقفیت نیز مشاغل اور دلچسپیوں کے اعتبار سے کافی فرق ہوتا ہے۔ اس لئے اس اعتبار سے دونوں کی ذہنی کیفیت اور نفسیات بھی ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہوتی ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ دونوں کے لئے ایک ہی قسم کا طریقِ دعوت مفید نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہمیں دونوں آبادیوں کی خصوصیات کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے لیکن اس بات کو بعض جماعتی حلقوں میں پورے طور پر ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے رفقاء باضابطہ کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ تاکہ ایک طرف خود ان کی اپنی تربیت ہو اور دوسری طرف ہر پہلو سے کام مستحکم ہوتا ہوا نظر آئے۔ بہرحال اس ضمن میں اب تک جو کام جس طرح ہو سکا ہے مختصراً یہ ہے۔

شہری مسلمانوں میں دعوت اصلاح کے طریقے

شہری آبادی کے تعلیمی، معاشرتی، تمدنی، اخلاقی، دینی اور سیاسی حالت کا مختلف طبقات کے لحاظ سے تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

انفرادی دعوت! پہر تعلیم یافتہ، سنجیدہ اور معقول افراد کی فہرستیں تیار کر کے ان سے روابط قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تبادلہ خیالات کے ذریعہ ان کی علمی استعداد، رجحانات، عام دلچسپیوں اور شوقِ مطالعہ وغیرہ کا جائزہ لیا جاتا ہے اور ایک حد تک دعوت کا تعارف کرا کے لٹریچر کے پڑھنے

پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ دوران مطالعہ میں ہمارے بعض رفقاء تبادلہ خیالات کی کوشش کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مطالعہ کرنے والوں نے ہمارے نقطۂ نظر کو کہاں تک سمجھا ہے، لیکن بعض رفقاء اس طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہیں جس کا نتیجہ مختلف صورتوں میں رونما ہوتا ہے۔ بعض لوگ مطالعہ کے بعد لٹریچر کی کافی تعریف کرتے ہیں لیکن ان کے طرز عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے لٹریچر کو سمجھ کر نہیں پڑھا ہے۔ بعض کی طرف سے ایسے شبہات و اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں جن کا شافی جواب انھیں کتابوں میں موجود ہوتا ہے جو ان کے زیر مطالعہ رہ چکی ہوتی ہیں۔ بعض لوگ ناکافی مطالعہ کے بعد ہی جوش میں آجاتے ہیں اور دو ایک مہینے تک غلط سلط کام کرتے رہنے کے بعد سرد پڑنے لگتے ہیں، بعض لوگوں میں لٹریچر کے پورے مطالعے کے بعد بھی کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ یہ تمام صورتیں بالعموم اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ ہمارے بعض رفقاء دوران مطالعہ میں اس بات کا جائزہ لینے کی کم کوشش کرتے ہیں کہ مطالعہ کرنے والے اصحاب نے فی الحقیقت کس قدر مطالعہ کیا ہے اور وہ ہمارے نقطۂ نظر کو کس حد تک سمجھ چکے ہیں اگر اس بات کا پوری طرح لحاظ رکھا جائے تو ہمیں توقع ہے کہ اس کے فوائد میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے۔

اجتماعی دعوت: یہ تو تھا ہماری انفرادی دعوت کے کام کا جائزہ، رہی اجتماعی دعوت تو اس کے اثرات کے سلسلہ میں تفصیلات یہ ہیں:-

اجتماعات: تمام مقامی جماعتوں، حلقہ ہائے ہمدردان اور جہاں کہیں بھی ہمارے منفرد ارکان ہیں۔ ان کی زیر نگرانی ہفتہ وار عمومی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔

ان اجتماعات میں درس قرآن وحدیث اور خطاب عام یا لٹریچر کے کسی موزوں حصہ کو سنا کر حاضرین تک دعوت پہنچائی جاتی ہے۔ بڑے شہروں میں جہاں ہمارے کارکنوں کی تعداد خاصی ہے شہر کو کئی حلقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اس نوعیت کے اجتماعات ہر حلقہ میں کئے جاتے ہیں۔ ان ہفتہ وار اجتماعات کے علاوہ عموماً ہر ضلع میں ماہانہ اجتماعات بھی ہوتے ہیں جن میں ضلع بھر کے رفقاء جمع ہوتے ہیں اور جن کے پروگرام کا ایک جزء خطاب عام بھی ہوتا ہے۔ بعض حلقوں میں کئی کئی متصل اضلاع کے سہ ماہی اجتماعات ہوتے ہیں جن میں خطاب عام کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایسے اجتماعات میں جماعت کے اچھے مقررین سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حلقوں کے ششماہی یا سالانہ اجتماعات بھی ہوتے ہیں اور ایسے مواقع پر دعوت عام کے موثر ذرائع استعمال کر کے پبلک کو مخاطب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تشکیل جدید کے بعد سے اب تک اکثر حلقوں میں مختلف قسم کے کئی اجتماعات ہو چکے ہیں۔

درس قرآن کا پروگرام ان سب ہی اجتماعات کا مشترک جزء رہتا ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کے علاوہ بہت سے مقامات پر روزانہ یا ناغہ دے کر کسی مسجد یا مساجد میں درس قرآن اور بعض جگہوں پر درس حدیث ہوا کرتا ہے جس کے ذریعہ قرآن کی دعوت کو براہ راست عوام تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دار المطالعے اکثر شہروں میں لٹریچر کی اشاعت کے لئے عام دار المطالعے ہمارے رفقاء کی نگرانی میں قائم ہیں جن میں ہمارے لٹریچر کے علاوہ اسلامی اخبارات ورسائل اور صالح دینی لٹریچر بھی رکھا جاتا ہے بعض بعض دار المطالعوں میں روزانہ مطالعہ کرنے والوں کی تعداد پچاس یا زائد ہوتی ہے۔

بعض جگہ ان دارالمطالعوں میں عام اخبارات زیادہ رہتے ہیں، اور زیادہ تر آنے والے اپنی دلچسپیاں انھیں تک محدود رکھتے ہیں۔ اس تجربے سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔

دارالمطالعہ سے متعلق ریکارڈ اور رجسٹروں کے رکھنے پہ بھی بعض جگہ تساہلی اور کتابوں کے اجراء کے سلسلہ میں کم پروائی اور بے جا اعتماد برتا گیا ہے جس کے نتیجہ میں کام کو نقصان پہنچا ہے۔ گو اس کا اہتمام کیا جاتا ہے پھر بھی یہ امر قابل توجہ ہے کہ دارالمطالعوں کے انچارج رفقاء کو آنے والوں اور مطالعہ کرنے والوں کا جائزہ لے کر اور ان سے گفتگو کے ذریعہ صحیح رائے قائم کر کے انھیں ترتیب سے مطالعہ کرانا چاہیئے۔ دارالمطالعہ سے فائدہ اٹھانے والوں کی اوسط ماہانہ تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔

اہم مواقع پر بک اسٹال

ان شہروں میں جہاں ہمارے کارکن خاصی تعداد میں موجود ہیں بڑے اجتماعات، نمائشوں، میلوں اور دوسرے مواقع پر اسٹال لگائے جاتے ہیں۔ دعوت کو مختصراً پیش کرنے والے کتبات اور بورڈ آویزاں کیئے جاتے ہیں۔ عموماً بک اسٹال کے ساتھ دارالمطالعہ بھی قائم کیا جاتا ہے۔ اور ہمارے رفقاء تبادلہ خیالات کے مواقع کی تلاش میں بھی رہتے ہیں۔ اس قسم کی کوششیں کافی نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہیں۔ ایسے مواقع پر بالکل نئے لوگ ہماری دعوت اور لٹریچر سے روشناس ہوتے ہیں۔ ہمارے رفقاء نے ان کے پتے حاصل کیئے اور ان سے روابط بڑھائے اور کام آگے چل پڑا۔ حیدرآباد، دہلی، میرٹھ، علی گڑھ، رام پور، لکھنؤ، رودولی،

ضلع گونڈہ گورکھ پور اور بعض دوسرے مقامات پر ایسے کئی کئی اسٹال لگائے جا چکے ہیں

اسٹڈی سرکل اور مذاکرتی حلقے

کچھ مقامات پر ہمارے رفقاء ہفتہ وار یا ہفتہ میں دوبار اجتماعی مطالعے اور مذاکرے کے لئے مخصوص نشستیں کرتے ہیں۔ ان نشستوں سے اپنے نظریات کو صحیح طور پر سمجھانے اور اس کے تمام پہلوؤں پر پڑھنے والوں کو حاوی کرنے کا کام لیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ بلا اس کام کے ہمارا وہ کام ادھورا اور نامکمل رہ جاتا جو اجتماعات اور دارالمطالعوں کے ذریعہ ہوتا ہے لہٰذا اس کی طرف رفقاء کو زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

تعلیمی ادارے

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کام کی طرف خاصی توجہ دی جاتی ہے۔ ہوسٹلوں میں جو رفقاء ہیں ان کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کے لئے اجتماعی مطالعہ وغیرہ کے ذرائع کو کام میں لایا جاتا ہے۔ ان کارکن رفقاء کے ذریعہ ہوسٹلوں کے طلباء میں انفرادی ملاقاتوں، لٹریچر اور جماعتی اخبارات ورسائل کی اشاعت کے علاوہ جہاں ممکن ہوتا ہے ہوسٹل میں ہفتہ واری اجتماع کرنے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح جو طلباء متاثر ہوتے ہیں، ان کو پھر ایک جگہ جمع کرنے اور ان کا مشترک اجتماع کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ادبیات سے ذوق رکھنے والے طلباء میں خصوصاً اور عام طلباء میں عموماً اسلامی ادب اور اس سلسلہ کے لٹریچر، رسالوں اور اجتماعات سے بھی پورا پورا کام لیا جاتا ہے، کوشش کی جاتی ہے کہ باہر سے اچھے کارکن رفقاء ایسے مقامات پر گاہے گاہے پہنچتے رہا کریں۔ علی گڑھ، دہلی، الہ آباد، میرٹھ، رانچی، پٹنہ

اور حیدرآباد کے اہم تعلیمی اداروں میں اس نہج سے کام کرنے کی کوششیں کافی نتیجہ خیز ثابت ہوئی ہیں۔

علوم جدیدہ کی درسگاہوں کے علاوہ دینی تعلیمی اداروں میں بھی کام کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔ الاصلاح اور ندوۃ العلماء کے علاوہ ہندوستان کے دیگر اہمیت رکھنے والے اداروں میں کام کی صورتیں پیدا ہورہی ہیں۔ گو موانع اور مشکلات بعض غلط فہمیوں اور دوسرے عوامل کی وجہ سے کافی ہیں۔ لیکن اب ہمیں ان اداروں میں بھی کارکن ملنے لگے ہیں۔ اور آئندہ ہمیں کافی توقعات ہیں

دوسرے شہروں میں بھی دینی اداروں میں دعوت کے نفوذ کی کوشش برابر جاری ہے اور وہاں کے طلبہ اور اساتذہ میں ہم سے اتفاق کرنے اور عملی تعاون کے لئے آگے بڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔

مکاتب اور چھوٹے تعلیمی ادارے

اس سلسلہ میں ہمارے پیش نظر یہ چیز اہمیت کے ساتھ رہی ہے کہ مسلمان بچوں کی دینی ابتدائی تعلیم خصوصاً اور مسلمان لڑکوں کی دینی تعلیم عموماً پورے معاشرے میں رواج پاجائے۔ اس مقصد کے لئے ہماری اپنی قائم کی ہوئی درسگاہیں اور مکاتب تو بہت کم ہیں لیکن مندرجہ ذیل صورتوں سے اسی مقصد کے حصول کی کوشش کی جارہی ہے۔

الف: مکاتب کے مہتمموں اور ذمہ دار اصحاب سے روابط پیدا کرکے ان کو اپنے تعلیمی نقطۂ نظر سے روشناس کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس سلسلہ میں

بالمشافہ گفتگوؤں اور مراسلت دونوں طریقوں سے کام لیا جاتا ہے۔

ب :۔ اساتذہ سے روابط پیدا کر کے ان کو بھی اپنے تعلیمی نقطۂ نظر سے روشناس اور متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ج :۔ اسی طرح اپنے نصاب تعلیم اور درسیات کو جاری کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگرچہ صحیح طور سے ہم تھوڑے ہی عرصے سے اس طرف متوجہ ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی ہر حلقے میں ایسے مدارس کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہماری ان کوششوں سے بعض مدارس کا پورا پورا نظم ہمارے حوالے کر دیا گیا ہے۔ بعض مدارس کے ناظمین اور اساتذہ ہمارے رفقاء اور ہمدرد حضرات ہیں جو ہماری تعلیمی پالیسی کو اپنے متعلقہ مدارس میں نافذ کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ بعض مکاتب نے ہم سے قابلِ اعتماد اور تربیت یافتہ اساتذہ کی فرمائش کی ہے جو ہمارے نظریۂ تعلیم کے حامل ہوں۔ اب تک کل ۴۰ نئے مکاتب کا اجراء عمل میں آیا ہے اور ۳۲ پرانے مکاتب سے تعاون کیا جا رہا ہے۔

تعلیم بالغان

گو شہروں میں ہمارے پاس کافی کارکن ہوتے ہیں اور مزدوروں اور بے پڑھے لکھے طبقے میں کام کرنے کا دور رس اور موثر طریقہ بھی یہی ہو سکتا ہے کہ تعلیم بالغان کا کام زیادہ آسانی اور حسن و خوبی کے ساتھ کیا جائے لیکن ہمارے رفقاء کی اس طرف توجہ بہت کم رہی ہے جن مقامات پر کام کیا گیا ہے وہاں نتائج اچھے برآمد

ہوئے ہیں۔ مثلاً مالیر کوٹلہ، لکھنؤ، الہ آباد، حیدرآباد اور کوئمبتور، تعلیم بالغان سے فائدہ اٹھانے والوں کی مجموعی تعداد پانچسو کے قریب ہے۔

خواتین

ہمارے رفقاء انفرادی طور پر متعلقہ خواتین کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اور پڑھی لکھی خواتین آسان لٹریچر اور الحسنات و فردوس وغیرہ سے بھی کام لیتی ہیں۔ اکثر مقامات پر خواتین کے اجتماعات بھی کئے جاتے ہیں۔ بعض جگہوں پر یہ اجتماعات ہفتہ وار اور بعض جگہوں پر ماہ میں دوبار اور بعض جگہ ماہانہ ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات میں درس قرآن اور لٹریچر وغیرہ کے ذریعہ سے کام لیا جاتا ہے۔ عام دعوت کے علاوہ انھیں خصوصیت کے ساتھ معاشرتی امور سے متعلق اسلامی طور طریقے بتائے جاتے ہیں اور تاریخ و سیرت سے ایسے نمونے اور کردار بھی پیش کئے جاتے رہتے ہیں جو ان کے لئے راہ نما بن سکیں۔

ضرورت ہے کہ خواتین کی تعلیم و تربیت کے انتظامات جہاں کہیں بھی ہوسکیں کئے جائیں، اور ان کے پروگرام میں ان کی زندگی سے متعلقہ امور مثلاً امورخانہ داری، بچوں کی پرورش وغیرہ میں ان کی تربیت کا خاص خیال رکھا جائے۔ رام پور، بھوپال، دہلی، حیدرآباد، الہ آباد، دربھنگہ، چنپور (بہار) میں نسبتاً زیادہ کوششیں کی گئی ہیں۔

محنت پیشہ عوام اور ان کی انجمنیں

محنت پیشہ عوام اور ان کی انجمنوں میں کام کرنے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کافی مقامات پر جہاں اس قسم کے مواقع حاصل تھے اور ہمارے کارکن

موجود تھے انھوں نے اس سلسلہ میں کوشش کی ہے۔ کارخانے میں آمدورفت کے ذریعہ پہلے کچھ مزدوروں اور کلرکوں سے روابط بڑھائے گئے اور وہ دھیرے دھیرے متاثر ہوئے پھر وہ خود کام کرنے لگے، اور کام آگے بڑھنے لگا۔ پہلے مزدور پورے کے پورے کمیونزم یا سوشلزم سے مرعوب تھے۔ اب جہاں ہماری دعوت پہنچ رہی ہے ان کا ذہن صاف ہو رہا ہے اور اچھی خاصی تعداد ہماری دعوت سے متاثر ہو چلی ہے جن مقامات پر مزدوروں میں تعلیم بالغان کا کام کیا گیا ہے، وہاں نتائج اور بھی اچھے رہے ہیں۔ عموماً اس حلقہ میں لٹریچر کی بہ نسبت تبادلہ خیالات اور تقریروں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔

رضا ٹیکسٹائل رامپور میں کچھ کام شروع کیا گیا تھا۔ نتیجۃً چھ افراد قریب ہو گئے جن میں سے اب تین حضرات جماعت کے رکن ہیں اور تین ہمدرد۔ ان کے علاوہ کچھ متاثرین بھی ہیں۔ بھوپال میں بھی مزدوروں میں کام کی ابتدا کر دی گئی ہے۔ نتیجہ میں ہمارے ایک کارکن پیدا ہو گئے ہیں اور تین چار افراد متاثر ہیں گذشتہ ایک سال سے حیدرآباد میں کپڑے کے بڑے کارخانہ میں حلقہ ہمدردان قائم ہے۔ اس کارخانے کے منیجر اور کئی مزدور متاثر ہیں۔ ہفتہ وار ماہوار اور ششماہی اجتماع میں شرکت کرتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ کوئلہ کی کان کے مزدوروں میں بھی دعوت کا کام ہو رہا ہے۔ یہاں ایک امیدوار کنیت اور تین ہمدرد ہیں۔

اس کے علاوہ کیرلہ، ٹونک اور جمشید پور میں بھی کام ہو رہا ہے۔ لکھنؤ میں دس مزدوروں کو تعلیم بالغان کے ذریعہ قریب لایا جا رہا ہے۔ مسلمانوں

کی مذہبی، تمدنی اور معاشرتی انجمنوں اور اداروں سے ربط وضبط بڑھانے اور ان کے اندر اپنی دعوت کے نفوذ کے مواقع پیدا کرنے کے سلسلہ میں ہمارے رفقاء نے زیادہ توجہ نہیں کی ہے۔ حالانکہ یہ کام اہم اور نتائج کے اعتبار سے دور رس ہے۔

دیہاتی مسلمانوں میں دعوت و اصلاح کے طریقے

دیہاتوں میں دعوت پیش کرنے سے پہلے ان کا پورا جائزہ لیا جاتا ہے، اور پھر کارکنوں کی تعداد و استعداد کے لحاظ سے مناسب افراد منتخب کئے جاتے ہیں ان افراد سے روابط بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دیہاتوں میں عام طور پر برادریوں کا نظام چلتا ہے چنانچہ دیہات کی مسلمان آبادیاں مختلف پیشوں کے تحت منقسم ہوتی ہیں، برادریوں کے ذی اثر اور سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد میں سے ایک فرد کی بھی اصلاح اگر ہو جائے تو پوری برادری کی اصلاح کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کی ہمنوائی کے بغیر برادری کے عام افراد میں دعوت کی قبولیت کے امکانات کم رہتے ہیں۔ جہاں جہاں برادریوں کی صحیح اہمیت پہچان کر کام کی ابتدا کی گئی ہے وہاں کافی اچھے نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے۔ حلقہ دہلی میں ضلع میرٹھ اور ضلع مظفر نگر و سہارن پور میں اسی طرح پر کام شروع کیا گیا ہے۔

دیہات میں چونکہ تعلیمی معیار بہت پست ہوتا ہے اور ہمارے لٹریچر کے سمجھنے کی صلاحیت ان آبادیوں میں سے بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے۔ لہذا

وہاں کام کے ذرائع میں انفرادی ملاقاتیں، گفتگوئیں اور تبادلۂ خیالات ہی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ آسان لٹریچر اور آسان جماعتی پرچے بھی مطالعہ کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ ان انفرادی ذرائع کے علاوہ خطاب عام اور درس قرآن سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ جہاں باقاعدہ جماعتیں موجود ہیں یا منفرد ارکان ہیں یا حلقۂ ہمدرداں قائم ہیں وہاں ہفتہ وار اجتماعات ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات کے علاوہ جمعہ کے موقع پر یا اور مناسب اوقات میں مساجد میں خطبات اور آسان کتابیں پڑھ کر سنائی اور سمجھائی جاتی ہیں۔

مکاتب اطفال کے سلسلہ میں شہروں میں جس نہج پر کوششیں کی جارہی ہیں۔ اسی نوعیت کی کوششیں دیہاتوں میں بھی کی جارہی ہیں۔ حلقہ بہار میں کئی دیہاتوں میں اور ٹونک دہلی کے حلقوں اور بعض دوسرے مقامات پر بھی یہ کام کامیابی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اس کے ذریعہ نہ صرف ہمیں نئی نسلوں کی صحیح تربیت کا موقع مل رہا ہے بلکہ پورے کے پورے گاؤں کی فضا ہمارے حق میں ہموار ہوتی جاتی ہے۔

دیہات میں خواتین میں کام کی طرف ابھی ٹھکانے سے توجہ نہیں کی گئی صرف حلقۂ دہلی اور بہار کے بعض مقامات پر کام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

دیہات کے ناخواندہ افراد میں ٹھکانے سے کام کرنے کے لئے اور ان کے اندر سے اچھے کارکن پیدا کرنے کے لئے ہم تعلیم بالغان پر کافی زور دیتے رہے ہیں۔ یہ طریقہ اس حلقہ میں کام کرنے کے لئے موزوں ترین طریقہ ہے لیکن اس طرف

بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ ضلع میرٹھ اور بلند شہر میں بعض مقامات پر اس کا تجربہ کیا گیا اور بعض دیہاتوں میں اس کام کے نتائج اچھے برآمد ہوئے ہیں۔ اگر ہم تعلیم بالغان کا کام بڑے پیمانہ پر کریں تو ہمارا یہ کام وسعت اختیار کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں حالیہ **مجلس شوریٰ** نے پھر اسی بات پر زور دیا ہے کہ:۔

(۱) موجودہ حالات میں ضروری ہے کہ خواص کے ساتھ عوام سے بھی زیادہ سے زیادہ ربط قائم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ ان کو دین کے قیام میں حصہ لینے کے لئے تیار کیا جا سکے۔

(۲) اب تک جو تدبیریں مثلاً تعلیم بالغان، اجرائے مکاتب وغیرہ اختیار کی جاتی رہی ہیں ان کے ماسوا بشکل وفود عوام تک پہنچنے اور ان سے گہرے شخصی روابط پیدا کرنے کے ذرائع فراہم کئے جائیں۔

(۳) ان سے ذاتی میل و محبت پیدا کی جائے اور ان کی مشکلات میں ان کی عملی ہمدردی کی جائے۔

(۴) دین کی بنیادی باتوں سے انھیں زبانی یا بذریعہ آسان لٹریچر واقف کیا جائے۔

(۵) اسلام کی صحیح تعبیر ان کے سامنے پیش کی جائے جس سے دین و دنیا کی تفریق کا تصور مٹ سکے اور وہ معاملات و اخلاق کو دین کا جزو سمجھنے لگیں۔

(۶) وفود کے لئے سب سے پہلے کوئی خاص مقام تجویز کیا جائے اور وہاں اتنے وقت تک قیام کیا جائے یا اتنی دفعہ جایا جائے کہ

یا تو مذکورہ مقصد حاصل ہو جائے یا خدانخواستہ اس کی طرف

سے بالکلیہ مایوسی ہو جائے۔

(۷) دوروں میں جزوی اختلافی باتوں سے کسی طرح تعرض نہ کیا

جائے اور اگر اس کے مواقع پیش آجائیں تو ان سے حکمت کے

ساتھ درگذر کیا جائے۔"

ہم اپنے رفقا سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان ہدایات پر پوری توجہ

دیں گے۔

اصل میں ہمارا مقصود عوام و خواص دونوں تک پہنچنے کا ہے۔ یہ صحیح ہے

کہ ہم عام طور سے پہلے پہل خواص ہی کو دعوت کی طرف مخاطب کرتے ہیں، کیونکہ

اول تو خواص ان باتوں کو عوام کی بہ نسبت زیادہ سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ عوام اکثر و بیشتر معاملات میں خواص ہی کی پیروی کیا کرتے

ہیں، اس لئے اگر ذہین، سمجھدار اور پڑھا لکھا طبقہ دعوت کو سمجھ کر اپنا لے تو نہ

صرف یہ کہ عوام ان خواص کو دیکھ کر خود اپنے طرز زندگی کو بدلنے کے لئے تیار

ہو جائیں گے بلکہ ہمارے پاس عوام کی صحیح رہنمائی اور دینی طرز پر تربیت کرنے

والا ایک گروہ بھی تیار ہو جائے گا۔ چنانچہ ہمارے پروگرام کی تیسری شق یہی ہے کہ

ملک کی ذہنی طاقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ اپنی اس دعوت کے لئے فراہم کریں

اور اس سے باقاعدگی سے کام لیں۔

ذہین طبقہ کو منظم کرنے کی کوشش

اس سلسلہ میں بھی سب سے پہلا کام اپنے حلقہ کار کا اسی نقطہ نظر سے جائزہ

بننا اور اس کے بعد ایک سوچی سمجھی تدریج کے ساتھ کام کو آگے بڑھانا ہے، جو ذہنی طاقت ہمارے پاس موجود ہے اس کو دماغی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے مزید ذہنی طاقت فراہم کرنے اور مزید ذہین اور ذی صلاحیت لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن مقامات پر اس قسم کے کارکن میسر ہوں وہاں مختلف شعبے اور حلقہ ہائے کار بھی قائم کئے جاتے ہیں۔

لٹریچر اس سلسلہ میں سب سے موثر عامل وہ ٹھوس اور سنجیدہ لٹریچر ہے جو تحریک اسلامی نے تیار کیا ہے اور جو ملک کی مختلف زبانوں یعنی اردو، ہندی، انگریزی، بنگلہ، ملیالم، ٹامل، مرہٹی، کنڑی اور گجراتی زبانوں میں ہے مکتبہ جماعت سے اب تک کے لٹریچر کی اشاعت کے علاوہ جدید لٹریچر بھی تیار کرنے کی طرف توجہ کی گئی۔

صحافتی کام اخبارات در سائل اور دوسری صحافتی سرگرمیاں اس سلسلہ میں موثر ثابت ہوئی ہیں۔ خود مرکز سے رسالہ "زندگی" شائع کیا جاتا ہے۔ الہ آباد سے سہ روزہ "الانصاف" شائع ہوتا ہے، حیدرآباد سے "حیات نو" شائع ہوتا ہے جنوبی ہند سے من شکتی اور ارل جودی دو رسالے نکلتے تھے جو صوبائی زبان میں دعوت پیش کرتے تھے۔ اب من شکتی تو بند ہو گیا ہے لیکن ارل جودی اس کی کمی کو پورا کر رہا ہے۔ ارل جوذی اب لنکا (سیلون) سے شائع ہو رہا ہے اور الحمد للہ وہاں کافی ترقی کر رہا ہے۔ یہ ماہانہ رسالہ ٹامل زبان میں شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ "سندیش" کنڑی زبان میں نکلتا رہا۔ لیکن یہ پرچہ بھی اَب نہیں شائع ہو رہا ہے۔ ایک ماہنامہ پربودھنم (دعوت) ملیالم

زبان میں نکل رہا ہے جو کافی مقبول ہے۔ کچھ عرصہ تک ایک انگریزی پندرہ روزہ جریدہ Message بھی شائع ہوتا رہا۔ لیکن بعض وجوہ سے یہ کامیاب نہ ہو سکا۔ انگریزی زبان میں اپنے خیالات کو پیش کرنے کے لئے ایک جریدہ کا اجراء اب بھی پیش نظر ہے۔

ان اخبارات وجرائد کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ مختلف موضوعات کے تحت دعوت پیش کر کے اور تازہ بتازہ اسلامی مسائل پر اسلامی نقطہ نظر سامنے لا کر ملک کے ذہین اور اہل فکر طبقہ پر اثر انداز ہونیکی کامیاب کوشش کی جارہی ہے بلکہ اس سے لکھنے والوں اور سوچنے والونکی مزید تربیت بھی ہوتی رہتی ہے (زندگی کے علاوہ باقی پرچوں کا تعلق براہ راست جماعت سے نہیں ہے ہمارے رفقاء بطور خود ان کو نکال رہے ہیں)

ادبی کام

ادب بھی اس سلسلہ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں جہاں ہمارے ذی صلاحیت رفقاء ہیں وہ ادبی کام بھی کر رہے ہیں خصوصاً حلقہ دہلی، حیدرآباد، الہ آباد، بہار اور بھوپال میں ادبی کام زیادہ اچھی طرح ہو رہا ہے۔ دہلی سے ایک رسالہ "معیار" ہمارے رفقاء نے حال ہی میں نکالنا شروع کیا ہے جس کے ذریعہ امید ہے کہ ملک کے ذہین طبقے خصوصاً تعلیم یافتہ حضرات اور طلبہ میں سے کافی لوگ ہماری طرف مائل ہو جائیں گے۔

جو ذہنی طاقت ہم اب تک فراہم کر سکے ہیں اس کی تیاری اور تربیت کے لئے بھی، ادبی کام بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ ان کی صلاحیتیں تیزی سے نشو ونما پا رہی ہیں۔

انگریزی میں کام

بعض مقامات پر مثلاً الہ آباد اور کسی درجہ میں علی گڈھ میں کام کی بنیاد ڈالنے کے لئے انگریزی حلقۂ ادب بھی قائم کیا گیا ہے اور اس ذریعہ سے بھی نہ صرف یہ کہ انگریزی میں کچھ کام شروع ہو گیا ہے بلکہ رفقاء کی اس کام کے لئے تربیت بھی ہو رہی ہے الہ آباد اور حیدرآباد میں انگریزی اور اُردو میں خطاب اور مذاکرات کے لئے مخصوص نشستیں کی گئی ہیں۔

اسٹڈی سرکل

معاشیات کے طلباء میں فکری اور ذہنی تحریک پیدا کرنے اور اسلامی نقطہ نظر سے غور و فکر کا آغاز کرنے کے لئے ایک اسٹڈی سرکل قائم کیا گیا ہے جو اپنا ایک ماہانہ بلیٹن شائع کرتا ہے اب تک اس بلیٹن کی چھ اشاعتیں سامنے آ چکی ہیں اور اس ذریعہ سے اونچے درجے کے طلبا میں آئندہ زیادہ اچھی طرح ذہنی و فکری کام کی تربیت ہونے اور مزید طلبا کے اس طرف توجہ ہونے کی توقع ہے۔ بعض جگہوں پر طلبہ میں کام کرنے کیلئے الگ سے تنظیمیں بھی کی گئی تھیں۔ ان تنظیموں کے ذریعہ طلبہ میں کام کے زیادہ مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔

اساتذہ

جہاں جہاں بھی کام اچھے پیمانہ پر ہو رہا ہے اچھے تعلیم یافتہ اساتذہ کو متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ علی گڑھ میں اس طرف توجہ کی گئی اور دو تین اساتذہ ہم سے قریب آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور مقامات پر بھی بعض اساتذہ ہمارے ساتھ ہو رہے ہیں۔ طلبہ عام تعلیم یافتہ لوگوں اور اساتذہ کے علاوہ دوسرے ذہین طبقوں مثلاً وکلاء وغیرہ میں بھی کام کرنے کی کوشش کی گئی۔ خاص طور سے مدیران جرائد سے مل کر اخبار نویسی کے

موجودہ رجحانات کو بدلنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ بھارت کے اہل قلم انگریزی، اردو، ہندی اور ملک کی دوسری زبانوں میں اخبارات جاری کر کے اسلامی خیالات کی اشاعت کریں۔ کیونکہ اسلامی فکر کی اشاعت کے لئے ہمیں تمام زبانوں سے کام لینا ہے۔ چنانچہ ہمارے پروگرام کا چوتھا جزو یہ ہے کہ ہمارے سب کارکن بھارت کی ان مقامی زبانوں کو سیکھیں اور ان میں تحریر و تقریر کی قابلیت بہم پہنچائیں جو اب تعلیم اور لٹریچر کی زبانیں بن گئی ہیں۔

مختلف زبانوں میں دعوت کی اشاعت

ہندوستان کے مختلف علاقوں کی زبانوں کو سیکھنے، ان میں مہارت پیدا کرنے، اور اسی طرح ان زبانوں میں دعوتی لٹریچر فراہم کرنے کا کام بھی بہت اہم ہے۔ اس سلسلہ میں رفقاء کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ وہ ہندی اور دوسری مقامی زبانوں میں جلد از جلد واقفیت بہم پہنچائیں۔ اور جو لوگ زبان سے واقف ہوں وہ مہارت پیدا کریں۔ دوسری زبانوں میں لٹریچر کے منتقل کرنے اور دعوت کی اشاعت کے لئے رسالے جاری کرنے کا کام بھی کسی حد تک ہو سکا ہے۔ بہار میں بنگلہ زبان میں ترجمہ کا کام شروع کیا گیا تھا۔ اور اسلام کا نظام حیات حقیقت ایمان اور حقیقت اسلام کا بنگلہ ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

رام پور سے معیاری ہندی میں ایک رسالہ "اُجالا" شائع کیا جا رہا تھا بعد میں اسے بند کر دیا گیا اور اب بچوں کے لئے آسان ہندی میں "اُجالا" شائع کیا جا رہا ہے جو مقبول ہو رہا ہے۔

حلقۂ دہلی میں رفقاء خاصی تعداد میں ہندی سیکھنے کی طرف متوجہ ہیں۔ ایک رفیق اتنی تیاری کر چکے ہیں کہ انھوں نے ترجمہ کا کام بھی شروع کر دیا ہے اور ایک کتاب کا ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ اس حلقہ میں ہندی سیکھنے سکھانے اور اس کے اندر کام کے لئے ایک الگ ناظم مقرر کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے مقامات پر ہندی میں ترجمہ کرنے نیز ہندی زبان کو سیکھنے کے سلسلہ میں انفرادی نیز اجتماعی طور پر کوششیں کی گئی ہیں۔

حیدرآباد میں تلنگی زبان میں تین پمفلٹوں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ جن میں سے ایک شائع ہو چکا ہے اور پانچ کا ترجمہ مرہٹی میں ہوا ہے۔ یہ کتابیں اچھی تعداد میں فروخت ہو رہی ہیں۔

مالابار میں ملیالم زبان میں اشاعت کا کام ایک عرصہ سے ہو رہا ہے اور اب تک چھ کتابوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ٹملستان میں ٹمل زبان کا دار الاشاعت قائم تھا۔ یہ دار الاشاعت پانچ کتابوں کا ترجمہ کر چکا ہے۔ اور ایک کتاب زیر طبع ہے۔

ہندی زبان میں بھی پانچ کتابوں کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

حضرات! یہ تھا ایک سرسری جائزہ اس کام کا جو ہم اپنے پروگرام کے مطابق کر چکے ہیں۔ ہماری مساعی میں جو خامیاں رہ گئی ہیں اور جن امور کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ ان میں سے اکثر کی طرف اوپر بھی اشارے کئے گئے ہیں لیکن چند امور رفقاء کے لئے خاص طور سے قابل توجہ ہیں کیونکہ وہ ہمارے کام کو آگے بڑھانے کے لئے ناگزیر ہیں۔

اس ملک میں دعوت اسلامی کی عام مقبولیت اور تحریک اسلامی کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ ہم اپنی سیرت و کردار سے اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ پیش کریں یہ نمونہ انفرادی بھی ہونا چاہیئے اور اجتماعی بھی۔ اس کے لئے رفقاء کو اپنا احتساب کرنا چاہیئے۔ بار بار اسلامی زندگی کے سلسلہ کی تفصیلی ہدایات ذہن میں تازہ کرنی چاہئیں اور ان سے تقابل کے بعد اپنی خامیوں کو دور کرنے کی فکر میں لگ جانا چاہیئے۔

رفقاء کو اپنی تربیت کے لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر سوچنا چاہیئے۔ مرکز کی طرف سے تربیت کا جو نظم ہے اس کا تذکرہ تو آگے آئے گا۔ لیکن مقامی ضلعی اور حلقہ واری طور پر بھی اس قسم کے انتظامات کرنے چاہئیں جو رفقاء کی تربیت میں ممد و معاون ہو سکیں۔

دعوت سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو صحیح طور پر روشناس کرانے کے لئے اس طرف توجہ کی ضرورت ہے کہ جہاں کہیں ممکن ہو محلوں، دیہاتوں، شہروں اور ضلعوں میں نمونے کے کام کئے جائیں۔ اس قسم کے نمونے کے کام کی جگہوں کا انتخاب اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد کیا جائے اور مناسب زمین اور اچھے کارکنوں کی موجودگی وغیرہ کے لحاظ کے بعد جو جگہ منتخب ہو اس پر توجہ سے کام کیا جائے۔ پھر ان نمونے کی جگہوں کے کام اور یہاں کے تجربات کو شہر، ضلعے یا حلقے اور ملک کے دوسرے رفقاء کی دعوتی اور تبلیغی تربیت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

شق ۲ سے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ شہروں میں انفرادی کام اور اجتماعات وغیرہ کے ذریعہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو بہتر طور پر کرنے کے ساتھ ہی

کچھ اور قابلِ توجہ باتیں بھی ہیں۔ شہروں میں جو معاشرتی اور تمدنی ادارے اصلاحی انجمنیں، یا اسی قسم کی دوسری تنظیمیں ہوتی ہیں۔ ان کے سربرآوردہ لوگوں سے روابط پیدا کرنے چاہئیں۔ اسی طرح بعض خاص برادری کی قسم کی انجمنیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اجتماعی روابط اور پھر ان کو قریب لانے کی مختلف شکلیں اختیار کرنے سے کام کافی آگے بڑھ سکتا ہے۔

دیہاتوں کے سلسلہ میں برادریوں اور اسی قسم کی گروہی اور نسلی تنظیموں کے افراد میں کام کا بہتر طریقہ ان کے سربرآوردہ حضرات سے روابط پیدا کرنا اور اس طور پر ان میں دعوت کے نفوذ کے مواقع پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

بیٹھکوں اور چوپالوں میں دوپہر اور رات کی نشستوں میں ایسی فضا رہتی ہے کہ لوگ کچھ باتیں اطمینان سے سنیں اور کچھ گفتگو ہوسکے۔ ایسے مواقع پر آسان لٹریچر پڑھ کر سنانے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج بہت اچھے نکلے ہیں اگر ہمارے کارکن حکمت کے ساتھ ان مواقع کو دعوت کے حق میں استعمال کریں تو دوررس نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

تعلیم بالغان کے سلسلہ میں بھی جتنی توجہ ہونی چاہیئے اتنی نہیں ہے۔ شہروں کی بے پڑھی لکھی آبادی میں عموماً اور دیہاتوں میں خصوصاً کام کا موثر ترین ذریعہ یہی ہوسکتا ہے۔ اس طرف بیش از بیش توجہ کی ضرورت ہے۔

غیر مسلموں میں جو کام کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ان میں اسلام اور پھر تحریکِ اسلامی

کا صحیح تعارف کرایا جائے اور اس سلسلہ میں ان کی غلط فہمیوں اور بدگمانی کو دور کیا جائے۔

دوسرا اہم کام جس پر پہلے کا بھی انحصار ہے وہ غیر مسلموں کے سامنے اچھے سیرت و کردار اور بلند اخلاق کا نمونہ پیش کرنا ہے۔ یہ کام ہمارے اپنے رفقاء کی صحیح تربیت اور مسلمانوں کی عام اصلاح کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ ان کاموں کا پہلا قدم غیر مسلموں سے تعلقات اور روابط پیدا کرنا ہے، تبادلۂ خیال، گفتگوؤں اور ملاقاتوں کے ذریعہ ہی کام شروع کیا جاسکتا ہے۔ لٹریچر اور رسالوں سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔

شق نمبر ۱۲ کے سلسلہ میں عرض ہے کہ ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ سے وہ کارکن اور اہل فکر فراہم ہو سکتے ہیں جو ملک میں تحریک اسلامی کے کام کو اس کے حسب معیار آگے بڑھا سکیں اور بالآخر وہ ذہنی انقلاب برپا کرسکیں جو ہمارا مطلوب ہے۔

اس سلسلہ میں مدیران جرائد، وکلاء اور تعلیمی، فکری یا ادبی مجالس اور اداروں کے سربرآوردہ حضرات سے ربط ضبط بڑھانے اور ان کے سامنے دعوت پیش کرنا اس سلسلہ کا ایک اہم کام ہے جس کی طرف مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ میں کام کی مختلف صورتوں میں ان کے مخصوص اجتماعات، ادبی کام اور ہوسٹلوں میں اپنے کارکنوں کے ذریعہ اجتماعات، لٹریچر اور جرائد اور عام گفتگو اور تبادلہ خیالات کے ذریعہ کام کو تیزی سے آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اسٹڈی سرکلس اور مذاکراتی حلقے قائم

کر کے لٹریچر کے زیادہ گہرے مطالعے، باطل افکار پر کھل کر تبادلۂ خیالات اور اسی طرح کی دوسری گفتگوؤں کے ذریعہ طلبہ کے ذہن کو اسلام کے حق میں مطمئن کر دینے اور باطل افکار سے دور کر دینے کا کام بہت خوبی سے کیا جا سکتا ہے۔

اقامتی درس گاہوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دارالمطالعے زیادہ اچھے نظم کے ساتھ قائم ہونے چاہئیں۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ دارالمطالعے کے ساتھ ایسی جگہ بھی ہو جہاں طلبہ اپنے فرصت کے اوقات میں اٹھ بیٹھ سکیں اور وہاں تبادلۂ خیالات اور مذاکرات کی گنجائش نکل سکے۔ اس طرح جو طلبا ہماری طرف مائل ہوتے ہیں ان کو ایک بالکل علیحدہ ماحول فراہم کر کے ہم ان کو یونیورسٹی یا کالج یا ہوسٹل کے عام ماحول کے مضر اثرات سے بہت کافی حد تک بچا سکیں گے۔

جو مختلف تنظیمیں، ادبی کام، مخصوص مضامین، فکری کام اور دوسرے تخلیقی کاموں کے لئے بن رہی ہیں۔ ان کے تحت ہر مقامی جماعت کو اپنے افراد میں سے ذہین اور ذی صلاحیت افراد کو منتخب کر کے ان کی ذہنی وفکری تربیت کرنی چاہیئے تاکہ آئندہ ان سے زیادہ ٹھوس اور سنجیدہ کام لیا جا سکے۔ خط وکتابت اور دوسرے ذرائع سے ایسے طلبہ کا جو مختلف مقامات پر ہوں ایک دوسرے سے گہرا ربط وضبط قائم کرنا چاہیئے تاکہ ہمیں جو ذہنی سرمایہ میسر آ چکا ہے اس کو نشو نما اور ترشح وترقی کے پورے مواقع مل سکیں۔

نشرِ دعوت کے سلسلہ میں عرض کرنا ہے کہ مقامی زبانوں کے سیکھنے، ان کے اندر مہارت پیدا کرنے اور ان زبانوں میں کام کرنے کی اہمیت شاید

رفقاء نے پوری طرح محسوس نہیں کی ہے۔ یہاں صرف اس کی طرف توجہ دلانی ہے کہ مقامی زبانوں خصوصاً ہندی سیکھنے اور جو لوگ کچھ جانتے ہوں، ان کے مہارت پیدا کرنے کی طرف مقامی جماعتیں زیادہ توجہ کریں۔ جہاں ممکن ہو وہاں مقامی طور پر اس کا اجتماعی طور پر انتظام کیا جائے۔

ہمارے جو رفقاء ان زبانوں میں اتنی استعداد رکھتے ہوں کہ مزید محنت اور توجہ سے مہارت پیدا کر کے ہندی میں لکھنے یا ترجمہ کرنے کا کام آسانی سے کر سکیں ان کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ مقامی جماعتوں اور پھر حلقوں کے توسط سے ایسے افراد کا علم مع دوسری تفصیلات کے مرکز کو ہو جانا چاہیئے۔

ہندی جاننے والوں اور خصوصاً اہل قلم سے جو رفقاء روابط پیدا کر سکتے ہوں وہ ایسا ضرور کریں اور ان حضرات کو نہ صرف اپنی دعوت سے روشناس کرائیں بلکہ ان کے ذریعہ موجودہ ہندی پریس کے عام رجحانات وغیرہ سے بھی مطلع ہونے کی کوشش کریں۔ ایسا ہی دوسری مقامی زبانوں کے سلسلہ میں بھی کیا جائے۔

بنگال میں بنگلہ اور جنوبی ہند میں ملیالم، ٹامل، کنڑی، مرہٹی، اور دوسری زبانوں کا سیکھنا تو رفقاء کے لیے ضروری ہی ہے لیکن ان کے لئے یہ بھی اہم ہے کہ وہ اُردو زبان سیکھیں۔ ایسا کر کے ہی وہ اسلام اور تحریک اسلامی کے بارے میں اچھے اور وسیع لٹریچر کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور آگے اسی طرح وہ اُردو سے ترجمہ کا کام کر سکیں گے۔

اب ہم پروگرام کے چاروں نکات کے متعلق تفصیلی بحث کر چکے ہیں لیکن

اگرچہ ہم نے اپنے پروگرام کی ہر شق کے ذیل میں الگ الگ معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے تاہم یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ چاروں چیزیں اس طرح ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان میں آپس میں ایک دوسرے سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اس اسکیم کی افادیت جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جبکہ اس کو ایک وحدت سمجھتے ہوئے اپنایا جائے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا تو ان میں سے ایک کا ترک اور دوسری کا اختیار پوری اسکیم کو مہمل بنا سکتا ہے۔ اس لئے ہمارے رفقاء کو ان چیزوں کے باہمی ارتباط اور ان کی واقعی اہمیت کو قدم قدم پر ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ خود مرکز جماعت اسلامی ہند کا طرز عمل اس بارے میں یہ ہے کہ ہمیں بیک وقت ان سارے مقاصد کے لئے جدوجہد کرنی ہے۔

مرکزی کاموں کا جائزہ

حضرات! یہاں تک تو ہم نے ان کاموں کا ذکر کیا ہے جو ہمارے رفقاء بھارت میں مختلف مقامات پر کر رہے ہیں۔ اڑیسہ اور آسام کے صوبوں کے علاوہ خدا کے فضل سے ہماری آواز بھارت کے باقی تمام صوبوں میں پہنچ چکی ہے۔ تقسیم ہند کے وقت ہمارے ارکان کی تعداد ۲۷۰ تھی۔ اب خدا کے فضل سے ارکان اور ہمدردان وغیرہ کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

ارکان	۳۸۹	امید واران رکنیت	۱۶۵
ہمدردان	۱۰۹۵	متاثرین تقریباً	۴۰۰۰

ہیں اور متعارفین خدا کے فضل سے کافی تعداد میں موجود ہیں۔ ملک بھر میں جماعتوں کی تعداد ۶۶ ہے اور ۵۸ مقامات پر منفرد ارکان ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے مقامات پر حلقۂ ہمدردان بھی قائم ہیں۔ جو ہمارے مشوروں سے کام کرتے ہیں۔

سہولت کار کے لحاظ سے ہم نے ۱۹ قیمین مقرر کردیئے ہیں جو اپنے اپنے حلقہ کے نگراں ہیں۔ یہ حلقے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ الہ آباد	۲۔ بمبئی	۳۔ راجستان	۴۔ بھوپال
۵۔ بنارس	۶۔ بارہ بنکی	۷۔ لکھنؤ	۸۔ کانپور
۹۔ دھلی	۱۰ رام پور	۱۱۔ شاہجہانپور	۱۲۔ بہار
۱۳۔ کلکتہ	۱۴۔ دکن	۱۵۔ میسور	۱۶۔ کیرلہ (مالابار)
۱۷۔ ٹاملناڈ	۱۸۔ ارکاٹ	۱۹۔ مدراس و آندھرا۔	

موخرالذکر حلقہ کو اب توڑ دیا گیا ہے، اور ٹاملناڈ، ارکاٹ اور مدراس کو اب ایک ہی حلقہ بنانے کا خیال ہے، ان تمام حلقوں کی رپورٹیں، اس مرکزی رپورٹ کے بعد پڑھی جائیں گی جن سے آپ کو ملک کے مختلف حصوں کے کام کی تفصیلات کا علم ہوجائے گا۔ اب میں آپ کی خدمت میں مرکز کے مختلف شعبوں کے کام کے متعلق کچھ عرض کردوں گا۔

جب تک ہمارا مرکز ملیح آباد میں تھا اس وقت تک وہاں صرف مکتبہ اور ابتدائی

درس گاہ کا انتظام تھا لیکن مرکز کے رام پور منتقل ہو جانے کے بعد یہاں ثانوی تعلیم اور تربیت گاہ کے شعبوں کا اضافہ ہو گیا ہے اور مزید برآں رسالہ زندگی کی ادارت و ترتیب کا انتظام بھی مرکز کے تحت آ گیا ہے۔

مرکزی مکتبہ تقسیم ہند کے بعد جماعت اسلامی ہند نے جب اپنا علیحدہ نظم قائم کیا۔ اس وقت از سر نو مکتبہ کا آغاز بھی ملیح آباد ضلع لکھنؤ میں کیا گیا۔ مکتبہ کے آمد و خرچ کا رجسٹر ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء سے دست گرداں قرض سے کھلتا ہے۔ تقسیم ہند کے سلسلہ میں جو رقم جماعت اسلامی ہند کے حصہ میں آئی تھی اس سے کتابیں باقاعدہ آنا شروع ہوئیں۔ بعض رکاوٹوں اور بندشوں کے سبب سے کتابوں کے فراہم کرنے میں کافی زحمت ہوئی اور غیر معمولی اخراجات برداشت کرنا پڑے۔ ملیح آباد میں جگہ کی قلت، دیمک کی کثرت اور مکان کی سیلن بھی کافی پریشانی کا سبب بنی۔ لیکن بحمد اللہ ان تمام مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے مکتبہ اپنی زیست کے منازل طے کرتا رہا اور خدا کے فضل سے ترقی کرتا رہا۔

اکتوبر ۱۹۴۹ء میں مرکز کے ساتھ مکتبہ بھی ملیح آباد سے رام پور منتقل ہو کر آ گیا۔ پہلے ہم باہر سے کتابیں منگواتے تھے لیکن اس میں زحمتیں بھی تھیں اور تجارتی نقطہ نظر سے کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ اب ہم خود کتابیں چھپوانے کا انتظام کر رہے ہیں چنانچہ اس وقت تک ہم نے تقریباً ایک سو کتابیں طبع کرائی ہیں۔

جماعت کے قدیم لٹریچر کے علاوہ نئے لٹریچر کے طبع کرانے کا انتظام بھی ہو رہا ہے، اس سلسلہ میں بعض کتابیں زیر طبع ہیں، اور کچھ رفقاء بعض خاص عنوانات پر کتابیں لکھنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، جو انشاء اللہ مکتبہ کی طرف سے شائع ہو سکیں گی۔

درسیات کی کتابوں کا ایک سیٹ جو چھ کتابوں پر مشتمل ہے چھپ کر تیار ہو گیا ہے، ان کے ساتھ ساتھ اخلاقی کہانیوں کا چار کتابوں کا ایک سیٹ بھی طبع ہوا ہے۔ قرآن کے ہندی ترجمہ کی ترتیب بھی انشاء اللہ جلد شروع ہو جائے گی، ہندی میں سیرت کی کتابوں کی بڑی ضرورت تھی۔ سردست سیرت کی دو کتابوں کے ترجمے دوسرے اداروں سے منگوا کر رکھے گئے ہیں۔

دوسرے مکتبوں کی ایسی کتابیں جو ہمارے مقصد کے لئے مفید ہو سکتی ہیں ان کو، نیز قرآن پاک کے نسخوں کو منگوانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

ہماری کتابوں میں سے بھوپال میں "بناؤ بگاڑ" نامی پمفلٹ کو حکومت نے محض غلط فہمی کی بنا پر اوائل ۵۰ء میں ضبط کر لیا اور ابھی تک اس کے واگذاشت ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اسی طرح لکھنؤ میں "خطبات" نامی کتاب کی ایک ہزار کاپیوں کو محض غلط فہمی کی بنا پر پولیس اٹھا کر لے گئی اور ہمارے دو رفقاء کو نظر بند کر دیا۔ پھر انھیں ہماری ضمانت پر رہا کیا اور آخر میں گو ان لوگوں پر سے مقدمہ اٹھا لیا گیا تاہم ایک برس سے زائد عرصہ گذر چکا ہے لیکن ان کتابوں کے واگذاشت ہونے کی نوبت ابھی تک نہیں آئی ہے۔ بلکہ برابر تاریخیں پڑتی چلی جا رہی ہیں۔

ان واقعات کا ذکر ہم اپنی رپورٹ میں اس لئے کر رہے ہیں کہ ہمارے رفقاء کو ان معاملات کے متعلق صحیح حالات معلوم ہو جائیں۔

ابتدائی اور ثانوی درس گاہ

آج لادینی تعلیم کے مضر اثرات عام طور سے مسلم اور غیر مسلم بچوں میں نمایاں طور پر

محسوس کئے جا سکتے ہیں، کیونکہ جس تعلیم کی بنیاد اخلاق اور مذہب کی صحیح شکل پر نہ رکھی گئی ہو اس سے ذہن و فکر کا جو نشو نما ہوگا وہ خدا پرستی اور خدا ترسی سے خالی اور لادینیت اور مادیت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہوگا۔ اس لئے تعلیم کا مسئلہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے نقطۂ نگاہ سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن عام طور سے چونکہ غیر مسلمین اس مسئلہ پر اس طرح غور نہیں کرتے جس طرح ہم کرتے ہیں۔ اس لئے اپنی جد و جہد کو ہم محض مسلمانوں ہی تک محدود کئے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے ضمن میں ابتدائی تعلیم کا مسئلہ خاص طور سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ابتدائی تعلیم کا جو نصاب سرکاری مدارس میں رائج ہے وہ مسلمان بچوں کی اسلامیت کے لئے انتہائی تباہ کن ہے۔ لیکن مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کی وسعت اور ان کی غیر منظم اور انتشاری کیفیت کے باعث اس مسئلہ کا کوئی آسان حل تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ تعلیمی مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم ہر اس جماعت سے تعاون کرنے کے لئے تیار رہے ہیں۔ جس کا مقصد تعلیم اور طریق تعلیم بنیادی طور سے ہمارے مقصد اور طریقۂ کار کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ اس معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر مولانا ابو اللیث صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند اور مولانا محمد منظور صاحب مدیر الفرقان سے اس مسئلہ پر چند ماہ پیشتر تبادلۂ خیال کیا تھا اور ان تینوں حضرات نے اپنی انفرادی حیثیتوں میں اس بات سے اتفاق رائے کیا تھا کہ اس مقصد کے لئے جماعت اسلامی ہند جمعیۃ العلماء ہند اور تبلیغی جماعت کے اشتراک سے ایک مشترک بورڈ قائم

کیا جائے لیکن چونکہ جمعیۃ العلماء کی مجلس عاملہ نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا، اس لئے اس اہم مسئلہ کو جس طرح حل ہونا چاہیئے تھا وہ مقصد تو حاصل نہ ہو سکا البتہ اپنے طور پر اس سلسلہ میں جو کوششیں ہم کر رہے تھے ان میں استحکام اور وسعت پیدا کرنے کی طرف ہم اقدام کر رہے ہیں۔

اقامت دین کی جدوجہد میں جو حصہ آئندہ نسلوں کو لینا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی جائے کہ علمی، اخلاقی، ذہنی و اخلاقی، نیز جسمانی، غرض تمام حیثیتوں سے ان میں وہ ضروری انفرادی اور اجتماعی صلاحیتیں، اخلاق اور اوصاف پیدا ہو سکیں جو مذہب اور انسانوں اور اقامت دین کے کارکنوں کے لئے ناگزیر ہیں اور جن سے جوہر انسانیت اور جوہر اسلامیت کا ارتقا ہوتا ہے۔

اپنے اس مقصد کے تحت ایک درس گاہ کے قیام کی ضرورت تو تقسیم ہند سے بہت عرصہ پہلے ہی ہمیں محسوس ہو رہی تھی۔ مگر مختلف اسباب سے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی طرف اقدام نہ کیا جا سکا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ایسی درس گاہ کا بڑی شدت سے احساس کیا گیا اور بحمداللہ کہ یکم ربیع الاوّل ۶۸ھ کو جماعت اسلامی ہند مرکز میں ایک ابتدائی درس گاہ کا قیام عمل میں آیا۔ ہمارے ایک رفیق نے بھارت میں جماعت کے نظم جدید قائم ہونے کے وقت تعمیر مرکز کے لئے اپنی زمین کے ایک معتدبہ حصہ کے ساتھ ایک وسیع باغ اور جو تقریباً ۲۷ بیگھہ ہے ایک اقامتی درس گاہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ مرکز کے تحت اقامتی درس گاہ جس میں ابتداءً دو اساتذہ کی نگرانی میں ۲۱ طلبہ کی تعلیم و

تربیت کا چھٹے درجہ تک انتظام شروع کیا گیا تھا۔ محمود نگر واقعہ ملیح آباد کے اس باغ میں اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ مرکز ملیح آباد ضلع لکھنؤ میں قائم تھا، لیکن چونکہ مکانات کی قلت اور بعض دشواریوں کی وجہ سے ہمارا مرکز اکتوبر ۱۹۴۹ء میں ملیح آباد سے رام پور منتقل ہوگیا۔ اس لئے اسی کے ساتھ ساتھ مرکزی درسگاہ بھی رام پور منتقل کر دی گئی۔ رام پور میں مقامی جماعت کے تحت مرکزی درسگاہ کے نمونہ پر ایک ذیلی درس گاہ ایک ہمدرد جماعت کی عمارت میں جو انھوں نے درس گاہ کے استعمال کے لئے دے رکھی ہے۔ پہلے ہی سے قائم تھی۔ لہٰذا یہاں کی مقامی درس گاہ کو مرکزی درس گاہ میں ضم کر دیا گیا، اس طرح یہاں پانچویں درجہ کا اضافہ عمل میں آیا۔ یہاں طلبہ کی تعداد ۵۵، اور اساتذہ کی تعداد چار ہوگئی، نیز طلبہ کی نگرانی اور دیگر ضروریات کے لئے ۲ نگراں مقرر کئے گئے۔ اس وقت بھی موجودہ تعداد یہی ہے۔ البتہ اس سال سے چھٹے درجے کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور آئندہ سال ساتواں درجہ بھی کھول دیا جائے گا۔ اور ایک مزید استاد کا اضافہ انشاء اللہ کیا جا سکے گا تاکہ نئے درجے کے اضافہ کے ساتھ بعض نئے مضامین کی تعلیم کا انتظام ہو سکے۔ فی الحال اسلامی علوم یعنی قرآن حدیث، فقہ، اخلاق، معاشرت، تاریخ اسلام، سیر انبیاء، وصحابہ وصلحائے امت کے علاوہ عربی، اردو، ہندی، انگریزی زبانوں اور دیگر معلوماتی علوم مثلاً تاریخ ہند، جغرافیہ عالم، ریاضی، عام سائنس، آرٹ، کریفٹ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان مضامین میں ہمارے یہاں کا معیار سرکاری مدارس سے بلند ہے۔ ہم تعلیم کے جدید ترین طریقوں اور کھیل کود کے ذریعہ بہت سی باتیں

طلبہ کے ذہن نشین کر دیتے ہیں۔ جنھیں دوسرے مدارس میں پڑھا کر اور رٹا کر انھیں ہے دماغ میں ٹھونسا جاتا ہے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کو باغبانی، جلد سازی، نجاری، سلائی وغیرہ کاموں کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان تمام کاموں میں سب سے زیادہ اہمیت ہم طلبہ کی اخلاقی تربیت کو دیتے ہیں۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ سے اس صالح معاشرہ کا قیام ممکن ہے جو ہمارے پیش نظر ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے مرتب کردہ نصاب میں اخلاق فاضلہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ خدا کے فضل سے ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں ہمارا تیار کردہ نصاب ملک میں اتنا مقبول ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہماری درسی مطبوعات کا اسٹاک قریب الختم ہو گیا، اور ہمیں دوبارہ پرانی کتابوں کی اشاعت اور نئی کتابوں کی تدوین کا انتظام کرنا پڑا۔

اس وقت خدا کے فضل سے ہمارے یہاں اردو میں "قاعدہ" اور ہماری کتاب کے چھ حصے جو چھٹے درجہ تک کے لئے کافی ہیں، نیز سرسری مطالعہ کے لئے اخلاقی کہانیوں کے پانچ حصے تیار ہو چکے ہیں، نیز ہندی میں "ہماری پوتھی" کے ۳ حصے تیار ہو چکے ہیں اور چوتھا حصہ زیر طبع ہے۔ اسی سلسلہ میں چھٹی جماعت تک کے لئے نصاب بھی مکمل کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

ہمارا نصاب اور ہماری درسی کتب نہ صرف مرکزی درس گاہ کے لئے مفید ثابت ہوئی ہیں۔ بلکہ مقامی جماعتوں نے بھی ان کی ترویج و اشاعت میں کافی حصہ لیا ہے جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

تعلیم کے سلسلہ میں آئندہ ہمارے سامنے حسب ذیل کام ہیں :-

پہلے تو ہم مرکزی درسگاہ کی توسیع اور استحکام کی کوشش کرنا چاہتے ہیں، پھر دوسرے مقامات پر بھی اسی قسم کی درسگاہیں کھولنا چاہتے ہیں اور جہاں ہم خود ایسی درسگاہیں نہ کھول سکیں وہاں عام مسلمانوں میں دینی تعلیم کا احساس بیدار کر کے انھیں دینی درس گاہیں جاری کرنے کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں جن میں خواہ وہ ہمارے نصاب تعلیم کو رائج کریں یا مقامی ضروریات و حالات کے تحت اس میں ایسی تبدیلی کر لیں، جس سے تعلیم کے دینی پہلو کو کوئی نقصان نہ پہنچے ان کاموں میں ہم ہر ممکن اعانت کے لئے بھی تیار ہیں۔ حتیٰ کہ اساتذہ کی تربیت کا بندوبست بھی مرکزی درس گاہ میں ہمارے پیشِ نظر ہے۔

ثانوی تعلیم ابتدائی تعلیم کے علاوہ ہماری توجہات ثانوی تعلیم کی طرف بھی رہی ہیں۔ بھارت میں نظم جماعت قائم ہونے کے بعد ہی علی گڑھ یونیورسٹی اور دیگر مقامات کے چند جدید تعلیم یافتہ طلبہ نے ثانوی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنی تعلیم کا رُخ بدلنا چاہتے ہیں جب تک ہمارا مرکز ملیح آباد میں تھا وہاں اس قسم کی تعلیم کا انتظام ممکن نہ تھا لیکن مرکز کے رام پور منتقل ہونے کے بعد ربیع الاول ۶۸ھ میں ثانوی تعلیم کے کام کو بھی خدا کا نام لے کر شروع کر دیا گیا تاکہ اقامت دین کی جدوجہد کے سلسلہ میں اسلامی نظام کو پیش کرنے اور غیر اسلامی نظاموں پر ٹھوس تنقید کرنے کے لئے کچھ افراد تیار ہو جائیں، فی الحال پانچ ایسے طلبہ زیر تعلیم ہیں، جو ایک عالم دین رکن جماعت کی خدمات سے استفادہ کر رہے ہیں، عربی اور دینی

تعلیم کے شعبہ میں ایک اور استاد کی ضرورت محسوس کی گئی ہے اور تلاش جاری ہے۔ لیکن ہنوز کامیابی نہیں ہو سکی ہے۔ ثانوی تعلیم میں عربی کا نصاب فی الحال ۲ سال پر مشتمل ہے۔ لیکن علوم جدیدہ کے سلسلہ میں صرف معاشیات، تاریخ اور عمرانیات کا مطالعہ طلبہ بغیر کسی استاد کی مدد کے کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ ثانوی تعلیم کی اس گروپ کی تیاری سے تحریک اسلامی کو انشاء اللہ اچھے کارکن فراہم ہو جائیں گے۔

تربیت گاہ

جس طرح ہر کام کے لئے علمی اور عملی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اقامت دین کے سلسلہ میں بھی ایسی علمی اور عملی تیاری اور تربیت کی ضرورت ہے جس سے کارکنان تحریک کو اقامت دین کے مقصد اور اس کے حصول کے سلسلہ میں ضروری معلومات حاصل ہو سکیں اور یہ معلومات محض معلومات کی خاطر نہ حاصل کی جائیں بلکہ اس تعلیم کے مطابق کارکنان تحریک اپنے عمل کا جائزہ لے کر اپنا احتساب کریں کہ خدا نے تعالیٰ جس عمل کو محبوب رکھتا ہے اس کے وہ کس حد تک پابند ہیں اور جس عمل سے خدائے تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اس سے کہاں تک وہ بچ رہے ہیں، اور مختلف مواقع پر اور مختلف حالات میں ان کا طرز عمل کیا اور کیسا ہونا چاہیے۔

حضرات! یہ ہے ہمارا تصور علمی اور عملی تربیت کے متعلق لیکن بعض وہ لوگ جو ہمارے مقصد اور نصب العین نیز طریقۂ کار سے واقف نہیں ہیں، اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی کا تربیتی کورس فوجی ٹریننگ کی طرح کی کوئی چیز ہے لیکن جن لوگوں نے رسالہ "زندگی" میں امیر جماعت

کی اس تقریر کا مطالعہ کیا ہے جو موصوف نے تربیت گاہ کے افتتاح کے موقع پر کی تھی۔ وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ تربیت سے ہمارا مقصد تزکیہ نفس تہذیب اخلاق اور اصلاح اعمال کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

تربیت کی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر تشکیل جماعت کے وقت ہی سے ہماری یہ خواہش تھی کہ اس کام کو مرکز کی نگرانی میں باقاعدہ شروع کر دیا جائے لیکن جب تک ہمارا مرکز ملیح آباد میں رہا ہم اس کام کو عمارت کی قلت اور دوسری مشکلات کی وجہ سے شروع نہیں کر سکے تھے، البتہ تربیت کی اس کمی کو کسی نہ کسی طرح پورا کرنے کے لئے بعض دوسرے ذرائع سے ہم مدد لیتے رہے۔ ہم نے یہ محسوس کیا تھا کہ قیمین کو اپنے حلقوں میں بار بار دورے کرنے اور ارکان و ہمدردان حلقہ سے شخصی ارتباط اور تعلق قائم کرنے کی شدید ضرورت ہے اور اسی ضرورت کی بنا پر ارکان و ہمدردان کی تربیت کا اہتمام بھی خصوصی طور سے قیمین حضرات کے فرائض میں داخل کر دیا گیا تھا، تاکہ وہ اس کے ضمن میں مناسب صورتیں اختیار کریں۔

پھر ہمارا یہ خیال بھی تھا کہ جس حد تک ممکن ہو ارکان کو ایک ایک، دو دو کر کے وقتاً فوقتاً مرکز میں بلاتے رہیں اور ان کو تربیت کا موقع دیں لیکن بعض موانع کی بنا پر کوئی قابل ذکر کام اس سلسلہ میں اس طرح بھی نہ ہو سکا البتہ حیدر آباد، دہلی اور بعض دوسرے مقامات پر ذیلی تربیت گاہوں کا انتظام کیا گیا تھا جن سے ہمارے وہاں کے رفقاء نے کچھ فائدہ اٹھایا لیکن چونکہ وسیع پیمانہ پر انتظام کئے بغیر تربیت کا وہ مقصد حاصل نہ ہو سکتا تھا جو ہمارے

پیش نظر تھا، اس لئے خدا کا نام لے کر ذوقعدہ ۱۳۶۹ھ کو تربیت کے کام کو مرکز کے زیر اہتمام رامپور میں شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ اب تک ۵۱ رفقاء مرکزی تربیت گاہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن دور دراز کے رفقاء کو مرکزی تربیت گاہ سے استفادہ کرنے میں عملی دشواریاں پیش آ رہی ہیں تربیت کا حقیقی فائدہ تو اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ تربیت گاہ مرکز ہی میں ہو لیکن جو رفقاء باوجود ممکن کوشش کے مرکزی تربیت گاہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ان کی سہولت کے لئے مقامی، نیز گشتی تربیت گاہوں کے کھولنے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ رفقاء کی ایک حد تک تربیت ہو سکے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ قیمین حضرات کی مخصوص تربیت کی جائے نیز ان حضرات کی تربیت کو مقدم سمجھا جائے جو اپنے مقامات پر جا کر دوسروں کو تربیت دے سکیں۔ یہ تمام کام آہستہ آہستہ ہی ہو سکیں گے۔ لیکن امید ہے کہ انشاء اللہ اس طرح تربیت کا کام زیادہ بہتر اور موثر طور پر ہو سکے گا۔ اور رفقا کی بڑی تعداد اس طرح فائدہ حاصل کر سکے گی۔

مالیات

حضرات! جو لوگ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں پیش کر دیتے ہیں وہ اپنی دوسری قوتوں کے ساتھ ہی اپنے مال کو بھی اس کی راہ میں خرچ کرنا عین سعادت سمجھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ جذبہ کارفرما ہو تو دولت کے ڈھیر بھی کارآمد نہیں بنائے جا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں نہ تو کسی چندے کی اپیل کی گنجائش ہے اور نہ ہم ان حضرات سے کوئی اعانت قبول کرتے ہیں جو ہمارے مقصد کا شعور نہیں رکھتے۔ کیونکہ جب تک انفاق فی سبیل اللہ کی ضرورت اور اہمیت کا احساس لوگوں کے دلوں میں موجود نہ ہو اس وقت تک مالی امداد خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

بیت المال کی آمدنی کے ذرائع

تقسیم ہند کے نتیجہ میں چونکہ بھارت اور پاکستان کی جماعتیں الگ الگ ہوگئیں اس لئے متحدہ ہندوستان کی پرانی جماعت کی تمام املاک بھی ان دونوں نئی جماعتوں میں تقسیم ہوگئیں۔ چنانچہ جماعت اسلامی ہند کو کچھ رقم نقد اور کچھ کتابوں کی شکل میں ملی تھی۔ اس کے بعد ہماری آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ جماعت کا مکتبہ ہو سکتا تھا لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے گوناگوں مجبوریوں کی وجہ سے ایک عرصہ تک ہم حسب ضرورت کتابوں کی طباعت کا انتظام نہ کر سکے۔ اس سے ہمارے بیت المال پر خاصہ اثر پڑا، مگر اب خدا کے فضل سے یہ رکاوٹ ایک حد تک دور ہوگئی ہے اور مکتبہ کو اپنا کام کرنے میں نسبتاً سہولت ہوگئی ہے اس کے علاوہ بعض رفقاء کی طرف سے بھی براہ راست اعانت کی رقوم آتی رہتی ہیں نیز حلقوں کے بیت المالوں سے بھی بعض رقوم منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے تو مقامی بیت المالوں کی آمدنی کا صرف ۲۵٪ حصہ حلقوں کے بیت المالوں میں منتقل ہوتا تھا لیکن اب حلقوں کی مختلف ضرورتوں کے پیش نظر مقامی بیت المالوں کی کل آمدنی کا ۴/۱ حصہ ہر مہینے حلقہ جات کے بیت المالوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ ہر سہ ماہی پر مقامی بیت المال کی ضرورت سے زائد بچی ہوئی رقوم حلقہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جایا کریں، یہ رقوم اعانت اور زکوٰۃ پر مشتمل ہوتی ہیں۔

زکوٰۃ ایک اہم فریضہ ہے اور اس کے اجتماعی فوائد بے شمار ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا نظم بھی اجتماعی رکھا ہے۔ یہ اہم پہلو آج مسلمان معاشرے

میں بہت کمزور ہے۔ دراصل زکوٰۃ کے بے شمار فوائد اس کے اجتماعی طور پر منظم کئے جانے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ الحمدللہ کہ ہمارے تمام ارکان اور اکثر ہمدردان اپنی زکوٰۃ جماعت کے بیت المال ہی میں دیتے ہیں۔ یہ رقوم انھیں مدات میں صرف ہوتی ہیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں، ان رقوم کا بیشتر حصہ مقامی طور پر ہی صرف کیا جاتا ہے۔ کچھ حصہ حلقہ اور کچھ مرکزی بیت المال سے بھی مقررہ مدات میں خرچ کیا جاتا ہے۔ تشکیل جماعت سے اب تک زکوٰۃ کی مد سے مختلف مقامات پر اعانت پانے والوں کی تعداد سولہ سترہ سو افراد کے قریب ہے۔ مرکزی بیت المال کی مد زکوٰۃ سے فساد اور سیلاب زدہ علاقوں کے بعض مستحقین کی بھی مدد کی گئی ہے۔

مدات اخراجات مرکزی بیت المال کی آمدنی مکتبہ، درس گاہ ابتدائی وثانوی، تربیت گاہ، شعبۂ تحقیق و تصنیف اور مرکزی دفاتر کی مدات میں صرف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ امیر جماعت اور قیم جماعت وغیرہ کے دوروں پر بھی صرف ہوتی ہے، پھر اجتماعات اور ضرورت مند حلقوں کی اعانت وغیرہ پر بھی صرف ہوتا ہے۔

جماعت کی مالی حالت رفقاء کی عام اقتصادی مجبوریوں اور پریشانیوں کی وجہ سے اچھی نہیں ہے۔ ہمارے بہت سے ارادے اور عزائم جن پر کام کی ترقی کا بہت کچھ انحصار ہے ابھی تک محض اسی لئے بروئے کار نہیں لائے جا سکے کہ ہماری مالی حالت ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ہمیں اس کی ضرورت شدت سے پیش آرہی ہے کہ متعدد حلقوں اور اضلاع میں کام کو منظم کرنے اور

اس کی رفتار کو آگے بڑھانے کے لئے رفقاء درکار ہیں، جو اس طرح کے کاموں کے لئے اپنا پورا وقت دے سکیں۔ یہ ضرورت بھی مالی دشواریوں کی وجہ سے اب تک معرض التواء میں پڑی ہوئی ہے پھر ابتدائی درس گاہ، ثانوی درس گاہ، تربیت گاہ، اشاعت لٹریچر، ہندی ترجمۂ قرآن اور اسی قسم کے بہت سے چھوٹے بڑے انتظامات کے لئے بہرحال روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس کا احساس گذشتہ مجلس شوریٰ کے موقع پر تمام ارکان شوریٰ کو ہوا تھا لیکن باوجود ان ضرورتوں کے جیسا کہ امیر جماعت نے فرمایا تھا ہم خود رفقاء سے بھی اپیل کرنا مناسب نہیں سمجھتے، ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہر حال میں ہماری مدد کی ہے، ہم نے جن کاموں کا ارادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہماری راہیں کھول دی ہیں، اور ہمیں یقین ہے کہ اگر ہمارے اعمال اور نیتیں اللہ کے فضل و رحمت کی حق دار ہیں تو اسی طرح آئندہ بھی راہیں کھلتی جائیں گی۔ اور ہمیں وہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کی زبان سے کیا ہے۔

ربنا اتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ انک لا تخلف المیعاد۔ آمین۔

محمد یوسف (قیم جماعت)
۲۰ر اپریل ۱۹۵۱ء

قیم جماعت اسلامی ہند کی رپورٹ ۱۰½ بجے ختم ہوئی اس کے بعد حلقۂ رام پور، حلقۂ میسور اور حلقہ شاہجہاں پور کی رپورٹیں ان حلقہ جات کے قیمین نے پیش کیں اور اس اجلاس کی کارروائی ۱۱ بج کر ۳۰ منٹ پر ختم ہوگئی

۱۱½ بجے سے لے کر ۲½ بجے تک کا وقت کھانے اور نماز کے لئے تھا حاضرین پروگرام کے مطابق کھانے اور نماز جمعہ سے فارغ ہوئے جمعہ کی نماز شہر کی جامع مسجد میں ادا کی گئی یہ مسجد شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے اور عام دنوں میں بھی نماز جمعہ میں یہاں نمازیوں کی خاصی کثرت ہوتی ہے لیکن شرکاء اجتماع کی شرکت نے اس تعداد میں غیر معمولی اضافہ کردیا تھا جو نمازیوں کے لئے ایک روح پرور نظارہ تھا جس کو عام طور پر لوگ حیرت و استعجاب کی نظروں سے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

دوسری نشست کے لئے اجتماع گاہ میں صبح کی طرح جگہ پر ہونے لگی۔

نشست دوم ۳-۳۰ سے ۵ بجے تک | اس اجلاس میں حلقہ ہائے راجستان، ارکاٹ، کلکتہ، بھوپال، بارہ بنکی، مالابار و دکن کی رپورٹیں وہاں کے قیمین نے پڑھ کر سنائیں اور اس نشست کی کارروائی پروگرام کے مطابق ۵ بجے ختم ہوگئی۔

عصر کی نماز کے بعد رفقاء باہمی ملاقات و تعارف میں لگے رہے اور پھر مغرب کی نماز اور کھانے کے بعد عشاء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آج شب میں کوئی پروگرام نہیں رکھا گیا تھا تاکہ رفقاء جو طول طویل سفر کر کے آئے تھے۔ شب میں اطمینان سے سوسکیں۔

(۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء بروز شنبہ)

درس کلام پاک | دوسرے دن صبح کو بعد نماز فجر مولانا صدرالدین صاحب

اصلاحی نے لاؤڈ اسپیکر سے درس قرآن دیا۔

سورۂ بقرہ کی آیات (۲۰۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ الخ) تا (۲۱۴) اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ) کا با محاورہ ترجمہ بیان کرنے کے بعد مولانا نے ان آیتوں پر حسب ذیل وضاحتی تقریر فرمائی :۔

حضرات! قرآن نبی نوع انسان کو دو گروہوں میں بانٹتا ہے۔ ایک وہ گروہ جو دنیا کا پرستار اور اپنی خواہشوں کا بندہ ہے، دوسرے جو خدا کا پرستار ہے۔ خدا پرستی کا مطلب اس کے لفظوں میں یہ ہے کہ انسان ایک بڑا سودا کرے، اپنی جان، یا یوں کہئے کہ اس کا جو کچھ ہے وہ سب بیچ دے، اور اس کے عوض اللہ کی خوشنودی بطور قیمت قبول کرلے۔ آپ جانتے ہیں کہ بیچی وہ چیز جاتی ہے جس کی ضرورت اور اہمیت نسبتاً کم ہوتی ہے، اور قیمت تبدلہ وہ شے کی جاتی ہے جو مقابلۃً زیادہ ضروری اور مرغوب تر ہوتی ہے۔ گویا دوسرا گروہ وہ گروہ ہے جو اللہ کی رضا کو اپنی جان سے بھی زیادہ مرغوب اور محبوب سمجھتا ہے غالباً یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ یہی وہ گروہ ہے جس کو عرف میں امتِ مسلمہ کہا جاتا ہے۔ اور جس سے ہمارا آپ کا تعلق ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رضائے الٰہی کی راہ کون سی ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ میں اس سوال کا مجسم جواب ہوں۔ اللہ اپنے بندوں کے لئے سرتاپا شفقت ہے اس نے انہیں ایک لمحہ کیلئے بھی اس چیز کی تلاش میں حیران و سرگرداں دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ اس نے اپنی مرضیات کی پوری تفصیل میری ہدایات و احکام کی شکل میں

تمہارے حوالہ کردی ہے۔ پس جنھیں اللہ کی رضا پیاری ہے، اور اس لئے وہ قرآن کو، مرضیات الٰہی کے اس مجموعہ کو قبول کر چکے ہیں، کر رہے ہیں اور آئندہ بھی کرنے والے ہیں، انھیں اپنے کئے ہوئے "سودے" کو بھولنا نہ چاہیئے۔ اب ان کے لئے عمل کی ایک ہی روش صحیح روش ہے، اور وہ یہ کہ اپنے آپ کو ان مرضیات الٰہی کا پورا پابند بنا دیں، ان احکام کی غیر مشروط اطاعت کریں، جو اللہ کی کتاب سے انھیں ملیں۔ اور اپنی پوری زندگی کو ان ہدایات کی عملی تفسیر بنا دیں جو اللہ کے رسولؐ نے ان تک پہنچائی ہیں۔ انھیں اس بات کا ہرگز کوئی حق نہیں کہ ان احکام و ہدایات اور مرضیات میں اپنے انتخاب کو دخل دیں، یہ زبردست غداری اور بددیانتی ہے کہ اتنے "قطعی سودے" کے بعد بھی وہ ترک واختیار کی روش اختیار کریں اور اپنی دنیوی خواہشوں، اپنی ملی مصلحتوں، اپنے جانی اور مالی مفادوں، یا کسی بھی غرض کے دباؤ میں آکر بعض احکام قرآنی کو قبول کریں اور بعض کو ترک کر دیں۔ یہ نہ تو "مرضیات اللہ" کی طلب وجستجو ہے نہ ہی احکام الٰہی کی اطاعت، یہ تو حقیقتاً "مرضیات نفس" کی طلب ہے اور اسی کے احکام و قوانین کی پیروی، جو دراصل شیطان کی طلب، رضا اور پیروی کا دوسرا نام ہے۔ حیف ہے اگر پیکرِ رحمت و رافت خدا کو چھوڑ کر انسان شیطان جیسے عدوئے مبین کے پیچھے چلنے لگے، اور وہ بھی اس حال میں کہ زبان سے برابر اطاعتِ الٰہی کے نعرے نشر کر رہا ہو مگر آئے ایمان کے مدعیو! یاد رکھو اس کا حشر اچھا نہ ہوگا، اگر تم نے اپنی جان بیچ دینے کے بعد بھی اسے اپنے ہی قبضے میں رکھنے کی چال چلی، اور ہمارے

رسولؐ کی غیر مشروط اطاعت اور ہماری کتاب کی مکمل پیروی نہ کی۔ حالانکہ ان کے ذریعہ زندگی کا ایک ایسا مکمل اور واضح ہدایت نامہ تم کو مِل چکا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے تو اللہ رب العالمین کو نہ بے بس سمجھنا نہ ہی عبث کار وہ تم کو یہ کھیل یوں ہی کھیلتے دیکھ کر خاموش نہ رہے گا اور جب تمہاری سرزنش کرنا چاہے گا تو عاجز بھی ثابت نہ ہوگا۔ یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں کہ لوگ وضوحِ حق کے بعد بھی اسے ٹالتے رہیں اور اتباعِ نفس میں سرگرم عمل رہیں۔ کیا آنکھیں کھولنے اور عمل کرنے کا وقت وہ ہوگا جب قیامت آ نمودار ہوگی اور عمل کی مہلت ختم ہو کر میزانِ حساب آویزاں ہو جائے گی۔ بنی اسرائیل کی داستانِ عبرت تمہارے سامنے ہے ان کو کیسی کیسی واضح ہدایتیں دی گئی تھیں مگر ان غفلت کوشوں نے اس نعمت کی قدر نہ پہچانی بلکہ اس کی شکل بھی اپنے قول و فعل سے اس طرح بدل ڈالی کہ دوسروں کے لئے دینِ حق کی پہچان بھی ممکن نہ رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسوائی کے عذاب میں آج وہ بُری طرح گھرے ہیں۔ اس خوش گمانی میں مبتلا نہ ہونا کہ یہ کچھ انہی کے لئے مخصوص سزا تھی، نہیں، اللہ کے یہاں دو پیمانے نہیں ہیں۔ جو بھی یہ حرکت کرے گا سب کو وہ اسی عذاب کا مزا چکھائے گا۔

یہ صحیح ہے کہ اہلِ کفر تمہاری راہ میں مشکلیں پیدا کرتے ہیں اور احکامِ دین کی کامل اطاعت تم سے بڑی قربانیاں چاہتی ہے تم کو جان و مال اور آرام و سکون کا زیاں برداشت کرنا ہوتا ہے اور تمہاری حالت پر یہ لوگ طنز کرتے ہیں، تمہارا مذاق اُڑاتے ہیں۔ مگر ان لوگوں سے تم اور توقع کیا رکھتے ہو! ان

کے سامنے آخرت کا مفاد، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے ہی کب جو وہ تمہارے نقطۂ نظر کو سمجھ پائیں، یہ تو اپنی جانیں دنیا کے عوض بیچے ہوئے ہیں، اور دنیا کا چند روزہ عیش ہی ان کا خوش آئند مقصود زندگی ہے لیکن تمہیں تو یقین ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ اس زندگی میں عیش و عشرت کا نقشہ اُلٹ جائے گا وہاں اہل ایمان ہی سربلند ہوں گے اور جتنا کچھ انھوں نے اللہ کے نام پر یہاں کھویا ہوگا۔ اس کا کئی گنا وہاں ان کے ہاتھ آئے گا۔ آخر اللہ کے خزانے میں کمی کس چیز کی ہے؟ ان اعدائے حق کی یہ دنیا پرستی کوئی اچھی چیز نہیں یہی تو وہ بس کی گانٹھ ہے جس سے ہمیشہ سے کفر کے انکھوے پھوٹتے رہے ہیں۔ یہ نہ ہو تو شر کا ہنگامہ ہی موقوف ہو جائے۔ ساری نوع انسانی اپنی اصل فطرت اور اپنی اصل شاہراہ عمل کے لحاظ سے ایک ہی گروہ اور ایک ہی ملّت ہے، یہ سارا اختلاف جو تم دیکھ رہے ہو در اصل اسی دنیا پرستی اور خدا بیزاری کا شاخسانہ ہے۔ یہ انسان کا اپنی اصل فطرت اور دین فطرت سے انحراف ہی تھا جس کے باعث اللہ رحمٰن و رحیم نے مسلسل اپنے انبیاء بھیجے جن کے ساتھ حق کا پیغام تھا۔ تاکہ وہ اس اختلاف کو دور کر دیں جو لوگوں کے اندر حقائق زندگی کے بارے میں پیدا ہو گیا تھا —— افسوس کہ یہ اختلاف اور انحراف کرنے والے وہ لوگ تھے، جنھیں حق کی روشنی اچھی طرح دکھائی جا چکی تھی اور جو سب کچھ دیکھنے کے باوجود محض ضد میں آکر اندھے بنے تھے —— بہرحال اللہ کی مشیت لوگوں کی آنکھیں کھولنے کا پورا سامان کرتی رہی اور جو حق کے سچے طالب تھے

انھیں اس قانونِ ہدایت راہ راست دکھاتا رہا۔ یہی تاریخ دعوت وہدایت ہے جو آج تمہاری سرزمین میں دہرائی جا رہی ہے۔ اور آخری بار دہرائی جا رہی ہے۔ سو یہاں بھی جو راستی کے طلب گار تھے۔ ان کے سامنے جب راستی کی شاہراہ اختلاف کے جھاڑ جھنکاڑ سے پاک صاف کر کے رکھی گئی تو وہ اس پر چل پڑے، اگر جن کو باطل ہی سے عشق تھا اور جنھیں اللہ کی رضا سے بڑھ کر اپنے پندارِ نفس کی تعظیم ہی زیادہ مرغوب تھی انھیں اس کی مخالفت کرنی ہی چاہیئے تھی اور پھر اس مخالفت کو طنز و تعریض، بہتان و افترا، دل آزاری و ایذا دہی۔ حتیٰ کہ ستم رانی و خون آشامی کی شکلیں اختیار ہی کرنا کرنا چاہیئے تھا۔ پھر تم اس صورت حال کو خلافِ توقع نہ سمجھو، وہ اپنا کام کریں گے۔ تمہیں اپنا فرض انجام دینا ہے۔ پھر تم نے تو اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کرنے کا اعلان کیا ہے، تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے اس زبانی اعلان کو کافی سمجھ لے گا اور پروانۂ جنت تمہارے ہاتھوں میں دیدے گا؟ یاد رکھو یہ اس کا دستور نہیں۔ اس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ آج سے پہلے بھی جب تمہاری طرح کچھ لوگوں نے پیروئ حق کا دعوی کیا اور دعوتِ حق کا ساتھ دیا تو ان سے اس دعوی کی صداقت کا عملی ثبوت مانگا گیا۔ یہ عملی ثبوت یہی تھا کہ اعدائے حق کی طرف سے ڈالی جانے والی مصیبتوں کو مردانہ وار برداشت کریں یہ مصیبتیں معمولی نہیں بلکہ دلوں کو ہلا دینے والی اور سخت جاں گداز ہوتیں، ایسی کہ وہ چیخ اٹھتے، اور وہ کیا اللہ کا نبی بھی پکار اٹھتا، خدایا اب ہماری قوت برداشت کا زیادہ امتحان نہ لے۔ تیری مدد کب آئیگی

پھر یہ وقت ہوتا جب اللہ کی مدد آنمودار ہوتی۔ یہی قانونِ ابتلا تمہارے معاملہ میں بھی نافذ ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ بغیر آزمائے ہوئے کسی مدعی ایمان کا ایمان سندِ قبول حاصل نہیں کرتا اور اللہ کی نصرت اگرچہ مومنوں ہی کے لئے مخصوص ہے لیکن اس کے ظہور کا وقت بھی متعین ہے اور وہ یہ کہ پہلے اپنی پوری قوتِ برداشت کی حد تک ان ابتلاؤں کا مقابلہ کر لو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے راہِ خدا میں لا حاضر کرو۔ یعنی ثابت کردو کہ ہم نے جو معاملہ "بیع نفس" کا کیا تھا اس میں ہم صادق تھے، اس کے بعد اپنی قیمت وصول کرو۔ جس کی پہلی قسط یہ فتح و نصرت ہے اور آخری قسط رضائے الٰہی۔ ورضوانٌ من اللہِ اکبر۔

حضرات! اس توضیح مطالب کے بعد آپ سے مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ذرا غور کر لیجئے، یہ آیتیں کچھ آپ سے بھی تو نہیں کہہ رہی ہیں؟

ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد تیسری نشست کی تیاری شروع ہو گئی۔

نشستِ سوم

(۷۔۳۰ تا ۱۱۔۳۰)

اس نشست میں باقی رپوٹیں حلقہ ہائے کانپور، لکھنؤ، بمبئی، ملتان الہ آباد، بنارس، بہار و دہلی کی طرف سے ان حلقہ جات کے قیمین نے پیش کیں یہ سلسلہ ۹۔۴۰ تک جاری رہا۔

رپورٹوں کے بعد امیر جماعت نے ان پر حسب ذیل تبصرہ فرمایا۔

بعد حمد وثنا!

محترم حاضرین! قیمتین کی رپورٹیں آپ نے سن لیں۔ ان رپورٹوں کا مقصد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، یہ ہوتا ہے کہ تحریک اسلامی سے وابستہ ہو کر جو لوگ کام کر رہے ہیں اور ان کو جو مشکلات و موانع اس سلسلہ میں پیش آ رہے ہیں وہ پوری طرح ظاہر ہو جائیں تاکہ جب آپ مسائل پر غور کرنے کے لئے جمع ہوں تو تمام صورت حالات آپ کے سامنے ہو۔ جو رپورٹیں آپ نے سنی ہیں ان سے یہ مقصد کہاں تک پورا ہو سکا اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو پہلے سے مفصل حالات معلوم نہیں ہیں اور وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں، میرا خیال یہ ہے کہ اس اصل مقصد کے پیش نظر رپورٹوں میں کافی خامیاں موجود ہیں۔ بعض رپورٹوں میں غیر ضروری تفصیلات آگئی ہیں اور جن امور کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت تھی ان کی طرف یا توجہ نہیں دی گئی یا محض اشاروں پر اکتفا کر لیا گیا ہے، بعض رپورٹوں میں وہ ضروری تفصیلات بھی نہیں ہیں جو امراء جماعت کی رپورٹوں میں ملنی ہیں، تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان سرسری خامیوں کے باوجود ہر حلقہ کے بہت کچھ حالات سامنے آگئے ہیں۔ جو ان کے کام کی نوعیت و رفتار وغیرہ سمجھنے کے لئے ایک حد تک کافی ہیں۔ ان رپورٹوں سے بحیثیت مجموعی کام کا جو اندازہ ہوتا ہے اس کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہ ہے کہ :-

کام بحمد اللہ مایوس کن نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب میں نامساعد حالات

کو سامنے رکھ کر غور کرتا ہوں تو ہمارے رفقاء نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ مجھے محض خدا کا فضل و احسان نظر آتا ہے اور میرا دل اس کے شکر و سپاس کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے اول تو ہمارے رفقاء کی تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے اور جو تعداد ہے وہ بھی سخت ترین معاشی مشکلات میں مبتلا ہے۔ ایک طرف وہ عام مشکلات ہیں جو ہر قوم اور خصوصیت کے ساتھ مسلم قوم کو ہندوستان میں درپیش ہیں، جن سے لامحالہ ہمارے رفقاء کو بھی دوچار ہونا پڑ رہا ہے اور دوسری طرف حرام و حلال کی تمیز نے ہمارے رفقاء کے لئے کچھ خصوصی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ وہ ہر لقمہ اور پانی کے ہر گھونٹ کو استعمال کرنے سے پہلے اسے جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی چھلنی میں چھان لینے کے آرزومند ہیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ موجودہ غیر صالح نظام معیشت میں رزق کی بہت کم مقدار ایسی ہوتی ہے جو جائز و ناجائز کی جانچ پڑتال کے بعد استعمال کے لئے بچ سکے، اس لئے ضروری ہے کہ رفقا اپنے رزق کی تلاش میں اپنے وقت کا بیشتر حصہ صرف کرنے پر مجبور رہوں اور اپنی خواہش کے علی الرغم اپنے مقصد کی تبلیغ میں پورا حصہ نہ لے سکیں۔

اور دوسری زبردست رکاوٹ ملک کی موجودہ فرقہ وارانہ صورت حال ہے، جس میں بہتوں کے لئے اسلام کا نام لینا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے اور بہت سے لوگ حیرت کے ساتھ پوچھتے ہیں اور ممکن ہے وہ اسے خالص جنون ہی سمجھتے ہوں کہ ان حالات میں اسلام کا نام لینے کی گنجائش ہی کیا ہے؟ ہر چند فرقہ وارانہ صورت حال اصولاً ایک دعوت کے لئے رکاوٹ نہیں

بن سکتی تھی جو اصولی دعوت ہو اور کسی خاص ملک اور قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہو لیکن چونکہ دعوت کے اصولی ہونے کے باوجود اس کا مسلم قوم کے ساتھ ایک خصوصی لگاؤ اس معنی میں ہے کہ وہ اس دعوت کے نام لیوا ہیں اور ہم بھی اس توقع پر کہ جب وہ اسلام کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں تو وہ صحیح معنوں میں اس کے حامل بنیں : تاکہ ان کی سیرت و کردار سے لوگوں پر اسلام کا اچھا نقش پڑ سکے، ان کی طرف کچھ خصوصی توجہ مبذول کرنے پر مجبور رہیں اور اس دور بدگمانی میں یہ چیز طرح طرح کی رکاوٹوں کا سبب بن جاتی ہے۔ جن سے نپٹنا یقیناً کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اور تیسری رکاوٹ خود مسلمانوں کا موجودہ خوف وہراس بھی ہے، ماضیٔ قریب میں انھیں قومی اور فرقہ وارانہ کشمکش کی وجہ سے کافی نقصان اٹھانا پڑا ہے جس نے ان کے حوصلوں کو سرد کر دیا ہے اور وہ بہت زیادہ مایوسی کے شکار ہیں اور چونکہ یہ کشمکش اسلام ہی کے نام پر جاری تھی اس لئے دہشت زدہ مسلمان اب اس پر آمادہ نظر نہیں آتے کہ وہ کسی ایسی تحریک سے بھی اپنا تعلق قائم کرلیں جو فرقہ وارانہ بنیادوں کی بجائے اسلام کی اصولی باتوں پر مبنی ہو۔ ان وجوہ سے اس ماحول میں خود مسلمانوں میں بھی جن کا ایک خصوصی تعلق اسلام سے رہا ہے اور ہے۔ کام کرنا بہت دشوار ہو گیا ہے۔

ان مشکلات کو سامنے رکھ کر رفقاء کے کاموں کو دیکھا جائے تو وہ بسا غنیمت بلکہ بعض اعتبار سے انتہائی حیرت انگیز معلوم ہوں گے میں اس پر

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ اسے قبول فرمائے اور کام کرنے والوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

لیکن اسی کے ساتھ میرا تاثر یہ بھی ہے کہ ان موانع کی موجودگی میں بھی جتنے اور جس قدر کام کی ہم توقع کر سکتے تھے وہ پورے نہیں ہو سکے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کچھ دخل ہمارے رفقاء کے شعور و احساس ذمہ داری کی کمی کو بھی ہے۔ موانع اپنی جگہ کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں لیکن ان کو بہت زیادہ اہمیت دے دینا ہمارے رفقاء کے شایانِ شان نہیں ہے اور وہ فی الواقع اتنی اہمیت کے قابل بھی نہیں ہیں جتنی اہمیت کہ انہیں رپورٹوں میں دی گئی ہے۔

قلت تعداد کا عذر

ارکان کی تعداد تھوڑی سہی لیکن واقعہ یہ ہے کہ کام کرنے والوں کا شمار محض ارکان کو سامنے رکھ کر نہیں کیا جا سکتا، ہمارے کتنے ہمدرد متاثر اور متعارف لوگ ہیں جو کسی نہ کسی درجے میں کام میں حصہ لیتے ہیں اور ایسے لوگ بحمداللہ اب ہندوستان کے تقریباً ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں اور بہت سے ہمدرد حضرات تو ایسے ہیں کہ وہ کام کرنے میں ارکان سے پیچھے نہیں بلکہ بہتوں سے آگے ہیں، پھر کام کی پوری ذمہ داری صرف آپ ہی پر نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے ایسے بھی جو آپ سے کوئی جماعتی تعلق نہیں رکھتے، اپنے طور سے کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں اور ان کا کام بہر حال بالواسطہ طور سے آپ کے لئے معاون ثابت ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کارکنوں کی کمی کا شکوہ جو بہت سی رپورٹوں میں کیا گیا ہے

بہت زیادہ حق بجانب نہیں کہا جا سکتا۔ بالخصوص جب کہ اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے کہ کلمہ حق اپنے اندر خود ایک ایسی قوت رکھتا ہے کہ وہ معمولی سہارے کے بل پر بھی دلوں میں گھس کر خود اپنی راہ پیدا کر لے۔

معاشی پریشانیاں رفقاء کی معاشی پریشانیاں اور معاش کے لئے ان کی مصروفیتیں بلاشبہ ایک عذر ہیں لیکن کسی تحریک سے وابستہ لوگوں کے لئے اس عذر کی بھی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہونی چاہیئے دنیا میں جو لوگ بھی کوئی کام کرنے اُٹھتے ہیں خواہ وہ اپنی جگہ اچھا ہو یا بُرا، وہ ہمیشہ وہی لوگ نہیں ہوتے ہیں جو فکرِ معاش یا ذاتی پریشانیوں سے ہرگونہ آزاد اور فارغ البال ہوں بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ جہاں تک تحریکِ اسلامی کا تعلق ہے اس طرح کے کام کرنے والے ہمیشہ وہی لوگ رہے ہیں جو معاشی حیثیت سے بہرحال خوش حال نہیں تھے، خوش حال طبقہ شروع شروع میں بہت کم آتا ہے اور جو آتا بھی ہے تو وہ مختلف اسباب کے تحت معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے تاہم کام کا جو شوق و انہماک ان میں پیدا ہو جاتا ہے وہ ان کے اندر اپنی بدحالی کا احساس کبھی پیدا نہیں ہونے دیتا۔ کام کی لگن ہر مشکل کو آسان بنا دیتی ہے۔ میں اپنے رفقاء سے بھی اسی کیفیت کا متوقع ہوں خاص طور سے اس لئے کہ جماعت اسلامی جو کام چاہتی ہے اسے آدمی ہرحال میں اور ہر موقع پر انجام دے سکتا ہے۔ یہ کچھ اس پر منحصر نہیں ہے کہ آدمی اپنا وقت خاص طور سے اس کے لئے مخصوص کرے تبھی یہ کام ہو سکے، فکرِ معاش اور تکمیلِ ضروریات کے ضمن میں بھی یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ

یہ مقصد سامنے ہو۔

فرقہ وارانہ صورت حال

اور جہاں تک فرقہ وارانہ تکدر یا تلخیوں کا تعلق ہے اس کو ایک حد تک میں بھی مانع تسلیم کرتا ہوں لیکن اوّل تو تقسیم کے بعد جو بحرانی کیفیت طاری ہو گئی تھی وہ اب باقی نہیں رہ گئی ہے، غصہ اور نفرت کی کیفیت میں خاصا فرق واقع ہو گیا ہے، یہ کیفیتیں ہمیشہ برقرار رہنے والی ہیں بھی نہیں، یہ وقت کے ساتھ خود بخود ختم ہو جایا کرتی ہیں۔ انسان کے اندر خیر و شر دونوں عنصر موجود ہیں مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ شر ہمیشہ وقتی اور ہنگامی ہوتا ہے اور خیر دائمی اور ابدی ہے۔ یہ کچھ دنوں کے لئے دب تو جایا کرتا ہے مگر مر نہیں جایا کرتا۔

دوسرے گذشتہ فسادات کے جو نتائج رونما ہوئے وہ بجائے خود فسادی لوگوں کے لئے باعث عبرت ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ سوا تباہی و بربادی اور ملک کی بدنامی کے ان کا اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ہے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ جو معقول لوگ فسادات کے دور میں اپنا کام صرف اتنا ہی سمجھتے تھے کہ وہ ان سے الگ تھلگ رہیں۔ فسادات کے ہولناک نتائج کے باعث ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور اب انہوں نے شدت سے یہ ضرورت محسوس کرنا شروع کر دی ہے کہ صرف خود الگ تھلگ رہنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ انھیں اس صورت حال کے بدلنے کے لئے بھی جد و جہد کرنی چاہیئے چنانچہ اس طرح کے لوگ جد و جہد میں لگ گئے ہیں۔ اس کے بہر حال کچھ نہ کچھ بہتر نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ تقسیم کے بعد جو حالات طاری ہوئے وہ یہاں کے مسلمانوں کے سابقہ طرزِ زندگی پر بھی بہت کچھ اثر انداز ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے طرزِ عمل کی تبدیلی بجائے خود حالات میں تبدیلی کا ایک بڑا محرک ہے۔

ان وجوہ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے اور ساتھ ہی اس بحرانی دَور کے واقعات کا ذہن و دماغ پر جو اثر پڑا تھا۔ اسے دور کر کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ کام کے سلسلہ میں پہلے جو رکاوٹیں تھیں ان میں اب بہت حد تک کمی واقع ہو گئی ہے اس لئے مانع کی حیثیت سے فرقہ وارانہ تکدّر کو غیر معمولی اہمیت دے لینا صحیح بات نہیں ہے۔ اور میں تو یہ کہوں گا کہ خود اس بحرانی دَور میں بھی کام کی راہیں اتنی مسدود نہیں تھیں جتنی عام طور سے سمجھی جاتی ہیں۔ کیونکہ اس دور میں بھی ایسے سنجیدہ اشخاص کی کمی نہیں تھی جو ہر معقول بات سننے کے لئے ہر وقت آمادہ تھے۔

پھر اس ضمن میں ایک بات اور قابل لحاظ ہے اور وہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ تکدّر کی موجودگی ہمارے لئے عمل کی محرک ہونی چاہیئے نہ کہ مایوسی اور دل شکستگی کی۔ جب شر و فساد کا مٹانا ہی آپ کا مقصود ہے اور اسی بنا پر آپ خیر و صلاح کی دعوت لے کر اُٹھے ہیں اور آپ اپنی جگہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ اس مرض کا علاج درحقیقت آپ ہی کے پاس ہے تو اس صورت میں آپ کا گھروں میں بیٹھ رہنا کسی طرح صحیح نہیں ہوگا۔ آپ کو بالکل بے خوف ہو کر گھروں سے نکلنا چاہیئے اور اس مرض کے ازالہ میں اپنی پوری قوت صرف

کردینی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھئے کہ فرقہ وارانہ تلخیاں اور لوگوں کے لئے رکاوٹ ہوں تو ہوں لیکن جہاں تک ہمارے طرز پر کام کرنے والوں کا تعلق ہے ان کے لئے یہ بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ بہت جلد اور آسانی سے ان کے سامنے سے ہٹ سکتی ہیں بشرطیکہ آپ اپنے اصولوں کو شدت کے ساتھ اختیار کریں اور اپنی زندگیوں کو اچھی طرح ان کے مطابق ڈھال لیں۔ آپ کے سامنے کوئی ایسا کام نہیں ہے جس میں آپ کی کوئی قوم پرستانہ یا فرقہ وارانہ غرض شامل ہو، آپ ایسے اصولوں کے داعی ہیں جو پوری انسانیت کی سعادت و فلاح کا باعث ہیں۔ ایسی دعوت اور اس کے پیش کرنے والوں کی مخالفت شروع میں غلط فہمی کی بناء پر ضرور کی جاسکتی ہے لیکن غلط فہمی دور کردی جائے تو مخالفت کا رویہ فوراً بدل سکتا ہے۔

ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ تقسیم کے بعد جو حالات رونما ہوئے ہیں ان کا مسلمانوں کے ذہنوں پر غیر معمولی اثر ہوا ہے وہ سخت مایوسی اور ہراس کے شکار ہیں اور یہ چیز ہماری دعوت کی طرف ان کے بڑھنے میں بڑی حد تک رکاوٹ ثابت ہورہی ہے لیکن رپورٹوں میں جس انداز میں مسلمانوں کی مایوسی اور ہراس کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ خدانخواستہ ہمارے رفقاء تو مایوسی اور ہراس کا شکار نہیں ہو رہے ہیں۔ یا پھر میں یہ سوچنا شروع کردیتا ہوں کہ ہمارے رفقاء کے سامنے دعوت کے کام کی صحیح نوعیت ہے بھی کہ نہیں۔ یہی تو وہ حالات ہیں

جن میں کام کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آپ جو پیغام پیش کر رہے ہیں اسی سے ان کا خوف و ہراس دور ہو سکتا ہے کیونکہ آپ ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کی دعوت دیتے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو مسلمانوں کے دلوں سے خوف و ہراس کو دور کر سکتی ہے۔ اس کے ماسوا اس کو دور کرنے کی اور کوئی تدبیر ممکن ہی نہیں۔ پھر آپ مسلمانوں کے خوف کا تذکرہ کرتے وقت اس بات کو بھول نہ جائیے کہ ان کا یہ خوف و ہراس گذشتہ قوم پرستانہ تحریکات کا نتیجہ ہے۔ جن میں بدقسمتی سے خود مسلمان بھی ایک عرصہ سے مبتلا رہے ہیں اور وہ ان کے نتائج کے سامنے آجانے کے بعد اس قسم کی تحریکات سے قدرتاً دور رہنا چاہتے ہیں لیکن آپ جو دعوت پیش کر رہے ہیں وہ قوم پرستانہ اور فرقہ وارانہ نظریات سے بالکل مختلف چیز ہے اور اس کے اصول نہ صرف مسلمان کو عزیز ہو سکتے ہیں بلکہ غیر مسلم بھی ان کو سمجھ لینے کے بعد ان کی طرف بڑھنے پر مجبور ہیں کیونکہ یہ وہ اصول ہیں جن کی طلب ہر سلیم الفطرت انسان کے اندر موجود ہے اور جو اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کا موجودہ خوف و ہراس اس دعوت کی طرف بڑھنے میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا، جو لوگ اس کے خلاف سوچتے ہیں میرے نزدیک وہ مسلمانوں کی نفسیات سے دور رہ کر غور کرنے والے لوگ ہیں۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ آپ کو اس سلسلہ میں انتھک کوشش کرنے کی ضرورت ہے آپ کو اس بات کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات جم جائے کہ اسلام کے اصول قوم پرستانہ نظریوں کی

طرح کسی قوم کو وجود میں نہیں لاتے بلکہ وہ ایک ایسی اصولی پارٹی تیار کرتے ہیں جو قوم پرستی اور فرقہ پرستی کے جذبات سے بالاتر ہو کر محض رضاء الٰہی کے لئے دنیا میں خیر و صلاح قائم کرنے کی جدوجہد کرے اور پوری انسانیت کی فلاح کو اپنا مقصد و مآل بنائے، جس وقت آپ ان کو ان کی یہ حیثیت سمجھانے میں کامیاب ہو گئے تو آپ سمجھ لیجئے کہ آپ نے دعوت کے سلسلہ میں ایک اہم منزل طے کر لی۔ اس کے بعد آپ کی دعوت ان کے سامنے امید و بشارت کی صورت میں نمودار ہو گی ان کے پراگندہ ذہنوں کے لئے تسکین کا باعث ہو گی وہ خود یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ کوئی خوف کی چیز نہیں بلکہ اس کی طرف ان کو بڑھنا چاہیئے کیونکہ حقیقتاً یہی راہ ان کی دنیاوی نجات و سعادت کی راہ بھی ہے۔

بہر حال موانع کو موانع تسلیم کرتے ہوئے بھی میرا خیال ہے کہ اگر ہمارے رفقاء نے اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک محسوس کیا ہوتا تو کام کی رپورٹ یقیناً اس سے مختلف ہوتی جو اس وقت پیش کی گئی ہے اور اس کے نتیجہ میں جماعت سے وابستہ لوگوں کا تناسب وہ نہ ہوتا جو ہر رپورٹ میں اس علاقے کی کل آبادی کے مقابلہ میں دکھلایا گیا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا۔ میں ہرگز اس خام خیالی میں مبتلا نہیں ہوں کہ ہم اپنے موجودہ محدود وسائل و ذرائع کے ساتھ اس قلیل مدت میں بھارت کی اس کثیر آبادی کو جو تقریباً چھتیس۳۶ کروڑ افراد پر مشتمل ہے اپنا ہمنوا یا دعوت سے متعارف کر سکتے تھے، میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم نے اپنا کام سرگرمی سے اور سلیقہ کے ساتھ انجام دیا ہوتا تو اس کے نتائج یقیناً اس سے بہتر ثابت ہوتے جتنے اس وقت

تک سامنے آسکے ہیں۔

علماء کی مخالفت

قیمین حضرات نے موانع کار کے ضمن میں بعض اور باتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں بہت سی باتیں تو ایسی ہیں کہ مجھے ان پر اس موقع پر کچھ اظہار خیال کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ان کے بارے میں اس سے پہلے بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور کچھ ایسی باتیں ہیں جن پر گفتگو کا صحیح محل غالباً تجاویز کا حصہ ہوگا البتہ بعض امور ایسے ہیں، جن پر میں اس موقع پر کچھ نہ کچھ اظہار خیال کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس ضمن کی پہلی چیز علماء کی مخالفت ہے جس کا تذکرہ متعدد رپورٹوں میں بطور ایک اہم مانع کے کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں یہ محسوس کر کے مجھے مسرت ہوئی ہے کہ عام طور سے حضرات قیمین نے علماء کی مخالفت کا تذکرہ جو یقیناً ان کے لئے ایک رنج کی بات ہے بہت شائستہ انداز میں کیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے رفقاء میں بحمداللہ رفتہ رفتہ یہ ذہنیت مستحکم ہوتی جارہی ہے کہ وہ مخالفین کے ذکر میں بھی حدود اعتدال سے متجاوز نہ ہوسکیں لیکن اسی کے ساتھ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ بعض حضرات کا لب ولہجہ ویسا نہیں رہا ہے جیسا ہونا چاہیئے۔ اس میں تلخی اور ناگواری کا کچھ اثر نمایاں ہوگیا ہے۔ ہمارے رفقاء کو اس میں احتیاط کرنی چاہیئے۔ علماء بحیثیت عالم دین ہماری عزت واحترام کے مستحق ہیں اور اگر ان کا کوئی رویہ قابلِ شکایت یا ان کے منصب کے منافی ہو بھی، تو ہمیں ہر حال میں اپنے صحیح اصولوں کی پیروی کرنی چاہیئے اس بارہ میں ان کا کوئی غلط رویہ ہمارے

لئے اسوہ نہیں بن سکتا۔

جہاں تک علماء کی مخالفت کا ذکر ہے یہ بات یوں یاد رکھنی چاہیئے کہ علما بحیثیت جماعت ہمارے خلاف نہیں ہیں خود جماعت میں بہت سے علماء داخل ہیں جو کسی خاص درس گاہ یا مکتب فکروخیال سے تعلق نہیں رکھتے ہیں بلکہ مختلف مشہور درس گاہوں اور مکاتب فکر سے چھوٹ چھوٹ کر آتے ہیں۔ اور ایسے علماء کی تعداد تو بہت زیادہ ہے جو عملاً کسی وجہ سے ہمارا ساتھ نہ دے رہے ہوں لیکن وہ ہمارے کام کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے علاوہ جو علماء ہیں ان میں ایک طبقہ تو ان علماء کا ہے جو کسی وجہ سے ابھی تک ہماری دعوت سے واقف ہی نہ ہو سکا اس لئے نہ وہ ہمارے مخالف ہیں اور نہ موافق، اور دوسرا طبقہ جو واقفیت رکھتا ہے ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جن کو ہم سے اس بناء پر اختلاف ہے کہ ابھی ہماری اصل دعوت اچھی طرح سمجھ نہیں سکے ہیں اور اس بنا پر وہ کچھ غلط فہمیوں یا شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں اور ان کے بارے میں ہم یقین رکھتے ہیں کہ جونہی ہم ان غلط فہمیوں کو دور کرنے میں کامیاب ہو گئے، انشاء اللہ ان کی مخالفت تائید وحمایت میں بدل جائے گی جیسا کہ ان میں سے بہتوں کے ضمن میں عملاً ہم نے مشاہدہ کیا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہم سے چند جزئی مسائل میں اختلاف رکھتے ہیں یا وہ جماعت سے وابستہ لوگوں سے پوری طرح مطمئن نہیں ہیں اس لئے وہ ہم سے الگ تھلگ ہیں لیکن یہ دونوں قسم کے علماء اس طرح کا اختلاف نہیں رکھتے ہیں کہ وہ ہماری اصل دعوت کو غلط یا خلاف اسلام سمجھتے ہوں، پوری تحقیق کے بغیر اس طرح کا کوئی فیصلہ

کر لینے کو پہلا گروہ تقویٰ و دیانتداری کے خلاف سمجھتا ہے اور دوسرا اپنی تحقیق کے بموجب اس طرح کے کسی فیصلہ کے لئے کوئی جائز وجہ نہیں پاتا پس جب علماء میں انہی قسم کے علماء موجود ہیں جو یا تو براہِ راست یا بالواسطہ آپ کی دعوت کے حامی ہیں یا کم از کم اس سے کوئی اصولی اختلاف نہیں رکھتے تو یہ فرض کر لینا کہ علماء کی پوری جماعت آپ کے مخالف ہے یا آپ کے کام کو غلط سمجھتی ہے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ علماء یا علماء کا ایک خاص گروہ ایسا ضرور ہے جو دانستہ ہماری مخالفت پر کمربستہ ہے اور یہ کبھی شخصیتوں کی آڑ لے کر اور کبھی جزوی اختلافات کو بہانہ بنا کر اصل دعوت ہی کی طرف سے لوگوں کو متنفر کر دینا چاہتا ہے اگرچہ وہ صاف صاف اس دعوت کو نشانۂ مخالفت بنانے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ ایسے حضرات کو معذور سمجھنا چاہیئے اور ان کے بارے میں ہمارا بہترین رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے لئے اور اُن کے لئے دعا کریں۔

ان علماء میں سے بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہم نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یا بذریعہ خط و کتابت یہ درخواست کی کہ وہ ہماری دعوت کو قرآن و سنت کی روشنی میں جانچ کر ہمیں مطلع کریں کہ اس میں اسلام کے خلاف کیا باتیں ہیں۔ اگر واقعی وہ دلائل سے ہمیں مطمئن کر دیں گے کہ ہم غلطی پر ہیں تو ہم بغیر ایک لمحہ کے توقف و تردد کے اپنی اصلاح کر لیں گے لیکن آج تک انہوں نے اس کی زحمت گوارا نہیں فرمائی اور ہمیشہ قلتِ وقت یا اسی طرح کا کوئی اور

عذر پیش فرمایا لیکن اس کے باوجود ناواقف لوگوں میں ہمارے خلاف غلط پروپیگنڈا کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے اور قلتِ وقت اس میں مانع نہیں ہے۔ ایسے علما باہر بھی ہیں اور یہاں مقامی طور سے بھی موجود ہیں۔ یہ لوگ ہمارے لٹریچر کے کم سے کم ضروری حصہ سے بھی واقف نہیں ہیں، لیکن اندھیرے میں ہمارے خلاف تیر پر تیر چلاتے ہی جا رہے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اِدھر اُدھر سے کچھ ناتمام باتیں دیکھ لی ہیں اور ان کو انھوں نے ہماری مخالفت کے لئے کافی سمجھ لیا ہے۔ کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے ذہن کے بارے میں ایک خاص طرح کا تصور قائم کر لیا ہے جس میں جزئیات کو اس سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے جتنی کہ فی الواقع ان کی ہے اور اس کی بنا پر جب وہ ہمیں اپنے مسلک سے کچھ ہٹا ہوا پاتے ہیں تو جیسا کہ اصولاً چاہیئے تھا۔ اس اختلاف کو وہ اس کے دائرہ تک ہی محدود رکھتے اور اصل کام میں ہمارا ساتھ دیتے یا اس کی تائید کرتے وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کے بجائے انھوں نے اس جزوی اختلاف کو یہ درجہ دے دیا ہے کہ اس کی بناء پر ہمیں غلط کار اور گمراہ سمجھتے اور ہمارے تمام کاموں کو کفر و ضلالت قرار دیتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی مخالفت محض اس بات کا نتیجہ ہے کہ وہ کسی خاص مذہبی یا سیاسی گروہ بندی کے شکار ہیں اور جب انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ہماری دعوت ان حدبندیوں کو جو غلط بھی ہیں اور امت کے لئے شرانگیز بھی، ڈھا دینے والی ہے اور اس کا مقابلہ وہ اصولی طور سے یا کھل کر نہیں کر سکتے ہیں تو انھوں نے "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگانا شروع کر دیا ہے جو اس طرح کے

لوگ، اس طرح کے مواقع پر ہمیشہ لگاتے آئے ہیں۔

بہر حال یہ اور اسی طرح کے بعض دوسرے اسباب و محرکات کے تحت علماء کا ایک طبقہ ہماری مخالفت پر کمربستہ ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کے لوگوں کا علاج ہمارے بس میں نہیں ہے اس لئے میں اپنے رفقاء سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ان مخالفتوں پر صبر سے کام لیں اور کام سکون و اطمینان کے ساتھ انجام دیتے رہیں، یہ حضرات جن سہاروں پر مخالفتیں کر رہے ہیں اگر آپ ان کو اپنی تحریک کے موافق بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو ان کی آواز خود بے اثر ہو کر رہ جائے گی اس کے ساتھ آپ ان کی طرف سے مایوس بھی نہ ہوں اگر آپ اپنا کام ٹھیک طور سے کرتے رہیں تو وہ دن انشاء اللہ ضرور آئے گا کہ یا تو ان کی مخالفتیں ختم ہو جائیں گی یا یہ لوگ مایوس ہو کر بیٹھ رہیں گے ــــ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ اور آپ کا نقصان تو کسی حال میں بھی نہیں ہے۔ آپ کا کام اتنا ہی ہے کہ آپ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اس کے لئے جد و جہد میں کوئی کوتاہی نہ کریں، رہی یہ بات کہ اس کا نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے۔ یہ آپ کے دیکھنے کی چیز ہی نہیں ہے اس کو خدا کے حوالے کیجئے جو آپ کی نیتوں اور اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے اور آپ کے مخالفین کی نیتوں اور اعمال کو بھی۔ اور وہ یقیناً ہر شخص کو اس کے اعمال اور نیت کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔ البتہ اس ضمن میں میں یہ ضروری گذارش بھی کرنا چاہتا ہوں کہ علماء کی مخالفتوں میں کچھ دخل ہمارے رفقاء کی بعض کوتاہیوں اور بد احتیاطیوں کو بھی ہے جن میں سے چند یہ ہیں جن کو میں اس لئے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ان کو دور کرنے کی کوشش

کی جائے۔

رفقاء کی کوتاہیاں

بہت سے رفقاء ایسے ہیں جن کا تعلق جماعت میں داخل ہونے سے پہلے مسلمانوں کے مختلف قسم کے مذہبی یا سیاسی اداروں سے رہا ہے اور وہ انھیں سے کٹ کر جماعت میں آئے ہیں اگرچہ میں محسوس کرتا ہوں کہ جماعت میں داخل ہونے کے بعد انھوں نے جماعتی مزاج سے اپنے کو ہم آہنگ بنانے کی پوری پوری کوشش کی ہے لیکن ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن میں ابھی غیر شعوری طور پر ان جماعتوں سے تعلق کے کچھ نہ کچھ اثرات موجود ہیں۔ یہ چیز غلط بھی ہے اور تحریک کے لئے مضر بھی۔ اس لئے اس طرح کے رفقاء کو پورا اہتمام کر کے اپنے آپ کو ان اثرات سے پاک کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جب آپ جماعتِ اسلامی میں داخل ہو چکے ہیں تو آپ کی تمام دلچسپیوں کا محور صرف جماعت کے مقاصد ہونے چاہئیں، دین کے ساتھ وابستگی پیدا کیجئے۔ اسی کے لئے اپنی عصبیت خاص کیجئے۔ اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں اور جن کی خاطر آپ پہلے جد وجہد کرتے رہے ہیں ان کو یک لخت چھوڑ دیجئے۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو رفقاء جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے آئے ہیں اگرچہ ان میں بڑی خوش گوار تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں لیکن کچھ افراد کے ضمن میں میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ابھی تک وہ اپنی قدیم آزادروی اور آزادخیالی کو پوری طرح قابو میں نہیں لا سکے ہیں۔ انھیں ان کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ وہ اپنی ہر چیز کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ وہ دائرۂ شریعت کے اندر ہے یا نہیں۔

دنیا اسلام کا عملی نمونہ دیکھنا چاہتی ہے اگر آپ نے بھی اوروں کی طرح محض ذہنی وفکری اعتبار سے اسلام کی نمائندگی کی اور دنیا آپ کے عمل وکردار میں اس اسلام کی جھلک نہ دیکھ سکی جس کے آپ دعویدار ہیں تو اس سے آپ اور جماعت دونوں کو نقصان پہونچے گا۔ آپ اپنی آزادروی میں اعتدال پیدا کریں تاکہ آپ کا کوئی عمل دوسروں کے لئے فتنہ کا سبب نہ بن جائے، بہت سے مواقع پر ہمارے رفقاء کی معمولی بے اعتدالیاں علماء کے لئے فتنہ بن جایا کرتی ہیں، اس لئے بھی اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے رفقاء دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے اپنے اوپر بھی تنقیدی نگاہ ڈال لیا کریں تاکہ جس ماحول میں دعوت پہونچانا چاہتے ہیں اس میں کسی قسم کی بدگمانی پیدا نہ ہونے پائے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی ہمارے رفقاء کو جزئی امور و مسائل میں پڑنے سے جس طرح اجتناب و احتراز کرنا چاہیئے اس طرح نہیں کر رہے ہیں، یہ چیز بھی جماعت کے کاموں میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔

ان امور کی طرف میں اپنے ہمدردوں اور متاثرین کو بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے علم میں اس قسم کی باتیں آتی رہتی ہیں کہ ان کا طرز عمل، خاص طور سے علماء کے مختلف قسم کی غلط فہمیوں کا باعث ثابت ہوتا ہے، ہرچند ان کے قول وعمل کی ذمہ داری آئینی طور پر جماعت پر نہیں ڈالی جا سکتی ہے لیکن چونکہ ان کو جماعت ہی کا فرد سمجھ لیا جاتا ہے اس لئے ان کے طرز عمل کو لوگ آسانی کے ساتھ جماعت کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔

عوام کی ناخواندگی اور رسوم جاہلیت

موانع کے ضمن میں عوام کی ناخواندگی اور رسوم جہالیت کے رواج کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے لیکن ان باتوں کا ذکر موانع کے ضمن میں مجھے ناپسند ہے اس لئے کہ یہی باتیں تو در حقیقت ہمارے کام کی محرک ہیں، اگر ان کو مانع میں شمار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمیں کام کا نام نہیں لینا چاہیئے بہرحال ان باتوں کی طرف بیش از بیش توجہ کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے رفقاء چونکہ ابھی تک ایسے طریق کار کے عادی رہے ہیں جس سے کہ نتائج بہت جلد حاصل ہو جاتے ہیں اس لئے جماعت کے اندر آنے کے بعد بھی یہ رجحان کلی طور سے ان کے ذہنوں سے نکل نہیں سکا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے کاموں سے جو صبر طلب ہوتے ہیں اتنے انہماک سے دلچسپی نہیں لیتے جتنا کہ رواں دواں کاموں سے لیتے ہیں، مثال کے طور پر تعلیم بالغان کے طریقۂ کار کو لیجئے۔ اگر اس کے بارے میں جم کر کام کیا گیا ہوتا تو ابھی تک بہت سی جہالتیں دور ہو چکی ہوتیں۔ تعلیم بالغان کا مسئلہ موجودہ دور میں اتنا اہم ہے کہ اس پر رفقاء کو اپنی توجہ کا زیادہ سے زیادہ حصہ صرف کرنا چاہیئے اسی طرح گذشتہ مجلس شوریٰ کے موقع پر ابتدائی درس گاہوں کی جو تجویز پاس کی گئی ہے وہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے رفقاء کی زیادہ سے زیادہ توجہ کی محتاج ہے کیونکہ یہ مسئلہ اگر آج سے پہلے اہم تھا تو موجودہ سیکولر اسٹیٹ میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہو گئی ہے۔ آج جو نصاب تعلیم سرکاری اسکولوں میں رائج کیا جا رہا ہے وہ اپنے اثرات کے اعتبار سے سخت تباہ کن ہے اور آئندہ نسلیں

جو اس زہر سے متاثر ہو کر باہر نکلیں گی وہ تمام کچھ تو ہوسکتی ہیں لیکن تحریک اسلامی جس قسم کے ذہنی کردار کو تیار کرنا چاہتی ہے اس کی توقع کرنا موجودہ نظام تعلیم سے محض ایک خوفناک خوش گمانی ہے۔ اس لئے رفقاء کو آنے والے دنوں میں عوام کی جہالت کو دور کرنے کے لئے بھی اور آنے والی نسلوں کو الحاد سے بچانے کے لئے بھی اپنی تعلیم بالغان اور ابتدائی درس گاہ کے قیام کی تجویز کو زیادہ سے زیادہ بروئے کار لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مسلمانوں کا آئندہ مسلمان باقی رہنا اب اس پر موقوف ہے کہ وہ کہاں تک اپنی مذہبی تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں سیکولر حکومت میں حکومت سے اس بارے میں کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔

رسوم جاہلیت کے ضمن میں جماعت کا جو مسلک ہے وہ عام لوگوں کو معلوم ہے ہم ان کی اصلاح اس طرح نہیں کرسکتے کہ ان پر براہِ راست نشتر زن ہوں۔ اس سے فتنے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ عوام نے ان چیزوں کو دین سمجھ کر اختیار کر رکھا ہے اور یہی ان کو بتایا بھی گیا ہے لیکن اگر آپ ان کو دین اور دین کی حقیقت سے واقف کرسکیں اور ان کے اندر احترام شریعت کا جذبہ پیدا کرسکیں تو یہ چیزیں خود بخود درست ہو جائیں گی۔ ہمارے رفقاء کو یہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ اگرچہ یہ ہے جرأت کا کام کیونکہ ایک عرصے کے جمے ہوئے خیالات کو اکھاڑ پھینکنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

دو غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

اس ضمن میں دو غلط فہمیاں بہت عام ہیں جن کا ہمیں ازالہ کردینا ضروری سمجھنا

ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سے رفقاء یہ سمجھتے ہیں کہ اصولی طور سے اس وقت کوشش کرنے کی جو ہدایت ان کو کی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جزئی امور ہمارے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے حالاں کہ یہ غلط ہے، جب ہم کلی دینی اصلاح کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمیں کلاً و جزءً سب کو اسلام کے مطابق بنانا ہے۔ اس لئے جزئی امور سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا البتہ یہ صحیح ہے کہ ہمیں اس کے لئے طریقۂ کار وہی اختیار کرنا چاہئے۔ یعنی پہلے بنیاد کی اصلاح و درستگی اور اس کے ذریعہ جزئی اصلاح۔

دوسری غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بہت سے لوگ اپنے عمل کے لئے بھی جزئی امور کو زیادہ قابل اعتنا نہیں سمجھتے یہ بات بھی غلط ہے، ان کو جزئی امور میں بھی پورا پورا احترام شریعت ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ان کی کوشش یہ ہونی چاہئے جو چیز بھی شریعت میں ثابت ہو اس کو خود اپنائیں اور دوسروں کو خاص طور سے اپنے گھر والوں کو اس کے اپنانے کی دعوت دیں خواہ وہ کوئی کلی بات ہو یا جزئی۔

موانع میں وہ خاص موانع جن پر اس موقع پر میں نے اظہار خیال کی ضرورت محسوس کی وہ یہی تھے ان کے علاوہ اور بھی موانع ہیں جن کا تذکرہ رپورٹوں میں کیا گیا ہے لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے میں اس موقع پر ان سے تعرض نہیں کرنا چاہتا۔ تجاویز کے ضمن میں یا ہدایات کے موقع پر انشاء اللہ ان پر گفتگو کی جائے گی۔ بہرحال آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ مزاحمتوں اور رکاوٹوں کو جتنی اہمیت دی گئی ہے وہ فی الواقع اتنی اہمیت کے مستحق نہیں ہیں یہ محض ذوق کار کی کمی کا نتیجہ ہے کہ جو انہیں جذبۂ عمل کے لئے محرک ہونی چاہئے تھیں وہ ہمت شکن ثابت ہو رہی ہیں۔ اگر یہ مانع دور ہو جائے تو انشاء اللہ یہ سارے موانع خود بخود رفع ہو جائیں گے۔

—: وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

رپورٹ درس گاہ

از قیام تا ماہ جمادی الثانی ۷۰ھ

برائے کل ہند سالانہ اجتماع منعقدہ ۲۰ تا ۲۲ اپریل ۱۹۵۱ء

اپنے نظریہ تعلیمی کے مطابق ایک درس گاہ کے قیام کی ضرورت تو ہماری جماعت کو ابتدا سے محسوس ہو رہی تھی لیکن مختلف اسباب سے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی طرف اقدام نہ کیا جا سکا۔ تقسیم ہند کے نتیجہ میں جو حالات رونما ہوئے ان کی وجہ سے ہمارے موانع میں کچھ اور اضافہ ہی ہو گیا لیکن چونکہ تعلیمی اسکیم کے جلد از جلد بروئے کار لانے کی ضرورت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور تقسیم کے بعد کے حالات میں اس کا جلد از جلد قیام از بس ضروری معلوم ہونے لگا اور ساتھ ہی ہمارے ایک رفیق منشی ہدایت علی صاحب ملیح آبادی نے درس گاہ کے لئے اپنے ایک باغ واقع محمود نگر ملیح آباد کی آمدنی اور ایک عمارت کی پیشکش فرما کر ایک حد تک مالی اور مکانی دشواریوں کو آسان بنا دیا اس لئے تشکیل جدید کے بعد امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب نے کم از کم ابتدائی درس گاہ کے قیام کا ارادہ فرما لیا اور مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۷ تا ۲۹ اگست ۱۹۴۸ء کے سامنے درس گاہ کا مسئلہ پیش کیا جس میں تھوڑی دیر کی بحث و گفتگو کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ ابتدائی تعلیم کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا جائے اور عارضی طور سے باغ کی موجودہ عمارت کو ضروری اور مناسب تبدیلیوں کے بعد درس گاہ اور طلباء

کی اقامت گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ بچّوں کی تعلیم و تربیت کے لئے محمد شفیع صاحب مونس اور افضل حسین صاحب یا ایسے ہی کسی اور شخص کی خدمات حاصل کی جائیں جو بچّوں کی تعلیم و تربیت کا عملی تجربہ بھی رکھتے ہوں اور تعلیم اطفال سے متعلق جدید معلومات اور نظریات کے مطابق تیار بھی ہوں۔

اسی اجتماع میں دو کمٹیاں بھی بنا دی گئیں۔ ایک دستور کمیٹی دوسری نصاب کمیٹی۔ دستور کمیٹی نے دستور العمل مرتب کرکے مجلس شوریٰ کے ختم ہونے ہوتے پیش کر دیا نصاب کمیٹی نے ایک ماہ بعد نصاب مرتب کر کے تعلیمات سے دلچسپی رکھنے والے صاحب الرائے حضرات کے پاس مشورہ کے لئے بھیجدیا اور مناسب ترمیم و اضافہ کے بعد عام معلومات کے لئے سہ روزہ الانصاف الہ آباد میں ۲۰ اور ۲۱ مارچ ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں شائع کرا دیا۔

قیام باغ کی مجوزہ عمارت میں اواخر صفر ۶۸ھ تک ضروری تبدیلیوں سے فراغت ہو سکی افضل حسین صاحب اور محمد شفیع صاحب مونس کو بھی اواخر صفر میں بلا لیا گیا۔ درس گاہ کے افتتاح کا اعلان سہ روزہ الانصاف میں پہلے ہی شائع ہو چکا تھا چنانچہ اس کے مطابق یکم ربیع الاول ۱۳۶۸ھ کو اکیس طلباء سے درس گاہ کا افتتاح عمل میں آیا۔ یہ طلبہ اپنی استعداد کے مطابق درس گاہ کے چار درجات میں داخل کر لئے گئے۔

مقصد ابتدائی درس گاہ کے قیام کا مقصد روز اول سے یہی تھا کہ اس درس گاہ میں طلبہ کی تعلیم و تربیت اس نہج پر ہو کہ علمی، عملی، ذہنی و اخلاقی نیز جسمانی غرض تمام حیثیتوں سے ان میں وہ ضروری قابلیتیں اور صفات پیدا ہو جائیں۔

جو مہذب انسانوں اور ہماری اس تحریک کے کارکنوں میں بہر حال ناگزیر ہیں اور جو طلباء اس ابتدائی منزل سے آگے بڑھنے والے نہیں ہیں انھیں بنیادی تعلیم و تربیت سے اس حد تک آراستہ کردیا جائے کہ جوہر انسانیت اور جوہر اسلامیت کے اعتبار سے وہ ناقص نہ رہ جائیں اور مہذب زندگی کے فعّال عنصر ہونے کے لئے جو قابلیتیں ضروری ہیں وہ ان میں پیدا ہو جائیں اور گو اس منزل میں طلبہ کو کسی خاص پیشہ کے لئے تیار کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پھر بھی یہ کوشش کی جائے کہ علمی و اخلاقی تربیت سے بچوں کی تمام اندرونی صلاحیتوں، پیدائشی قابلیتوں اور فطری استعدادوں کی اس حد تک نشو و نما ہو جائے اور انھیں عملاً اس حد تک تجربہ اور مشاہدہ کرنے کا موقع فراہم کیا جائے کہ وہ آٹھ سال کی تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اندر یہ طاقت محسوس کرنے لگیں کہ خدا کی زمین میں ہر طرف ان کے لئے کام کرنے اور اپنی ضروریات حاصل کرنے کے مواقع موجود ہیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ نیز محنت و مشقت اند سادہ زندگی کے اتنے عادی بنا دیئے جائیں کہ وہ ہر جسمانی کام پر بلا جھجک قادر ہو سکیں اور ضروریاتِ زندگی کو ناگزیر ضروریات ہی تک محدود سمجھنے لگیں۔

مختصر روداد افتتاح کے بعد محسوس ہوا کہ جن طلبہ کو داخل کیا گیا ہے ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت انتہائی غیر متوازن ہوئی ہے چنانچہ کئی ماہ ان کی لیاقتِ سابقہ کے جانچنے، ان کی فطری صلاحیتیں سمجھنے، ایک

نیا ماحول پیدا کرنے اور اس میں ان کو کھپانے میں صرف ہو گئے اور ابھی ہم ٹھیک سے جماعت بندی بھی نہ کر سکے تھے کہ رمضان المبارک کی تعطیلات کے سلسلے میں درس گاہ ایک ماہ دس دن کے لئے بند کر دی گئی۔ طلبہ گھروں سے واپس نہیں آئے تھے کہ مرکز کے رام پور منتقل ہونے کا مسئلہ درپیش ہو گیا۔ جگہ کی قلت اور قیام کی دشواریوں کے پیش نظر تعطیلات میں دس دن کا اضافہ کر دیا گیا اور نیا داخلہ بھی کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ کو مرکز کے ساتھ درس گاہ بھی ملیح آباد سے رام پور منتقل ہو گئی۔

رام پور میں ایک مقامی ذیلی درسگاہ بیشتر سے موجود تھی۔ اس کو بھی مرکزی درس گاہ میں ضم کر لیا گیا۔ پانچویں درجہ کا اضافہ کر کے کچھ نئے طلبہ بھی داخل کئے گئے اور اس طرح ان کی مجموعی تعداد ۵۵ ہو گئی۔ رام پور کی مقامی درس گاہ میں شوکت علی صاحب اور عبدالوحید صاحب استادوں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اس لئے اب اساتذہ کی تعداد چار ہو گئی۔ طلبہ کی نگرانی اور ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے دو نگراں حضرات حفیظ المظفر خاں صاحب اور اسلام اللہ صاحب پریمی کا تقرر بھی عمل میں لایا گیا۔ جن کا مشاہرہ بچوں کے سرپرستوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ شعبان میں امتحانات کے بعد درس گاہ پھر ایک ماہ دس دن کے لئے بند کر دی گئی۔

شوال ۱۳۶۹ھ سے نئی میقات شروع ہوئی۔ قدیم طلبہ میں سے تیرہ[۱۳] طالب علم واپس نہ آسکے جن میں زیادہ تعداد ایسے طلبہ کی تھی جو اپنے سرپرستوں کی معاشی مجبوریوں کے سبب درس گاہ میں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ باوجود

کوشش ہم ان کے لئے کچھ نہ کر سکے، مجبوراً اس میقات میں تیرہ طلبہ کا جدید داخلہ کر کے ۵۰ کی تعداد پوری کر لی گئی۔ مجلسِ مشاورت اپریل ۱۹۵۰ء نے طے کیا تھا کہ اگلی میقات میں جماعتِ اول توڑ کر جماعت ششم کا اضافہ کیا جائے کیونکہ طلبہ کی رہائش اور ایک نئے استاد کے تقرر کا انتظام مشکل ہے مگر عملاً ایسا نہ ہو سکا جماعت ششم کا اضافہ تو فطری تدریج سے ضروری تھا۔ جماعتِ اول کے کچھ فیل طلبہ اور جماعتِ دوم کے نئے داخلہ کے کمزور طلبہ کے باعث امیر جماعت کے مشورہ سے جماعت اول بھی برقرار رکھی گئی اور اس جماعت کی تعلیم و تربیت کا بار نگراں حضرات میں سے ایک کے سپرد ہوا۔ اس طرح امسال کل چھ جماعتیں ہیں جن کی تعلیم کے لئے ناظم سمیت کل چار اساتذہ اور دو نگراں۔

طلبہ کا روزانہ پروگرام نماز فجر سے ایک گھنٹہ قبل اٹھ جاتے ہیں۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد دانت مانجھ کر وضو کرتے ہیں۔ جماعت سے نماز فجر ادا کر کے تلاوت کرتے ہیں۔ سردیوں میں ہلکا ناشتہ کر کے تفریح کے لئے باہر جاتے ہیں اور واپس ہو کر کھانا کھاتے ہیں۔ گرمیوں میں واپس آکر ناشتہ کرتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں۔ ایک گروپ باری باری تفریح کے اوقات میں درس گاہ کی صفائی اور ناشتہ کرانے کا انتظام کرتا ہے ناشتہ کے بعد درس شروع ہوتا ہے۔ بارہ بجے کھانے، نماز اور آرام کا وقفہ ملتا ہے۔ پھر سہ پہر کو تعلیم اور حرفہ کا کام ہوتا ہے۔ نماز عصر کے بعد کھیل۔ مغرب کے بعد کھانا، قرأت اور کبھی کبھی اظہار خیال کی مشق ہوتی ہے۔ عشاء کے بعد ایک ڈیڑھ گھنٹہ آزاد مطالعہ اور آموختہ ہوتا ہے۔

سونے سے قبل دن بھر کی مصروفیات کا جائزہ لینے اور محاسبۂ نفس کے لیے طلباءٔ ڈائریاں مرتب کرتے ہیں پھر سو جاتے ہیں، تعطیلات میں تعلیمی سیر و سیاحت اور تفریح کے لیے طلبہ باہر جاتے ہیں کبھی کبھی دیگر مدارس اور کارخانوں وغیرہ کا بھی مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ دُنیا سے باخبر رہنے اور بچوں کے پروگراموں سے استفادہ کرنے کے لیے ریڈیو پروگرام بھی ہوتا ہے۔

تعلیمی کام

(۱) درس گاہ کے اوقات:۔ عام طور پر صبح ۸ ½ سے ۱۲ بجے تک اور سہ پہر کو ظہر اور عصر کے بیچ کے دو ڈھائی گھنٹے درس و تدریس اور حرفہ کا کام ہوتا ہے۔ درمیان میں کھانا، نماز اور آرام کا وقفہ دیا جاتا ہے۔ موسم اور نماز ظہر و عصر کے اوقات میں تبدیلی سے ان اوقات میں بھی جزئی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

(۲) مضامین کی تفصیل:۔ خالص اسلامی علوم یعنی قرآن، حدیث، فقہ، عقائد، اخلاق، معاشرت، تاریخ اسلام اور سیر انبیاء و صحابہ و صلحاء اُمت کے علاوہ عربی، اُردو، ہندی، انگریزی زبانوں اور دیگر معلوماتی مضامین مثلاً تاریخ ہند، جغرافیۂ عالم، ریاضی، عام سائنس، آرٹ کرافٹ وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ان مضامین میں ہمارے یہاں کا معیار سرکاری مدارس سے بلند ہے۔ خالص اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس میں بھی ہم تعلیم کے جدید ترین طریقوں کو کام میں لاتے ہیں۔ اور بچوں کی دلچسپی، عمر، ذہن کی رسائی وغیرہ کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔ دیگر علوم کی تدریس میں بھی اسلامی روح کارفرما ہوتی ہے اور ان مضامین کے عنوانات، مباحث اور اسباق کو اسلامی نظریات پر منطبق کرکے

ذہنوں میں اُتارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غرض جہاں تک ہمارے وسائل ساتھ دیتے ہیں ہم تعلیم کے جدید ترین طریقوں سے استفادہ کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ مختلف تعلیمی طریقوں کو سمجھنے …… اور ان سے استفادہ کرنیکے لیے ہم دوسرے سرکاری وغیر سرکاری ماڈل اسکولوں اور تعلیمی اداروں کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

(۳) قرأت کلاس:۔ ماہ ربیع الاول ۶۹ھ سے درس گاہ کے طلبہ کو قرأت و تجوید سکھانے کا کام قاری عبدالواحد صاحب کے سپرد ہے قاری صاحب موصوف اس کام کو نہایت دلچسپی اور تندہی سے انجام دیتے ہیں سوم، چہارم، پنجم و ششم کے تمام طلبہ اور اول اور دوم کے منتخب طلباء قرأت سیکھتے ہیں۔

حرفے اور دستکاریاں تعلیم و تربیت میں حرفوں کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اس کے لیے اپنے نظام الاوقات میں دو گھنٹے رکھے ہیں اول و دوم میں پھٹے پرانے کپڑوں کی مرمت معمولی سینا پرونا بٹن ٹانکنا، رومال اور ازار بند سینا، جوتے کی مرمت، کاغذ کے پھول اور کھلونے بنانا۔ کتابوں پر کاغذ چڑھا لینا وغیرہ رکھا ہے۔ سوم سے ششم تک مخصوص حرفوں اور دستکاریوں میں مہارت پیدا کرنے اور کچھ مفید و نفع بخش کام سکھانیکی طرف توجہ دی ہے۔ فن کتب سازی یعنی جلد سازی، لفافہ، پیڈ، فائل وغیرہ بنانا درجہ سوم میں سکھایا جارہا ہے۔ چہارم، پنجم، ششم کے طلباء فی الحال تین گروپ میں تقسیم کردیئے گئے ہیں۔ باغبانی گروپ، نجاری گروپ، لانڈری و سلائی گروپ ان تمام کاموں کے ذمہ دار بھی اساتذہ ہیں۔ ان میں بتدریج باقاعدگی آتی جارہی ہے اور بچے دلچسپی اور آمادگی کے ساتھ ان کو انجام دینے لگے ہیں۔

(۴) لکڑی کے کام میں ضروری اوزاروں کی کمی کے باعث ابھی کم بچے ہیں کوشش کی جارہی ہے کہ رفتہ رفتہ ضروری سامان بہم پہونچایا جائے۔ بہرحال کام شروع کردیا گیا ہے اور طلبہ مختلف قسم کی روزمرہ استعمال کی اشیاء مثلاً رِیک یعنی ریوا گیرہ، بیٹھنے کی پیڑھیاں اور بچوں کے کھلونے، گڑیوں کی کرسیاں اور فرنیچر وغیرہ بنانے لگے ہیں فریٹ ورک سکھانیکا بھی اہتمام کرلیا گیا ہے، اس کی دستی مشینیں تو ہمارے پاس ہیں مگر ان سے پلائی وڈ کے علاوہ موٹے تختے نہیں کاٹے جاسکتے اور پلائی وڈ آج کل نایاب ہے اگر بیر کی مشین فراہم ہوگئی تو یہ کام انشاءاللہ زیادہ نفع بخش ہوگا۔

(۲) **باغبانی** } درس گاہ سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ایک احاطہ مِل گیا ہے جس کا کچھ حصہ طلبہ نے محنت کرکے قابل کاشت بنالیا ہے اس میں فصل و موسم کے اعتبار سے مختلف سبزیوں مثلاً آلو، ٹماٹر بیگن، پیاز، لہسن، بیتھی، پالک، خرفہ وغیرہ اور کچھ پھولوں کی کاشت ہوتی ہے پانی کی کچھ عرصہ دقت رہی لیکن اب نل لگ جانے سے یہ دشواری رفع ہوگئی ہے احاطہ کا بیشتر حصہ ابھی کام کا نہیں بن سکا ہے۔ اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش ہے انشاءاللہ وہ بھی کام کا ہو جائے گا۔

(۳) **لانڈری وسلائی** } لانڈری کا کام اچھی طرح چل رہا تھا درسگاہ کے طلبہ کے کپڑے یہی گروپ دھوتا استری کرتا اور ان کا حساب کتاب رکھتا تھا مگر وقت اور جگہ نیز نگراں کی دقت کے باعث کچھ دنوں کے لیے ملتوی کردیا گیا ہے مشین نہ ہونے کی وجہ سے سلائی کا کام باقاعدہ

شروع نہ ہو سکا تھا۔ بچوں کو کٹنگ وغیرہ کاغذ کاٹ کر سکھائی جا رہی تھی اب ایک مشین کا بھی انتظام ہو گیا ہے اُمید ہے جلد ہی اس کام میں بھی باقاعدگی پیدا ہو جائیگی۔

(۴) دیگر مشاغل } انگریزی مٹھائی اور موم بتی بنانے اور انھیں باقاعدگی سے پیک کر کے طلبہ کے ذریعہ فروخت کرا کے بچوں کو خرید و فروخت کا تجربہ اور کاروبار چلانے کی مشق بہم پہونچانے کا خیال ہے مٹھائی بنانے کی ایک مشین ایک رفیق کی عنایت سے حاصل ہو گئی ہے نمونہ کے لئے کچھ مٹھائی بنوا دی گئی ہے مگر شکر کی قلت کے باعث ابھی یہ کام منصوبہ کے مطابق نہیں ہو رہا ہے علاوہ ازیں چارپائی بننا۔ سائیکل چلانا، تیراکی، صابون بنانا وغیرہ بھی ہم وقتاً فوقتاً سکھاتے رہتے ہیں اور بھی بہت سے مشاغل ہمارے پیش نظر ہیں مگر کام کی وسعت، وسائل کی محدودیت، فنی مہارت اور اسٹاف کی کمی کے باعث تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اس قسم کے کاموں کا باقاعدگی کے ساتھ سکھانا فی الحال دشوار نظر آتا ہے۔ خدا کرے ہماری یہ دشواریاں جلد رفع ہوں۔

جسمانی تربیت } درسگاہ کے وسط شہر میں واقع ہونے کے سبب ہمارے طلبہ کو کھلی ہوا بہت کم نصیب ہوتی ہے نیز ہمارے پاس کھیل کے لئے کوئی کشادہ میدان نہیں ہے اور نہ ہم کھیل کے سامان کی فراہمی کا خاطر خواہ انتظام کر سکے ہیں تعلیم و تربیت میں کھیل کی اہمیت کے پیش نظر بہرحال یہ بہت بڑی کمی ہے، تاہم اپنے وسائل کو دیکھتے ہوئے طلبہ کی جسمانی تربیت کی بحد امکان ہم کوشش کر رہے ہیں۔ بعد نمازِ فجر طلبہ کو پابندی سے تفریح کے لئے شہر سے

باہر لیجاتے ہیں جہاں ڈیڑھ دو گھنٹے کھلی ہوا میں انھیں آزادی سے کھیلنے کا موقع ملتا ہے اگرچہ دن کے بیشتر اوقات میں محدود اور بند جگہ رہنے کے سبب طلبہ کی صحت کچھ معیاری نہیں ہے پھر بھی بفضلہ عام صحت اچھی رہتی ہے۔

نمازِ عصر کے بعد کھیل اور P.T کا بھی انتظام کیا گیا ہے مطبخ سے ملحق مکان کا صحن ہموار کرکے والی بال اور رِنگ کی دو فیلڈ بنا دی گئی ہیں جن سے کھیل ایک حد تک منظم ہو گیا ہے۔ کبڈی، دوڑ، کود، کرکٹ اور جمعہ کو چھوٹے بچوں کی کشتی نیز موسم کو ملحوظ رکھ کر تیراکی کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ وقتاً فوقتاً پھلی کے شکار اور پکنک کا بھی انتظام کرتے ہیں۔

اخلاقی تربیت اسلام میں اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ہم سب پر عیاں ہے۔ چنانچہ ہم اس پر تعلیم سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ اخلاقی تربیت کے سلسلہ میں صالح معاشرہ، اساتذہ اور بڑے طلبہ کا بہترین عملی نمونہ، طلبہ میں اخلاقی نقطۂ نظر سے حساس رائے عامہ، اچھا ماحول۔ درسگاہ کی فضا، بچوں میں ندامت کے جذبہ کی نشو و نما، محاسبہ نفس اور ایسے ہمہ وقتی منصوبے جو طلبہ کو فرصت کے اوقات میں لغو ولایعنی باتوں اور کاموں سے محفوظ رکھ سکیں ان سب کو بہت بڑا دخل ہے۔ ہم ان میں سے کسی طرف سے غافل نہیں ہیں۔ طلبہ میں ندامت کا جذبہ پیدا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں، خود اپنی طرف سے بہتر نمونہ پیش کرتے ہیں۔ نگرانی کے لئے اساتذہ اور نگراں دونوں کو ذمہ دار بنا دیا گیا ہے۔ فرصت کے اوقات کو مناسب کاموں پر صرف کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ محاسبۂ نفس کے لئے دن بھر کی مصروفیات پر روزانہ ڈائریاں لکھواتے ہیں۔ درسگاہ کی فضا ہموار اور مناسب رکھنے

کے لئے طلبہ کے اجتماعات خصوصی کرتے ہیں، حاضری کے بعد ضروری ہدایات دی جاتی ہیں اور اچھی عادتوں کی تشویق اور بری عادتوں سے احتراز کیلئے طلبہ کو مستقل اخلاقی درس دیتے ہیں۔ ایک دوسرے پر ہمدردانہ تنقید کا موقع دیتے ہیں اور سوالات کر کے نیز بچوں کے کردار کا جائزہ لے کر اپنی مساعی کے نتائج جانچتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں کھیل کود، اقامتی زندگی کے مختلف مواقع اور درس کے اوقات میں اخلاقی اصولوں کی پابندی اور عملی تربیت پر خاص زور دیتے ہیں تاکہ طلبہ کے ذہن نشین ہو جائے کہ اخلاقی اصول محض زبانی تعلیم دینے اور یاد کرنے کے لئے نہیں ہوتے بلکہ روزانہ کی عملی زندگی میں برتے جانے کیلئے ہوتے ہیں۔

تعاون، ہمدردی، خدمت، صفائی و پاکیزگی وغیرہ کے لئے طلبہ پر انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ اپنے معاشرہ کی اصلاح کے لئے طلبہ کا خصوصی اجتماع ہوتا ہے جن میں وہ اپنی معاشرتی و اجتماعی زندگی کو اخلاقی اصولوں پر ڈھالنے کے اور کمزوریوں کو دور کرنے کے منصوبے سوچتے ہیں ان کی جمعیتہ بھی ہے جو ایک دوسرے کو برے کاموں پر ٹوکتی اور بھلے کاموں پر ابھارتی ہے۔

صحت و صفائی کی بیمار طلبہ کی دیکھ بھال، تیمارداری اور دوا علاج کے لئے نگراں حضرات میں سے ایک صاحب ذمہ دار بنا دیئے گئے ہیں جو ان کی صحت کا جائزہ بھی لیتے رہتے ہیں۔ اونچی جماعت کے طلبہ روزانہ اور نیچی جماعت کے ایک دن ناغہ دے کر غسل کرتے ہیں جبکہ

درسگاہ کی عام صفائی کے بعد طلبہ غسل کرتے ہیں۔ طلبہ کی وقتی اور فوری طبّی امداد کے لئے درس گاہ میں ہومیو پیتھک اور ایلو پیتھک ادویہ موجود رہتی ہیں تاہم ہفتہ میں ایک بار کے لئے ایک مشہور مقامی طبیب کی خدمات اعزازی طور پر حاصل کی گئی ہیں۔ آپ جب تشریف لاتے ہیں تو طلبہ کو حفظانِ صحت کے اصول بھی بتاتے ہیں اور دلچسپ انداز سے خطاب بھی کرتے ہیں۔ بیمار طلبہ کے علاج کے سلسلہ میں ہمارے شفیق اور خوش مزاج حکیم صاحب کی خدمات تو بفضلہ ہمہ وقت حاصل رہتی ہیں بوقتِ ضرورت ڈاکٹری علاج کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ غذا سادہ اور وقت پر دی جاتی ہے اس میں بھی صحت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

عملی تربیت دستکاریوں اور حرفوں کے علاوہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے عملاً واقف ہونے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ جسمانی محنت کا عادی بنانے اور ہر کام پر بے جھجک قادر ہونے کے لئے بچوں کے گروپ بنا دیئے گئے ہیں۔ ہر گروپ باری باری ہفتہ میں ایک دن اقامتی زندگی کے تمام کاموں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کمروں اور احاطہ کی صفائی۔ بچوں کے ناشتہ اور کھانے کا انتظام۔ نالیوں کی صفائی۔ تیمارداری۔ درس گاہ اور سامانوں کی معمولی مرمت، سفیدی کرنا۔ چارپائی بننا وغیرہ طلباء کو سکھایا جاتا ہے طلباء کی قوتوں کو مفید اور نفع بخش کاموں میں لگانے سے جہاں درس گاہ کے نظم و ترتیب میں ہم آہنگی پیدا ہوگئی ہے وہیں خود ان میں اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے اور ہر کام پر بے جھجک قادر ہونے کی صلاحیت بھی پیدا ہو رہی ہے

ان کے اس طرح گروپ بنا دینے سے طلبہ کے کاموں کا جائزہ لینے اور ان کی علمی، اخلاقی اور عملی ارتقاء پر نظر رکھنے میں یک گونہ سہولت پیدا ہو گئی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اس قدر کم اسٹاف کے ہوتے ہوئے ایک ادارہ کو باقاعدہ چلانا ہمارے لئے از بس دشوار ہو جاتا۔ بیش ازیں یہ کہ طلباء کو مختلف کاموں کا ذمہ دار بنا دینے سے ان میں شوقِ کارکردگی، جذبۂ اعتمادی اور احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔ عمومی ذمہ داریوں کے علاوہ بعض طلبہ پر خصوصی ذمہ داریاں بھی ڈالی گئی ہیں مثلاً چھوٹے بچوں کو نماز پڑھوانا، بستر لگوانا۔ سامانوں کی دیکھ بھال، بیرونِ تفریح کے لئے لیجانا، عام صفائی وغیرہ جیسے بچے نہایت تندہی سے انجام دیتے ہیں۔

اظہارِ خیال کی مشق } تحریری و زبانی اظہارِ خیال کی مشق کے لئے ہفتہ میں چار پیریڈ درس کے اوقات میں رکھے گئے ہیں اور مغرب و عشاء کے درمیان بھی اس کا موقع دیا جاتا ہے۔ خود طلباء کے اجتماعات ہوتے ہیں جن میں انھیں تقریر کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

دار المطالعہ بچے } ایک اُستاد کی زیرِ نگرانی بچوں کا دار المطالعہ قائم کیا گیا ہے جس میں الحسنات، فردوس، زندگی، وغیرہ رسائل آتے ہیں جن سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔

بچوں کے قلمی رسائل و اخبارات } بچوں کے حلقۂ ادب کا بھی اجتماع وقتاً فوقتاً ہوتا ہے جس سے انھیں افسانہ ڈرامہ، مقالہ وغیرہ لکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض بچوں کے کام

قابلِ تحسین ہیں طلبہ کے دو قلمی رسالے تحفہ اور صبحِ نو نکلتے ہیں۔ ایک بچہ ہفتہ وار جمعہ جمعہ ایک دو ورقی اخبار نکالتا ہے جس کی پُر لطف اور سنسنی خیز گرم گرم خبریں بچوں کی دلچسپی کا باعث بنتی ہیں۔ الحسنات میں بچوں کی نظمیں وغیرہ بھی شائع ہوتی ہیں۔

کام کا جائزہ اساتذہ سے ڈائریاں لکھوائی جاتی ہیں اور ہفتہ وار انفرادی ملاقاتوں میں ان کے کاموں کا جائزہ لیا جاتا ہے مناسب مشورے اور ضروری ہدایات دی جاتی ہیں۔ طلبا کے ششماہی اور سالانہ امتحانات ہوتے ہیں جن میں علمی کام کے علاوہ عملی، اخلاقی، ذہنی، و جسمانی نشو و ارتقار کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔ اور اس کی رپورٹ سرپرستوں کو بھیج دی جاتی ہے۔

لائبریری طلباء کی درجہ وار لائبریری قائم کی گئی ہے مختلف مضامین کی تقریباً تیس تیس کتابیں منتخب کر دی گئی ہیں جن کے مطالعہ کا طلبہ میں شوق پیدا کرایا جاتا ہے۔ کتابوں اور طلبہ کے ناموں کی فہرست درجہ میں آویزاں رہتی ہے جس میں بچے اپنی پڑھی ہوئی کتاب کے سامنے نشان کر کے تاریخ اختتام لکھ دیتے ہیں اور اختتام کے ایک ہفتہ کے اندر اس پر سوالات کر کے مطالعہ سے استفادہ کا جائزہ لینے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔

عجائب خانہ درس گاہ کا اپنا ایک چھوٹا عجائب خانہ بھی ہے جو تعلیمی ضروریات کے پیشِ نظر ناگزیر ہے اس میں پرانے اور مختلف ممالک کے سکے، ٹکٹ، طبقات الارض سے متعلق پتھروں کے نمونے، سمندر کے بعض نباتات و حیوانات وغیرہ فراہم کی گئی ہیں۔

تعلیمی سامانوں کی تیاری فراہمی کے مختلف مضامین سے متعلق توضیحی و تشریحی چارٹوں، نقشوں اور دیگر تعلیمی سامانوں کی فراہمی و تیاری بھی درس گاہ کے کاموں کا ایک اہم جز ہے ہم اس طرف توجہ دے رہے ہیں۔ انشاء اللہ آہستہ آہستہ یہ کام بھی ٹھیک ہو جائیگا۔ فی الحال کچھ نقشے، چارٹ، ماڈل تیار ہو گئے ہیں، کچھ خرید کر فراہم کئے گئے ہیں جو ہیں تو ناکافی مگر بچوں کے لئے مفید ہیں۔

درسی کتب کے تعلیم و تربیت کے بارے میں ہمارا جو نظریہ رہا ہے اس کے لحاظ سے مروجہ درسی کتب ہمارے لئے مفید نہیں ہو سکتیں اس لئے ابتدا ہی سے یہ مقصد ہمارے پیش نظر رہا ہے کہ اپنے نصاب کے مطابق درسی کتابیں ہم خود تیار کریں۔ ملیح آباد ہی کے قیام میں ہم نے رمضان کی تعطیلات میں جماعت کے ایسے رفقاء کو مرکز طلب کیا جو درسیات کی تیاری میں ہماری مدد کر سکتے تھے مگر ایک ماہ کے قیام کے باوجود کچھ زیادہ کام نہ ہو سکا۔ گزشتہ سال صرف چند کتابیں شائع ہو سکی تھیں۔ امسال مجلس شوریٰ منعقدہ جنوری ۵۱ء نے طے کیا کہ ناظم درس گاہ کو کچھ عرصہ فارغ کر کے درسی کتب اور نصاب مکمل کرایا جائے چنانچہ اس کے پیش نظر تقریباً ایک ماہ کے لیے ناظم درسگاہ کو فارغ کیا گیا اور اب گذشتہ مطبوعات کو بھی نظر ثانی اور کافی ترمیم و اضافہ کے بعد نیز مزید کتب مرتب کر کے پورا سٹ شائع کیا گیا ہے یہ سٹ مندرجہ ذیل کتب پر مشتمل ہے۔

(۱) قاعدہ نسخ و نستعلیق (۲) ہماری کتاب پہلا حصہ (۳) ہماری کتاب دوسرا حصہ ہماری کتاب تیسرا حصہ (۵) ہماری کتاب چوتھا حصہ (۶) ہماری کتاب پانچواں حصہ

(۷) ہماری کتاب چھٹا حصہ ۔
اُردو کے اس سٹ کے ساتھ ساتھ سرسری مطالعہ کے لئے تاریخی اخلاقی کہانیوں کا بھی ایک سلسلہ شائع کیا گیا ہے جو ذیل کی کتب پر مشتمل ہے ۔
(۱) اخلاقی کہانیاں حصہ اول (۲) اخلاقی کہانیاں حصہ دوم (۳) اخلاقی کہانیاں حصہ سوم (۴) اخلاقی کہانیاں حصہ چہارم، آسان کہانیاں ہندی کے سٹ میں بھی ہماری پوتھی پرائمر حصہ اول و حصہ دوم اور حصہ سوم تیار ہیں چہارم بھی زیر طبع ہے نصاب بھی جماعت ششم تک مکمل کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔
آئندہ منصوبے کے لئے آئندہ شوال سے جماعت ہفتم کا اضافہ ہو گا۔ اس کے لئے ایک مزید اُستاد کی تقرری عمل میں آئیگی۔ مطبخ سے ملحق عمارت میں ضروری ترمیم و اضافہ ہو گا تاکہ رہائش اور تعلیم و تربیت کا مسئلہ ایک حد تک حل ہو سکے ۔
۲۔ دستکاریوں اور عملی کاموں میں سے انگریزی مٹھائی بنانا، سلائی۔ موم بتی بنانا اور لکڑی و فریٹ ورک کے کام کو بہتر بنانے کا انتظام کیا جائے گا فی الوقت باغبانی، کتب سازی اور معمولی پیمانے پر سلائی اور لکڑی وغیرہ کا کام بھی انجام پا رہا ہے، لانڈری کا انتظام بھی کیا گیا تھا مگر چند مجبوریوں کی بنا پر گذشتہ ماہ سے کچھ دنوں کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے ۔
۳۔ فیلڈ کا مسئلہ اب تک حل نہیں ہو سکا ہے ۔ یہ ایک بہت بڑی کمی ہے ۔ پی ٹی اور منظم نیز آزاد کھیل کا معمولی انتظام کر دیا گیا ہے جو بہر حال ناقص اور ضرورت کے پیش نظر بہت کم ہے ۔
افضل حسین ۲۵ مارچ ۱۹۵۱ء
یہ نشست ۱۱ بجکر ۴۵ منٹ پر ختم ہو گئی۔

نشست چہارم اس نشست میں مولانا حامد علی صاحب نے تحریک اسلامی اور اس کے مقتضیات کے عنوان پر حسب ذیل تقریر فرمائی

تحریک اسلامی اور اس کے مقتضیات

خطبۂ مسنونہ کے بعد :-

یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ ہم نے بامقصد زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے جبکہ اس دنیا میں بے شمار انسان ایسے ہیں کہ جن کی زندگی کا کوئی شعوری مقصد نہیں ہے۔ اور اس سے بڑا فضل یہ ہے کہ ہم نے جس چیز کو مقصدِ حیات کے طور پر اپنایا ہے وہ کوئی معمولی اور حقیر چیز نہیں دنیا کی سب سے اہم، سب سے ارفع سب سے مقدس چیز ہے، بلکہ حقیقت میں، انسانی زندگی کا وہی ایک صحیح مقصد ہے اور اس سے نوع انسانی کی دنیوی و آخروی فلاح وابستہ ہے ـــــ یہ مقصد ہے اقامت دین یعنی اللہ کے دین کو قائم کرنا۔ ہم نے اقامت دین کو مقصد حیات کے طور پر اپنایا ہے اور اس وقت ملک کے دور دراز گوشوں سے ہم یہاں یہی جائزہ لینے کے لئے جمع ہوئے ہیں کہ ہم نے اس مقصد کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کیا ہے اور اس راہ میں ہم کو کتنا اور کس طرح آگے بڑھنا ہے۔

"اقامتِ دین،، کہنے میں دو لفظ ہیں لیکن ان کا مفہوم اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ اس کی پہنائیوں میں ایک طرف انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی آجاتی ہے۔ دوسری طرف تمام عالم انسانی پر اس کا دائرہ محیط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ دنیا کا سب سے دشوار و نازک تر کام ہے۔ یہ بات میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ دشواریوں کا احساس آپ کو پسپائی اختیار کرنے کی طرف مائل کردے، بظاہر

بات ہے کہ صحیح مقصد کو چھوڑ کر آپ غلط مقصد کو آسانیوں کی خاطر اختیار نہیں کر سکتے ۔ مقصد کی وسعت، دشواری اور نزاکت کا، اس لئے ذکر کر رہا ہوں تاکہ آپ کو اس کی گراں ذمہ داریوں کا بخوبی احساس ہو جائے اور پھر اسی کے مطابق آپ اپنی توجہات اور مساعی کو مقصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مرکوز کر دیں۔

اقامتِ دین کے سلسلہ میں سب سے اہم اور مقدم کام یہ ہے کہ آپ دین کو اپنی زندگیوں میں قائم کریں۔ اس سلسلے کا سب سے کٹھن کام بھی یہی ہے، اسلام کی حمایت میں مقالات لکھنا، تقریریں اور تنقیدیں کرنا آسان ہے لیکن دین کو اپنی زندگی میں جاری و ساری کرنا بہت دشوار اور کہیں مشکل، اگر دنیا میں اللہ کا دین قائم وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنی زندگیوں میں اسے قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ دین کو قائم کرنے کا کام کوئی نیا کام نہیں ہے، انبیاء کرام علیہم السلام اسی مقصد کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں۔ اور ان کے مقدس ساتھیوں نے اسی کو مقصدِ حیات بنایا تھا۔ ان برگزیدہ انسانوں کی سیرتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی جدوجہد کے سلسلہ میں ان کا پہلا کام یہی ہوتا تھا کہ سب سے پہلے وہ اس دین کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں اس طرح جذب کرتے تھے کہ وہ خود اس کا بہترین نمونہ بن جاتے تھے۔ وہ تمام حرکات وسکنات میں اللہ کے احکام کی کامل پیروی کرتے اور اللہ کی بندگی کا جو کام بھی کرتے انتہائی حسن وخوبی اور ذوق وشوق سے کرتے اور اس سلسلے میں اپنے نفس کو کسی قسم کی ڈھیل دینا گوارا نہ کرتے اور اس طرح کی ڈھیل کو اپنے لئے سب سے

زیادہ ہلاکت کا باعث خیال کرتے حق پرست اور نام نہاد مصلحین کے طرزِ اصلاح میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے۔

اس سلسلے کا پہلا کام یہ ہے کہ آپ اللہ کے حضور اپنی جوابدہی کا تصور کر کے مسلسل احتساب کرتے رہیں کہ آپ دین کی کس حد تک پیروی کر رہے ہیں۔ اس احتساب کے بغیر آپ کو صحیح اندازہ نہ ہو سکے گا۔ انسان کا وقت بسا اوقات اسے دھوکے میں رکھتا ہے اور دوسروں پر تنقید کرنے اور ان تک دعوت پہنچانے میں انسان بہت دفعہ اپنی ذمہ داریوں کو فراموش کر دیتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ آپ آخرت کی ہولناکیوں کو پوری طرح یاد کر کے اپنا کڑا احتساب کرتے رہیں اور مسلسل اپنے اوپر نظر رکھیں، اسی طرح آپ دین کو قائم کر سکیں گے اور اسی طرح آپ یوم الحساب سے پہلے خود اپنا حساب کر کے اپنے آپ کو روزِ کی ندامتوں اور تلخ کامیوں سے بچا سکیں گے۔

اس سلسلہ کی دوسری چیز اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ کتاب و سنت کے مطالعہ سے یہ بات آپ پر اچھی طرح روشن ہو گی کہ اقامتِ صلوٰۃ دین کا بنیادی اور اہم ترین حکم ہے۔ ایمان کے بعد پورے دین کی عمارت اس پر قائم ہے اور اللہ کی کامل بندگی اور حق پر صبر و استقامت کے لئے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں اس لئے جب تک آپ نماز قائم نہ کریں گے نہ اپنی زندگی میں دین قائم کر سکتے ہیں نہ دنیا میں دین کو غالب کر سکتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ہم سب نماز پڑھتے ہیں لیکن اقامتِ صلوٰۃ کے معنی صرف نماز پڑھنے کے نہیں ہیں۔ اقامتِ صلوٰۃ کے معنی ہیں نماز پابندی سے صحیح وقت پر، جماعت سے پڑھنا، اور سب سے بڑی بات یہ کہ خشوع

اور عاجزی سے پڑھنا فہم و شعور کے ساتھ پڑھنا، اس تصور کو بیدار رکھتے ہوئے ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہماری تمام حرکات و سکنات دیکھ رہا ہے، اس احساس کے ساتھ ادا کرنا کہ ہم اللہ سے عہد کر رہے ہیں اور اس عہد کو ہمیں نماز سے فارغ ہو کر پورا کرنا ہے اور اللہ کو اس کا جواب دینا ہے، اس شعور کے ساتھ قیام و رکوع و سجود کرنا کہ ہم اللہ کے آگے انتہائی عاجزی کر رہے ہیں اور اسی عاجزی کا ثبوت ہمیں اپنی پوری زندگی میں دینا ہے، یہ اور اس طرح کے تمام ظاہری و باطنی آداب و شرائط کے ساتھ نماز ادا کرنا اقامتِ صلوٰۃ ہے اور اس طرح نماز ادا کرنے میں ہم جتنے کامیاب ہوتے جائیں گے اسی قدر ہم دین کو قائم کرنے میں کامیابی حاصل کرتے جائیں گے ـــــ دین پر جمنے کے لئے انسان کا اپنا عزم (صبر) اور نماز دو بنیادی چیزیں ہیں جن کی طرف کتاب و سنت میں بار بار رہنمائی کی گئی ہے۔

آپ اپنے مقصد کو شہادتِ حق کے الفاظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور خود قرآن پاک نے شہادتِ حق کو امتِ مسلمہ کا مقصدِ زندگی قرار دیا ہے۔ یہ دو لفظ اپنے اندر بے پناہ وسعتیں رکھتے ہیں، ان کی وسعتوں کو سمجھئے اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کیجئے۔ شہادتِ حق کا مفہوم اس کے سوا کیا ہے کہ آپ اپنے پورے وجود سے حق کی گواہی دیں۔ آپ کی پوری زندگی اسلام کا نمونہ ہو، اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلام کیا احکام دیتا ہے اور انسان کو کس سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے تو اس چیز کو وہ آپ کے اقوال سے، اعمال اور آپ کی حرکات و سکنات سے معلوم کر لے، آپ جہاں

کہیں ہوں جس حال میں ہوں اور جو کچھ بھی کر رہے یا سوچ رہے ہوں وہ احکام خداوندی کے عین مطابق اور اسوۂ رسول کی صحیح پیروی پر مبنی ہو۔ دوسرے الفاظ میں آپ میں سے ہر شخص اسلام کا چلتا پھرتا مجسمہ ہو۔ پھر آپ کے ذہن میں اسلام کا کوئی محدود تصور نہیں ہے۔ آپ اسلام کو ایک ایسا دین سمجھتے ہیں جو بلا استثناء انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے اور آپ اس پورے نظام زندگی کو قائم کرنا اور اس کی شہادت دینا چاہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ آپ عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، تعلقات اور معیشت و سیاست غرض تمام امور میں اپنی زندگی سے اسلام کا صحیح نمونہ پیش کریں اور لوگوں سے اللہ کی کامل اطاعت میں داخل ہونے کا مطالبہ کرتے کے ساتھ ساتھ خود اس مطالبہ کو پورا کرنے کی ہر لحظہ پیہم جد و جہد کریں۔ اس جد و جہد کے بغیر آپ کی دعوت بے اثر اور مضحکہ خیز ہو کر رہ جائے گی اور آپ کے قول و عمل کا تضاد آپ کو کہیں کا نہ رکھے گا۔

اس مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ آپ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کا زیادہ سے زیادہ علم ہو اور آپ یہ جانتے ہوں کہ مختلف معاملات و مسائل میں اسلامی احکام کیا ہیں اور کیا چیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کس درجہ میں مطلوب و محبوب ہے —— ظاہر ہے کہ اس علم کے بغیر کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ آپ اللہ کے دین کی صحیح گواہی دے سکیں۔ اس کے لئے اس سے بھی زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی حقیقۃً آپ کی پوری زندگی کے مقصود اصلی بن جائیں یہی دو چیزیں جو حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی ہیں، ہر وقت آپکے سامنے ہوں، جو کام

جو بات یا جو ارادہ بھی کریں اسی لئے کریں کہ آپ کا مالک و آقا آپ سے راضی ہو اور آپ اس کے اجر و انعامات کے مستحق بن سکیں۔ یہ جذبہ جتنا زیادہ آپ پر طاری ہوتا جائیگا اور جس قدر آپ اپنے کاموں میں اس کا شعور اور التزام کر سکیں گے، اسی قدر آپ دین کی صحیح گواہی کے لئے تیار ہو سکیں گے اور اسی قدر آپ کی تمام زندگی بندگی میں اور آپ کے جملہ اعمال و اقوال "عمل صالح" میں تبدیل ہونے جائیں گے۔ عمل صالح ہر اس کام کو کہتے ہیں جو اللہ کی رضا کی خاطر کیا گیا ہو اور جو احکام خداوندی اور اسوۂ رسول کے مطابق ہو۔ اگر یہ دونوں باتیں موجود ہیں تو آپ کے وہ کام بھی جن کو عام طور پر دنیوی کام سمجھا جاتا ہے نیکی قرار پائیں گے اور ان سب پر آپ اجر کے مستحق ہوں گے لیکن اگر یہ دو باتیں نہ ہوں گی تو بڑی سے بڑی نیکی بھی بندگی نہیں ہے اور اس پر کسی اجر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

آپ اپنے اس کام کو تحریک اسلامی کے نام سے موسوم کرتے ہیں ــــ یہ لفظ اگرچہ نیا ہے مگر اپنے مفہوم کے لحاظ سے پرانا ہے ــــ ضرورت ہے کہ آپ تاریخ کے مقتضیات کو اچھی طرح جان لیں۔ اور ان کے پورا کرنے کی دھن میں لگ جائیں۔

تحریک خود اپنے لفظ ہی کی رو سے حرکت اور جد و جہد کا تقاضا کرتی ہے۔ جب تک چند افراد کسی مسلک کو ذاتی طور سے اختیار کئے رہتے ہیں اور اس کے لئے کسی خاص سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کرتے، اسے مسلک کہا جاتا ہے اور جب اسے سامنے رکھ کر سعی و عمل کا ایک مربوط و منظم سلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے تو ہم اسے تحریک کہتے ہیں۔ اسلام کو ایک تحریک کے طور پر اختیار کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے لئے

تفہیم اور شدید جدوجہد کی جائے ورنہ تحریک کے بجائے اسے "جامد مسلک" کہنا زیادہ موزوں ہوگا تو کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں کہ اس تحریک کو جس کے لئے آپ نے اپنا سب کچھ لگا دینے کا فیصلہ کیا ہے جامد مسلک بن جانے دیں، اگر آپ تحریک کو اس طرح کے کسی خطرناک انجام سے دوچار نہیں کرنا چاہتے تو تحریک کو تحریک کی طرح چلانا ہوگا اور سراپا حرکت اور مجسم عمل بننا ہوگا۔ ورنہ یہ سارا کام محض دماغی عیاشی یا لفظی فلسفہ بن کر رہ جائے گا۔

آپ جس دنیا میں اپنی تحریک کو سربلند کرنا چاہتے ہیں اس میں بے شمار دوسری تحریکیں چل رہی ہیں اور ہر تحریک کوشاں ہے کہ اوروں سے بازی لے جائے اور ساری دنیا پر وہی چھا جائے۔ ان تحریکوں کے علم بردار جو کچھ کر رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے جس سرگرمی سے وہ ایک ایک شخص تک اپنی بات پہنچاتے ہیں جس دھن کے ساتھ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں جس شوق اور ولولہ کے ساتھ وہ اپنے نصب العین کے لئے اپنی زندگیوں اور اپنے جان و مال کی بازی لگاتے ہیں جس انہماک و یکسوئی کے ساتھ وہ اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی ذہنی، عملی اور قولی صلاحیتوں کو مسلسل خرچ کرتے رہتے ہیں اور جس صبر و ثابت قدمی کا وہ ہر ہر قدم پر مظاہرہ کرتے ہیں اس سب سے کون شخص بے خبر ہے؟ تو کیا آپ ان اوصاف میں ان سے آگے بڑھے بغیر کامیاب ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں، تو سوچئے کہ آپ کو کیا کچھ کرنا ہے اور آپ کیا کچھ کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر آپ اپنا جائزہ لیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ اتنے زیادہ پیچھے ہیں کہ اپنی موجودہ سعی و عمل سے

کسی طرح بازی جیتنے کا تصور نہیں کر سکتے۔ تو کیا آپ اس پر قانع و خوش ہیں؟

اگر نہیں تو اٹھیے، اپنی تن آسانیوں اور راحت طلبیوں کو خیرباد کہیئے، اپنے دنیوی مشاغل کو مختصر کیجئے، فضولیات سے اپنے اوقات کو پاک کیجئے اور پوری سرگرمی و انہماک کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگ جائیے گھر کے اندر گھر کے باہر، محلہ اور بستی میں اور ملک کے اطراف و جوانب میں جہاں کہیں موقع ملے، اپنی آواز پہنچائیے، پہنچاتے رہیئے، دلائل و شواہد کے ساتھ علمی و فکری تائیدات کے ساتھ اپنی دعوت پیش کیجئے اور لگاتار پیش کرتے رہیئے، یہاں تک کہ یہ کام آپ کی زندگی کا ضمیمہ نہیں سب سے بڑا اور سب سے اہم مشغلہ بن جائے جس میں آپ کا زیادہ سے زیادہ وقت اور قوت صرف ہو بڑھتے اور بڑھ کر اس راہ کی ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے استقبال کیجئے۔ مخالفتیں ہوں بدگمانیاں ہوں، سیاسی و معاشی پریشانیاں ہوں، کچھ بھی ہو آپ اس راہ میں برابر آگے بڑھتے چلے جائیے جسے آپ راہِ راست سمجھتے ہیں اور جس پر چلنے میں آپ اپنی، اپنی قوم کی، اپنے ملک کی اور تمام دنیا کی فلاح کا یقین رکھتے ہیں، آپ کو اس مقصد کے لئے ہر طرح کا ایثار کرنا ہوگا۔ وقت کا ایثار، دولت کا ایثار، مفادات کا ایثار، راحت و آرام کا ایثار، توقعات اور شاندار مستقبل کا ایثار اور آپ اس ایثار میں جس قدر آگے ہوں گے اسی قدر تحریک کے لئے مفید ہوں گے اور اتنا ہی آپ اس کا حق ادا کر سکیں گے۔

تحریک کا دوسرا لازمی جزو اجتماعیت ہے تحریک کہتے ہی اجتماعی جدوجہد کو ہیں اور کسی تحریک کی کامیابی و ناکامی میں جتنا دخل جدوجہد کی بیشی و کمی کو ہے

اجتماعیت کے استحکام وضعف کا مقام اس سے کم نہیں۔ یوں بھی یہ دور پچھلے تمام ادوار کے مقابلہ میں بہت زیادہ اجتماعی ہے اس میں ہر نظام اور تحریک کا اجتماعی پہلو بہت ابھرا ہوا ہے۔ آج ہر باطل انتہائی منظم ہے، ہر شر اجتماعی قوت رکھتا ہے، ہر فساد تنظیم کے ساتھ سامنے آتا ہے، اس لئے اگر آپ باطل کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں اگر آپ شر و فساد سے دنیا کو پاک کرنا چاہتے ہیں اور خیر و صلاح سے عالم انسانی کو معمور دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ حق کے علمبردار اور خیر و صلاح کے داعی ہونے کے ساتھ ساتھ انفرادیت کو چھوڑ کر اجتماعیت اختیار کریں اور اجتماعی استحکام، اطاعت امر اور ڈسپلن میں اہل باطل سے سبقت لے جائیں۔

یہ ایک واضح و روشن حقیقت ہے اور خود اسلام بھی اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، وہ انتشار و تشتت کی زندگی کو جاہلیت کی زندگی بتاتا ہے، وہ اہل حق کے لئے اجتماعی زندگی کو لازمی قرار دیتا ہے وہ انھیں ہدایت کرتا ہے کہ وہ ہر طرح کے تفرقہ و انتشار سے بچیں۔ وہ الجماعت سے انحراف کرنے والے کو جہنمی قرار دیتا ہے اور اہل حق کی جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے کی سزا قتل تجویز کرتا ہے، وہ اس بات کا ہرگز روادار نہیں ہے کہ حق پرستوں میں ذاتی، خاندانی، نسلی، اور طبقاتی عصبیتیں پھیلیں اور امت مسلمہ کا شیرازہ منتشر کر دیں۔ وہ ہر روز پانچ وقت نماز میں ایک امام کی کامل اطاعت اور اس کے اقتدا میں کندھے سے کندھا ملا کر اللہ کی بندگی کی مشق کراتا ہے۔ تاکہ اہل ایمان اپنی زندگی میں اس اجتماعیت کے عادی بن سکیں، وہ ان تمام عادات و اطوار، اقوال و اعمال

اور جذبات و خیالات کو پروان چڑھاتا ہے اور ان کی تاکید و تلقین کرتا ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے جوڑتے، ان میں محبت پیدا کرتے اور انھیں ایک امت بناتے ہیں اور ان تمام باتوں اور کاموں اور قلبی رجحانات سے سختی کے ساتھ روکتا ہے جو تعلقات کو بگاڑتے اور ناچاقی کا کسی حد تک بھی باعث بنتے ہیں۔ پھر وہ صراحت کرتا ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں اطاعت امر بھی فیصلہ کن مقام رکھتا ہے اور اگر اس کے تقاضے پورے نہ کئے گئے تو اہلِ حق حق پر ہونے کے باوجود اہل باطل کے ہاتھوں مات کھا سکتے ہیں۔

پھر جیسا کہ عرض کیا جا چکا اجتماعیت بھیڑ کی طرح جمع ہونے کا نام نہیں ہے، اجتماعیت، نظم، ڈسپلن اور اطاعت امر کا نام ہے، ان اوصاف کے بغیر اجتماعیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اسلام کی اجتماعیت تو اور بھی بلند ہے دنیا کے دوسرے نظام خارجی اصلاح چاہتے ہیں اس لئے وہ دلوں کی اجتماعیت کے بجائے خارجی اجتماعیت پر قناعت کر لیتے ہیں۔ پھر وہ زندگی کے کسی ایک گوشہ کو اپنی توجہات کا مرکز بناتے ہیں۔ اس لئے وہ مخصوص اوقات اور مخصوص کاموں میں اجتماعیت کے مظاہرے کو کافی سمجھتے ہیں اور اس کے بعد انسان کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اسلام ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح چاہتا ہے اس لئے وہ ظاہری اجتماعیت سے پہلے ضروری سمجھتا ہے کہ دلوں میں باہم ہم آہنگی و الفت پیدا ہو، ہر مومن دوسرے مومن سے محبت کرے، اس کا خیر خواہ ہو اور اس کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہو۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ ہر مومن نظم کی پابندی دل و جان سے کرے۔ قلب کی انتہائی گہرائیوں سے اپنے اولی الامر کا

تابع فرمان ہو اور ہر چیز سے زیادہ اللہ و رسول اور اہل ایمان کے نظامِ اجتماعی کا وفادار و جان نثار ہو۔ اور قرآن کے الفاظ میں تمام اہلِ ایمان "بنیانِ مرصوص" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق "جسدِ واحد" کے مانند ہو جائیں۔

پھر اسلام پوری زندگی پر محیط ہے اس لئے وہ چند اجتماعی مظاہر وں پر راضی نہیں ہو سکتا، وہ ٹھوس اور ہمہ وقتی اجتماعیت چاہتا ہے، وہ ایک مومن کو دوسرے مومن سے ہر وقت مربوط دیکھنا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ کسی وقت بھی مسلم سوسائٹی اطاعت امر سے منحرف نہ ہو پوری مسلم سوسائٹی وحدت میں .... تبدیل ہو جائے۔ یہ ہے اسلامی اجتماعیت۔ اور اگر آپ کو حق کی سربلندی مطلوب ہے اور اسلام کے بنیادی تقاضے پورے کرنا آپ کے پیش نظر ہے تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ سرگرمیٔ عمل اور پیہم جدوجہد کے ساتھ ساتھ پوری طرح اس اجتماعیت کو بھی اختیار کریں اور رسمی اجتماعیت کو خیرباد کہہ کر حقیقی اجتماعی اوصاف کی نشو ونما کی فکر میں لگ جائیں۔

تحریک کے ان دونوں تقاضوں کو آپ اسی وقت پورا کر سکتے ہیں کہ دینی جد وجہد اور اسلامی اجتماعیت کے سلسلے کے احکام آپ کے پیش نظر ہوں اطاعت امر، نظم جماعت، حقوق العباد، اخلاق و معاملات و تعلقات کے سلسلے کے احکام کو خصوصیت سے سامنے رکھئے اور ان پر ٹھیک ٹھیک عمل کیجئے کہ اسی طرح حقیقی اجتماعیت پیدا ہو سکتی ہے اور اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کو بار بار یاد کرے، کتاب و سنت کا مطالعہ پورے شغف و انہماک اور عقیدت و محبت کے ساتھ رہنمائی و ہدایت کے لئے کرے

اطاعتِ خدا و رسول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے
اللہ کی یاد اور آخرت کی یاد سے اپنے دلوں کو معمور کرے اور اپنی زبان کو ذکرِ
الٰہی سے تر رکھے کہ یہی چیزیں اس راہ کا حقیقی توشہ اور ضروری سامانِ سفر
ہیں اور ان کے بغیر اس راہ میں صحیح طور پر ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکتا۔

آخر میں میں اپنے رفقاء کو ایک خطرناک حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں
آج زمین پر اربوں انسان بستے ہیں، ان کی زندگیاں آپ کے سامنے ہیں۔
ظلم، فساد، شر، کفر و شرک، الحاد، بربریت، بہیمیت، بے حیائی و اخلاق فروشی
اور مکروفریب کی گرم بازاری جیسی کچھ اس دور میں ہے غالباً کبھی نہ ہوئی ہوگی۔
اب ذرا میدانِ حشر کو تصور میں لائیے، سب لوگ رب العالمین کے حضور
کھڑے اپنے اعمال کی جوابدہی میں مصروف ہیں، اس دور کے انسان پیش ہوتے
ہیں، سخت ترین جرائم کے مرتکب اور سخت ترین سزا کے مستحق، کیا یہ لوگ
یہ نہ کہہ سکیں گے کہ پروردگار ہم انتہائی قصور وار ہیں لیکن ہم کیا کرتے ہمارے
سامنے ایمان کی روشنی نہ تھی ہم صلاح و فلاح کا قانون نہ جانتے تھے۔
ہمیں اخلاق و نیک عمل کی خبر نہ تھی۔ جو لوگ تیرا قانون اپنے پاس رکھتے
تھے، انھوں نے ہم تک اس قانون کو نہیں پہنچایا اور نہ ان کی زندگی اور
ان کی سرگرمیوں سے ہم اس قانون کو جان سکے، وہ تو انھیں بداعمالیوں،
بداخلاقیوں اور انھیں نظریات و افکار کا شکار تھے جن کا ہم شکار تھے پھر ہم
کیسے جانتے کہ تیرا دین کیا ہے اور اس پر کیسے عمل ہوتا ہے آپ کا کیا خیال ہے؟
کیا اس کے بعد شہداء علی الناس ہونے کے لحاظ سے مسلمانوں سے بازپرس نہ ہوگی؟

یہ باز پرس اگر ہوئی تو عامۂ مسلمین یہ عذر پیش کر سکیں گے کہ بار الٰہا ہمیں تیرے دین کا صحیح علم حاصل نہ تھا کہ ہم اس پر عمل کرتے اور اسے دوسروں تک پہنچاتے، ہمارے علماء اور ہمارے مذہبی و سیاسی پیشواؤں نے ہمیں اس علم سے محروم رکھا اس لئے ہم سے زیادہ ان سے باز پرس ہونی چاہیئے اور ہماری کوتاہیوں میں جتنا ان کا حصہ ہے اتنی سزا انھیں بھی ملنی چاہیئے۔۔۔ آپ اگر یونہی سوچتے جائیں تو یہ سلسلہ ان لوگوں پر آکر ختم ہوگا جنھیں دین کے تقاضوں کا بخوبی علم تھا اور جنھوں نے شعور و یکسوئی کے ساتھ پورے دین پر عمل کرنے اس کی دعوت دینے اور اسے قائم کرنے کا عہد کیا تھا کیونکہ یہی پوری زمین کا نمک تھے اس اندھیری نگری میں یہی روشنی کا چراغ تھے حق کا بیش بہا سرمایہ اپنی اصل شکل میں انھیں کے پاس محفوظ تھا اور اس کی ذمہ داریاں ان پر آشکارا تھیں اور انہوں نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو نذر کر دینے کا مصمم عزم کیا تھا۔ اب اگر اس مختصر سے گروہ نے دنیا کی ہولناک اور ہمہ گیر بگاڑ کو سامنے رکھ کر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی ان تھک کوشش کی تھی، اگر اس نے حق کا پیغام پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اگر اس نے اطاعت حق اور شہادت حق کا حق ادا کرنے کی پیہم جد وجہد کی تھی اور اگر اس نے وہ سب کچھ کر ڈالا تھا جو وہ کر سکتا تھا تو وہ گروہ عند اللہ بری الذمہ اور مستحق اجر ہوگا اور دنیا اپنی کوتاہیوں پر پکڑی جائے گی لیکن اگر اس مختصر سے گروہ نے بھی شہادت حق کا حق ادا نہ کیا اور دنیا یوں ہی بھٹکتی رہی تو آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا دنیا کی ضلالت و گمراہی کی سب سے زیادہ ذمہ داری اسی گروہ پر نہ آئے گی؟

پھر آپ سوچئے کہ کیا کسی انسانی گروہ میں بھی اس بارِ گراں کو اٹھانے کی سکت ہے۔ کیا اس کی اپنی کوتاہیاں اور لغزشیں جوابدہی کے لئے کچھ کم ہیں جو اتنی وسیع دنیائے انسانیت کے کفر و شرک، فسق و الحاد اور ظلم و فساد کی جوابدہی اس کے سر آتی ہے؟ — یقین جانیئے وہ مختصر گروہ آپ ہی ہیں۔ وہ آپ ہی ہیں جنھیں اس دورِ ضلالت و جہالت میں اللہ کے فضل سے دین کے تقاضوں کا بخوبی علم ہے اور وہ آپ ہی ہیں، جنھیں اللہ نے توفیق دی ہے کہ اس کی کامل بندگی اور اس کے دین کی دعوت و اقامت کا سرفروشانہ عہد کریں۔ تو کیا اس عہد کی ذمہ داریاں آپ کو یاد رہتی ہیں، کیا روزِ جزا کی جوابدہی کا یہ ہولناک نقشہ آپ کی نظروں میں بار بار آتا ہے اور کیا آپ نے ان عظیم ہولناکیوں سے بچنے کے لئے خاطر خواہ تدابیر اختیار کر لی ہیں؟ آیئے اس "کل" کے بچاؤ کے لئے آج کا تمام سرمایہ ہم لگا دیں اور دائمی مستقبل کی نجات و فلاح کے لئے اپنا سب کچھ کھپا دیں ...... کہ مہلت محدود ہے اور کام بہت اور ہماری زندگی کا انجام نہایت خطرناک ہے یا انتہائی مسرت انگیز! وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ!

اب میں کچھ باتیں اپنے ان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں جو جماعت کے رکن نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمارے سامنے ہمدرد آتے ہیں جو ہم سے پوری طرح متفق ہیں اور ہمارا کام بھی کر رہے ہیں مگر اپنے آپ کو جماعت کے حوالے نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ بھلا ئی کا کام ہے اور وہ ہو ہی رہا ہے تو جماعت میں شامل ہونا کیا ضرور ہے؟ میں ان سے عرض کرونگا کہ

اسلام اجتماعیت کا طالب ہے اور اجتماعیت کا جو مفہوم ہے وہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے اس لئے آپ اجتماعی زندگی اختیار نہ کر کے اسلام کے ایک اہم مطالبہ کو فراموش کر رہے ہیں اور دین کے ایک بنیادی تقاضے سے دانستہ صرفِ نظر کر رہے ہیں آخر یہ جرأت آپ کس طرح کر رہے ہیں ؟ بعض ہمدرد خیال کرتے ہیں کہ ان میں کچھ خامیاں ہیں اس لئے بہتر یہی ہے کہ وہ نظم جماعت سے علیحدہ رہیں، میں ایسے دوستوں سے عرض کروں گا کہ اجتماعی زندگی سے فرار کے لئے یہ عذر صحیح نہیں ہے خامیاں اگر بنیادی ہیں تو انھیں فوراً دور کیجئے۔ جماعت میں داخل ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، وہ تو آپ کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے دور کرنا ہی ہیں، اور فوراً دور کرنا ہیں کیونکہ ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم کہ اس کی مہلت عمر کب تک ہے اور کب وہ اچانک ختم ہو جائے اس لئے ان خرابیوں کو عذر بنانے کے بجائے ان کو دور کر کے اجتماعی زندگی اختیار کیجئے اور اگر وہ جزوی خرابیاں ہیں تو وہ اجتماعی زندگی اختیار کرنے میں مانع نہیں ہیں، یہ دائرہ کاملین کا دائرہ نہیں ہے کہ تمام خامیوں سے پاک ہو کر انسان اس میں شامل ہو سکتا ہو، ہم میں سے ہر شخص ناقص ہے اور ہم نے یہ اجتماعیت اختیار ہی اس لئے کی ہے کہ ہم مل جل کر ایک دوسرے کی خامیاں دور کر سکیں۔ آپ بھی اس اس سے فائدہ اٹھائیے ـــــ یہ باتیں میں صرف اُن لوگوں سے عرض کر رہا ہوں جو جماعت کی ہر ہر بات سے پوری طرح متفق ہیں، اس کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ میں ان پر اجتماعی زندگی کی اہمیت واضح کر رہا ہوں، میں عام طور پر جماعت میں

داخل ہونے کی دعوت نہیں دے رہا ہوں

پھر کچھ ایسے دوست بھی موجود ہیں کہ جو ہم سے اتفاق رکھتے ہیں لیکن یہ اتفاق زبانی حدود سے نکل کر عمل کی دنیا تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ میں ایسے دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر کرنے کا کام یہی ہے تو پھر اس کے کرنے کا وقت کب آئے گا؟ کیا اس وقت کے حالات آپ کو عمل پر ابھارنے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ کیا ہر سو پھیلی ہوئی تاریکی آپ کو دعوتِ ضیا پاشی نہیں دیتی؟ کیا گمراہی کا شدید تسلط آپ کے احساسِ ذمہ داری کو بیدار نہیں کرتا ہے۔ کیا آپ اس وقت کام کا حوصلہ فرمائیں گے جب کام کا زمانہ ختم ہو جائے گا؟ کیا آپ کی حق پرستی اس وقت جوش میں آئے گی۔ جب باطل کا تسلط مکمل ہو جائے گا؟ کیا آپ اپنی اور دنیا کی اصلاح کی فکر اس وقت فرمائیں گے جب دنیا تباہی کی نذر ہو چکی ہو گی اور اس کے ساتھ آپ بھی؟ کیا آپ کو اس کا اندیشہ نہیں کہ آپ کی سہل انگاری کہیں آپ کی مہلتِ عمل اور مہلتِ عمر کو ہمیشہ کے لئے ختم نہ کر دے؟ برائے خدا سوچئے کہ آپ کا یہ رویہ کہاں تک آپ کے لئے صحیح ہے اور آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے آخر کس دن کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ براہِ کرم تحریک کو پھر سمجھئے، اس کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح ذہن نشین کیجئے۔ کتاب و سنت کا گہرا مطالعہ کیجئے اور ان سے اسلام و ایمان کے تقاضوں کو معلوم کیجئے، اور اپنے عزم و ایمان کو مستحکم کر کے دین کے اعلاء کے کام میں لگ جائیے۔

کچھ ایسے دوست بھی ہیں جو تلاشِ حق میں یہاں آئے ہیں، ہم ان کے

اس جذبہ کی قدر کرتے ہیں، ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ صرف اسی اجتماع کو کافی نہ سمجھیں۔ ہمیں سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ اسے پڑھے بغیر تحریک کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا مشکل ہے میں ان سے یہ بھی عرض کروں گا کہ وہ اس معاملہ میں زیادہ مدت نہ لگائیں، اپنی پہلی فرصت میں اس کام سے فارغ ہو لیں، زمانہ کی رفتار بہت تیز ہے، حالات بڑی سرعت کے ساتھ بدل رہے ہیں۔ پتہ نہیں کب تک حالات کام کرنے کا موقع دیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ جلد اپنا مقام متعین کر لیں۔ اس مطالعہ کے بعد اگر آپ ہم سے پوری طرح متفق نہ ہو سکیں یا ہماری خامیوں کی بنا پر اعتماد نہ کر سکیں تو ہماری مخلصانہ درخواست یہ ہے کہ آپ دل شکستہ یا بر افروختہ ہو کر نہ بیٹھ رہیں، اپنے طور پر دین کے کام کو انجام دینے میں سرگرمی سے لگ جائیں۔ ہماری خامیوں اور غلطیوں سے آپ کی ذمہ داریاں تو کم نہیں ہو جاتیں، بلکہ سچ پوچھئے تو کچھ بڑھ ہی جاتی ہیں۔

تحریک کے مخالفین سے ہم بڑے درد کے ساتھ یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ آپ مخالفت کی بنیاد سُنی سنائی باتوں پر نہ رکھیں آپ غیر جانبدارانہ تحقیق کے بعد ہی کوئی رائے قائم کریں، اس کے بغیر مخالفت کی مہم کو لیکر چلنا سخت غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے اور ایک مومن کے مقام سے انتہائی گری ہوئی بات ہے۔ پھر یہ بات بھی بڑی غلط ہو گی کہ آپ تحریک کی مخالفت اس لئے کریں کہ وہ آپ کی مخصوص جماعتی حد بندیوں کو قبول نہیں کر رہی ہے یا آپ کے

اکابر کے پیچھے پیچھے نہیں چل رہی ہے. حق اس سے بلند ہے کہ اس طرح کی باتوں کی بنیاد پر اس کی مخالفت کی جائے ۔ اور اگر آپ ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مخالفت پر مُصر ہی ہیں تو آپ سے آخری درخواست یہ ہے کہ یہ دین جس طرح ہمارا ہے اس طرح آپ کا بھی ہے موجودہ حالات میں یہ بالخصوص بڑی نصرت کا طالب ہے. آپ اس سلسلے کی اپنی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کیجئے اور ہماری مخالفت میں کبھی کبھی یہ بھی سوچ لیا کیجئے کہ کہیں آپ اپنے محبوب دین کے کاز کو نقصان تو نہیں پہنچا رہے ہیں؟

آخر میں میں اپنے غیر مسلم دوستوں سے انتہائی خلوص کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کسی خاص قوم کی میراث نہیں ہے۔ وہ اپنے جیب و دامن میں ایسی ازلی و ابدی صداقتیں رکھتا ہے جن کا کسی فرقہ اور کسی ملک سے کوئی مخصوص تعلق نہیں ہے. وہ سب کے لئے یکساں مفید اور یکساں نجات بخش ہیں. ہم نے اپنے لٹریچر میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان صداقتوں سے آج ہم کس طرح بہرہ اندوز ہوسکتے ہیں اور کس طرح ان سے ہمارے اُلجھے ہوئے مسائل سُلجھ سکتے ہیں۔ آپ ہماری اس دعوت کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کریں اور اگر وہ صحیح معلوم ہو تو اسے اس لئے نہ ٹھکرائیں کہ مسلمان اسلام کا نام لیتے ہیں اور آپ کو ان سے شکایات ہیں آپ اگر مسلمانوں کی دشمنی میں ان فطری، انسانی، اور ازلی و ابدی صداقتوں کا انکار کریں گے تو خود سوچئے نقصان آپ ہی کا تو ہوگا. اس

سلسلے میں خود مسلمانوں کا انجام آپ کے لئے بڑا سبق آموز ہے، وہ اسی لئے ذلت وخواری اور ناکامی سے دوچار ہورہے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی ذمہ داریوں کو فراموش کردیا اور اسلام کی دعوت کو عملاً قبول کرنے کے بجائے عام طور پر صرف اس کے نام کو کافی سمجھ لیا۔ مسلمان مخصوص حالات کی بنا پر اس وقت ملک میں کوئی اہم پارٹ ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں، لیکن آپ حضرات کو خدا نے موقع دیا ہے کہ آپ ملک کی اصلاح اور خدمت کے لئے سب کچھ کرسکتے ہیں، اس چیز نے آپ کے کاندھوں پر ذمہ داریوں کا بہت بڑا بوجھ ڈال دیا ہے آپ ان ذمہ داریوں کو اچھی طرح محسوس فرمائیں اور ملک کی نجات اور دنیا کی صحیح رہنمائی کے لئے کمربستہ ہوجائیں۔ اس سلسلے میں اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا پروگرام آپ کے لئے مفید ثابت ہوسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں اور ہمارے ساتھ تعاون نہ کریں۔

وَاٰخِرُ دعوانا ان الحمدُ للہِ ربِّ العٰلمین

مولانا کی تقریر تقریباً سوا پانچ بجے تک جاری رہی۔ اس کے بعد تجاویز اور مشوروں کا پروگرام تھا۔ اس پروگرام کو شروع کرتے ہوئے جناب امیر جماعت نے فرمایا۔

محترم رفقاء! اس نشست میں مولانا حامد علی صاحب کی تقریر کے بعد

اب تجاویز پر غور ہو رہا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس مرتبہ رفقاء نے اس طرف کافی توجہ کی ہے جس کی وجہ سے تجاویز کافی تعداد میں موصول ہوئی ہیں مگر قلت وقت کی وجہ سے ان سب تجاویز پر اس وقت غور نہ ہو سکے گا۔

ان تجاویز میں سے بعض کو مشورے کی صورت میں نوٹ کر لیا گیا ہے۔ ان پر غور اور عمل کیا جائے گا۔ بعض تجاویز کو کچھ زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اس وقت غور وخوض کرنے کا زیادہ موقع نہیں ہے۔ اس لئے میں ان کو مناسب وقت کے لئے اٹھا رکھوں گا۔ باقی تجاویز کو میں ایک ایک کر کے پڑھتا جاؤں گا اور اس کے سلسلے میں اپنا خیال ظاہر کرتا جاؤنگا، وقت کی کمی کے باعث عام بحث وتمحیص کا موقع نہیں ہے۔ البتہ اگر مجوز یا کوئی اور صاحب میرے اظہار خیال کے بعد کچھ فرمانا چاہیں تو وہ فرما سکتے ہیں۔

اس کے بعد تجاویز اور مشورے پیش ہونے شروع ہوئے۔ ایک ایک تجویز پڑھی جاتی اور امیر جماعت اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرماتے جاتے۔

تجاویز کا یہ پروگرام ابھی چل ہی رہا تھا اور اس دوران میں کچھ تجاویز پیش ہو چکی تھیں کہ زنانہ اجتماع کی وجہ سے اس پروگرام کو ملتوی کرنا پڑا۔ اس دوران میں جو تجاویز پیش ہو سکی تھیں ان کو ہم یہاں درج کرنے کے بجائے تجاویز کے اگلے پروگرام میں درج کریں گے تاکہ تسلسل قائم رہے۔

خواتین سے خطاب

اس اجتماع میں شرکت کے لئے باہر سے بھی خواتین ایک معتد بہ تعداد میں آئی ہوئی تھیں اور مقامی خواتین بھی بالعموم سو دو سو کی تعداد میں شریک اجتماع ہوا کرتی تھیں ان کے پروگرام کی نوعیت یہ تھی کہ وہ عام اجتماع کی کارروائیوں میں اپنی نشست گاہ میں بیٹھ کر شرکت کرتی تھیں جو اجتماع گاہ سے بالکل ملحق تھی اور جہاں لاؤڈ اسپیکر کی آواز بخوبی سنائی دیتی تھی۔ اور جو پروگرام ان کے لئے زیادہ مفید نہیں ہوا کرتے تھے۔ ان کے اوقات میں ان کا الگ پروگرام ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے مطابق ان کے لئے آج ایک خصوصی پروگرام مولانا محمد ذکریا صاحب قدوسی ..... شیخ التفسیر مظاہر العلوم سہارنپور کی تقریر کا رکھا گیا — مولانا کی تقریر حسب پروگرام ان کی خصوصی اجتماع گاہ میں شروع ہوئی لیکن تھوڑی دیر کی تقریر کے بعد یہ محسوس ہوا کہ مولانا کی آواز لاؤڈ اسپیکر کی مدد کے بغیر تمام خواتین تک نہیں پہنچ رہی ہے اس لئے ناظمہ اجتماع نے امیر جماعت کو اس مشکل کی طرف توجہ دلاتے ہوئے خواہش کی کہ تھوڑی دیر کے لئے لاؤڈ اسپیکر ان کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس پر امیر جماعت نے رفقاء کے مشورے سے یہ طے کیا کہ مولانا اجتماع گاہ میں تشریف لا کر لاؤڈ اسپیکر پر تقریر فرمائیں اور تجاویز کی کارروائی کچھ کل کے لئے ملتوی کر دی جائے تاکہ مولانا کی تقریر کو سب خواتین سن سکیں نیز دوسرے لوگ بھی مستفید ہو سکیں۔ اس کے بعد مولانا اجتماع گاہ میں تشریف لائے اور

اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

" ایک مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے کہ پردے کے سلسلے میں جو احکام اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے ہیں ان کا پورا خیال رکھے " اس ضمن میں آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مثال پیش فرمائی ۔ آپ نے بتایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محترم اہلیہ اور مسلمانوں کی ماں تھیں ان کے بارے میں کوئی مسلمان کسی طرح کا بُرا خیال دل میں لا بھی نہیں سکتا تھا لیکن وہ پردے کا پورا اہتمام فرماتی تھیں آپ دین کے علم میں بہت سے مرد صحابیوں سے آگے تھیں اس وجہ سے بہت سے مرد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف مسائل پوچھتے، لیکن آپ نہ تو سامنے آتیں اور نہ براہِ راست ان کی باتوں کا جواب دیتیں۔ پردے کے پیچھے بیٹھ جاتیں اور اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کو واسطہ بناتیں ۔ پوچھنے والا اپنی اُلجھن کو عبداللہ بن زبیرؓ سے بیان کرتا اور وہ حضرت عائشہؓ سے عرض کرتے اور پھر حضرت عائشہؓ جو کچھ فرماتیں عبداللہؓ بن زبیرؓ اس سے پوچھنے والے کو آگاہ فرما دیتے "

اس کے بعد مولانا نے پورے زور کے ساتھ فرمایا کہ :۔

" عورتوں کو دین کا علم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہیئے تاکہ وہ اللہ کی مرضی پر چل سکیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا

اتباع کر سکیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے صحابیات عظام ازواجِ مطہرات بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مثالیں سامنے رکھیں کہ کس طرح ایک مسلمان عورت گھر کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے بھی دین کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کر سکتی ہے بلکہ اس میدان میں بہت سے مردوں سے بھی سبقت لے جاسکتی ہے آپ نے اس ضمن میں عورتوں کو اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی طرف بھی متوجہ کیا۔

آخر میں آپ نے مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے انکی ذمہ داریاں یاد دلائیں آپ نے فرمایا کہ آپ پر عورتوں کا صرف روٹی کپڑا نہیں ہے بلکہ یہ بھی آپ کی ذمہ داری ہے اور ان کا آپ پر حق ہے کہ آپ انھیں دین کا علم سکھائیں اور اگر آپ نے اس میں کوتاہی کی تو آپ کی اولاد غیر اسلامی روش پہ اُٹھے گی اور آخرت میں آپ سے بازپرس ہو گی۔"

عصر کے بعد اجتماع کے سلسلہ میں درسگاہ کے بچّوں کی طرف سے تفریحی پروگرام پیش کیا گیا اس میں قرأت تھی نظمیں تھیں، تقریریں تھیں، مشاعرہ تھا، ہندی، انگریزی، عربی اور اُردو مکالمے تھے اسلامی ڈرامے اور خاموش تقریر تھی۔

اس پروگرام کے اکثر حصّوں کو عام طور سے لوگوں نے پسند کیا اور سراہا۔

نوٹ:- نشست پنجم میں مولانا حبیب اللہ صاحب بہادر اور سید حامد حسین صاحب کی تقریروں کے لئے دیکھئے "امن کس طرح قائم ہو سکتا ہے"

۲۲ر اپریل سنہ ۱۹۵۱ء
بروز یک شنبہ

صبح کو نماز فجر کے بعد مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی نے درس کلام پاک دیا جو حسب ذیل ہے۔

سورۂ آل عمران کی آیات (۹۷ تا ۱۰۶) کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد ان کے خاص نکات کی تشریح کی گئی۔

حضرات! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ ساری اصولی ہدایات بیان فرما دی ہیں جن پر اُمت مسلمہ کی اصل ہستی موقوف ہے، وہ اُمت مسلمہ جس کا جز ہونے کا ہمیں شرف حاصل ہے۔ آیئے دیکھیں یہ اُصولی ہدایات کیا ہیں؛ اور پھر اس کا بھی جائزہ لیں کہ آج ہماری ملی زندگی کی اساس کہاں تک ان اصولوں پر قائم ہے۔

ان آیتوں میں ہمیں ملت اسلامی کی تین اصولی بنیادیں ملتی ہیں، اور تینوں کی تینوں عجیب طرفگی کی حامل ہیں۔

(۱) پہلی بنیاد جس پر اس ملت کی ہستی صورت وجود پاتی ہے، تقویٰ ہے۔ تقویٰ نام ہے اللہ جل شانہ کی ناخوشنودی سے ڈرتے اور بچتے رہنے کا۔ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ ہمارا آقا، مولیٰ ناخوش کب ہوتا ہے۔ اس نے کچھ باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو اگر نہ کیجئے تو وہ ناراض ہوتا ہے، اسی طرح اس نے کچھ باتوں سے روکا ہے، ان کے قریب جایئے تو اس کی نگاہیں غضب آلود ہو جاتی ہیں۔ پس جب اس نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو"، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسکے اوامر و نواہی کا

لحاظ کرو۔ معلوم ہوا کہ مومن کی زندگی آزاد اور بے قید نہیں ہے کہ جو چاہا سوچ لیا، جو جی میں آیا طے کر لیا، جدھر رُخ کیا چل پڑے، جیسی زندگی چاہا اختیار کر لیا اور جن کاموں سے رُکنا چاہا رک رہے، نہیں، مومن اگر ہے تو یہ آزادیاں ختم ہو گئیں کل تک وہ ضرور آزاد تھا مگر اب تو وہ خود گرفتار بن چکا ہے۔ یاد رکھیے مومن کی زندگی یعنی میری اور آپ کی زندگی غلامی سے شروع ہوتی ہے سخت ترین بندشوں میں جکڑی ہوئی آگے کو سفر کرتی ہے اور ان ہی حدود و قیود میں ختم ہو جاتی ہے۔ ذرا اپنے کو دیکھتے چلیے کہ آپ کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زندگی کہاں تک مطابقت کھاتی ہو۔ قرآن کی اس مطلوبہ ایمانی زندگی سے۔ بہرحال یہ ایک الگ سوال ہے جس پر غور کرتے رہئے گا۔ ۔۔۔۔ سردست مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اُمت مسلمہ کے ایک ایک فرد کو ایسا ہونا چاہئے، یہ اس کے پروردگار کا حکم ہے۔

(۲) اس کے بعد اس ملت کے وجود کے لئے قرآن جو دوسری بنیاد پیش کرتا ہے وہ اعتصام بحبل اللہ ہے جس کا آپ آسان زبان میں لفظ اتحاد سے ترجمہ کر سکتے ہیں، میں نے قصداً اس لفظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے۔ اس لئے کہ اولاً تو یہ اعتصام بحبل اللہ کا پورا ترجمہ نہیں ہے، اور اگر تھوڑا بہت ہے بھی تو اہل جہان نے اپنے حادو رجہ مکروہ استعمالات سے اس لفظ کی عصمت سخت مجروح کر دی ہے اور کیا عرض کروں کہ خود اہل اسلام کے یہاں بھی اس کا حال کچھ اچھا نہیں ہے آج افراد کے ہر اس اجتماع کو مبارک اتحاد کہہ دیا جاتا ہے جو کسی بھی ظلم، فسق، غارت گری اور خوں ریزی کے لئے کیا جائے۔ حاشا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مجرد اس طرح کے کسی اجتماع کا حکم دیا ہو۔ وہ کسی بھی اجتماع اور اتحاد

کو محمود نہیں ٹھیراتا سوائے اس اتحاد کے جو حبل اللہ کے ذریعہ ہو جس میں نقطۂ اشتراک قرآن ہو جس کی غرض و غایت دین حق کی اطاعت و حمایت ہو۔ ضرورت ہے کہ قرآن کے نام لیوا اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنے اتحاد و اتفاق کی اس طرفہ نوعیت کو گرہ کرلیں۔ اور یاد رکھیں کہ انھیں باہم جوڑنے والی کوئی اور شئے نہیں ہو سکتی۔ لاریب قومیت، وطنیت، نسلیت، رنگ اور زبان وہ روابط ہیں جو آج اقوام عالم کو مسخر کر رہے ہیں، مگر ایمان کی فطرت ان میں سے کسی بھی رابطے کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ کوئی مومن گروہ ان رابطوں کے ذرایعے نہیں جڑ سکتا اور اگر جڑنے کی کوشش کرے گا تو اپنی فطرت سے بغاوت کرے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو وہ اس میں سراسر ناکام رہے گا، یا پھر اپنے ان امتیازات اور تشخصات کو کھو دے گا جنکے بغیر اُمت مسلمہ اُمت مسلمہ نہیں۔ آج ہم مسلمانوں کے یہاں بھی اتحاد کا غوغا بپا ہے، پر افسوس اعتصام بحبل اللہ کی صدائیں سننے میں نہیں آتیں اور اگر آتی بھی ہیں تو صحرا میں گم ہو کر رہجاتی ہیں۔

(۳) تیسری چیز جو ملت اسلامی کی بنیاد کی آخری اینٹ ہے، معروف کا حکم کرنا اور منکر سے روکنا ہے۔ میں اس وقت معروف اور منکر کی تشریح میں نہیں جانا چاہتا۔ مختصراً یوں سمجھ لیجیے کہ جس دین کے احکام کو مومن اپنے عمل کیلئے اختیار کرتا ہے اس کا فرض ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کو اس کا تابع بنانے کی ان تھک کوشش کرے۔ یہ اس کا فرض عین ہے، یہ اس کے ایمان کا فطری تقاضا اور اس کی علامت ہے جس طرح کہ جھوٹے مسلمان کی یعنی منافق کی نشانی یہ ہے کہ وہ برائی بھلائی میں امتیاز کی کوئی ضرورت

نہیں محسوس کرتا، بلکہ اگر وقت کا تقاضا ہو تو بجائے معروف کے منکر کی تبلیغ کرتا اور بجائے منکر سے روکنے کے معروف سے روکتا ہے، قرآن و سنّت کے ذخیرے اس امر کی تصریحات سے بھرے پڑے ہیں کہ برائیوں کو کرنا اور پروان چڑھانا تو درکنار، اس کو برداشت کرنا بھی مومن کے لئے ممکن نہیں اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو خدا کے نزدیک اس کا ایمان قابل قبول نہیں۔

حضرات! یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اُمت مسلمہ کے وجود و بقا کے لئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح کسی چراغ کے روشن رہنے کے لیے تیل کا مسلسل پڑتے رہنا ضروری ہے۔ وقت نہیں کہ اس نکتہ کی مزید تشریح کی جائے۔

حیات ایمانی و ملّی کے ان تینوں جوہروں کا ذکر ختم کرتے ہوئے قرآن نے جو بات ارشاد فرمائی ہے اس کو خوب اچھی طرح کان لگا کر سن لیجئے وہ کہتا ہے: كُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الخ تم ایک بہترین گروہ ہو جو لوگوں کے لئے برپا کیا گیا ہے، یہ الفاظ اُمّتِ مسلمہ کو اقوام عالم کی صفوں سے نکال کر ایک الگ مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان نامی گروہ دنیا کے تمام گروہوں سے مختلف ہے اس کا مقصدِ وجود سب سے جداگانہ ہے، جبھی تو اس کی تعمیر کے اُصول بھی سب سے جداگانہ رکھے گئے ہیں جن کا مختصر تذکرہ ابھی آپ نے سُنا اور جن کی بابت میں عرض کر چکا ہوں کہ "وہ عجیب طرفگی کے حامل ہیں" لفظ "اُخرجت" یعنی "برپا کیا گیا ہے" پر خوب غور کیجئے۔ یہ اُمّت کوئی "خودرو" اُمّت نہیں ہے جس طرح کہ تمام دُنیا مختلف

قسم کی خود رو ملتوں سے بھری پڑی ہے، بلکہ وہ ایک خاص مقصد کے تحت دُنیا میں "مبعوث" کی گئی ہے جس طرح کہ نبی مبعوث ہوا کرتے تھے وہ مقصد کیا ہے جس کے لئے یہ ملت معرض وجود میں لائی گئی ہے؟ یہ وہی مقصد ہے جس کے لئے ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث کیئے گئے تھے، ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی نام لیوا اُمت ان کی قائم مقام ہے۔ ذرا یہ امت غور کرے کہ وہ اس مقصد کو کہاں تک یاد رکھے ہوئے ہے نہ اپنی مبعوثیت کی غایت کا کہاں تک احترام کر رہی ہے، نہ اپنے نبی کی قائم مقامی کا فرض کہاں تک ادا کر رہی ہے؟

یہ سلسلہ چھ بجکر ۱۰ منٹ پر ختم ہو گیا۔

ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد چھٹی نشست کی تیاری شروع ہو گئی۔

نشست ششم

۷ ۔ ۳۰ سے ۱۱۔ ۳۰ تک

یہ نشست بقیہ تجاویز کے پروگرام کے لئے تھی چنانچہ کل سہ پہر کی طرح ایک ایک تجویز پیش ہوتی رہی اور امیر جماعت اس پر اظہار خیال فرماتے رہے دونوں نشستوں کی تجاویز کا پروگرام درج ذیل ہے۔

(۱) تحریک کی اشاعت کے لئے مقامی طور پر اُردو ہندی اخبارات جاری کئے جائیں۔

امیر جماعت:۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ کس مقام کے رفقا کس طرح کا اخبار جاری کرنا

چاہتے ہیں، خواہش کی حد تک تو یہ چیز صحیح ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ ہمارے رفقا بعض اوقات اپنے ذرائع و وسائل کا صحیح اندازہ کئے بغیر اس قسم کے کام شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کو بجائے فائدہ کے نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ لوگ اپنے طور سے اس قسم کا کام ضرور کر سکتے ہیں لیکن اگر وہ شروع کرنے سے پہلے اس کے بارے میں مرکز سے مشورہ کر لیا کریں تو یہ جماعت کے لئے مفید ہوگا اور خود ان کے لئے بھی۔

(۲) مقامی امرائے جماعت رفقاء کی آمدنی اور عشر کا حساب طلب کریں اور اخلاقی طور پر ہمارے ہمدردوں کا بھی۔

امیر جماعت :- اس بات کی دیکھ بھال تو ضرور ہونی چاہئے کہ لوگ باقاعدہ اپنی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یا نہیں لیکن اگر اس تجویز کا منشا یہ معلوم کرنا ہے کہ رفقاء کے یہاں کتنا غلہ یا آمدنی ہوئی تو یہ خواہ مخواہ کی پابندی ہوگی اس بارے میں ہمیں اپنے رفقاء پر بھروسہ کرنا چاہئے اس معاملہ میں بہت زیادہ ضابطہ بندی صحیح نہیں ہے اگر اس پر کسی ضابطہ کے تحت عمل کرانے کی کوشش کی گئی تو انفاق فی سبیل اللہ کی جو روح ہے وہ ختم ہو جائے گی میرے نزدیک یہ مناسب ہے کہ امرائے جماعت رفقاء کے اندر جذبۂ انفاق کو ابھارتے رہیں اور اس بات کا جائزہ لیتے رہیں کہ زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں رفقاء کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟

اس زمانہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ ایسے کاموں میں جن میں پیسے کا خرچ نہیں ہے، خوب دوڑ بھاگ کرتے ہیں اور جن کاموں میں پیسہ خرچ کرنیکا سوال پیدا ہوتا ہے وہاں بڑے بڑے لوگوں کے تقوی میں کمی محسوس ہوتی ہے۔

(۳) مقامی اہل ترزمین قرآن کے درس اور عام دینی تعلیم کا بندوبست کریں۔

امیر جماعت :- اس مشورہ سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا اس لئے رفقا پہلے ہی سے اس طرف متوجہ ہیں اس سلسلہ میں یہ بات ہمیشہ رفقاء کے پیش نظر رہنی چاہیئے کہ دین کا اصل سرچشمہ کتاب و سنت ہیں اس لئے جسقدر ان کی طرف توجہ کیجائیگی اتنی ہی مقصد میں کامیابی ہوگی۔

(۴) لکھنؤ میں مرکز کی طرف سے تصنیفی ادارہ قائم کیا جائے جو درس تدریس کے ذریعہ عوام و خواص کو مستفید بھی کرے۔

امیر جماعت :- لکھنؤ کی مرکزیت کے پیش نظر اس کا امکان تھا لیکن جب کسی جگہ نظم جماعت میں استقلال نہ ہو تو اس کا حوصلہ نہیں کیا جا سکتا لکھنؤ میں ہمیشہ ایک بحرانی سی کیفیت رہتی ہے کبھی رفقاء کی تعداد خاصی ہو جاتی ہے اور کبھی بہت ہی کم جیسا کہ قیم صاحب کی صبح کی رپورٹ سے آپ کو معلوم ہوا نیز یہ کہ اس کے سلسلہ میں جو اسباب و وسائل ضروری ہیں ہمیں وہاں حاصل نہیں ہیں تاہم اگر کوئی مناسب عملی تجویز سامنے آئی تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

(۵) نمونہ کا معاشرہ بنایا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ جہاں رفقاء کی تعداد قابلِ لحاظ ہو ایک کالونی بنالیں۔

امیر جماعت :- رفقاء کے اندر مل جل کر رہنے کا جذبہ ایک اچھا جذبہ ہے لیکن اس میں ایک طرح کا غلو پایا جاتا ہے یہ جذبہ فطری حد کے اندر اور رضائے الٰہی کے تحت ہی رہنا چاہیئے۔ کالونی بنانا عملاً بھی دشوار ہے اور اس میں افادیت بھی زیادہ نہیں ہے تبلیغی نقطہ نظر سے بہتر یہی ہے کہ رفقاء متفرق و منتشر مقامات پر رہیں۔

(۶) حیدرآباد کے لئے ہمہ وقتی قیم یا نائب قیم کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

امیر جماعت :- یہ ہماری خواہش ضرور ہے کہ رفقاء کو فکرِ معاش سے آزاد کریں تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ دین کا کام کریں اور اس سلسلہ میں ہماری اب تک کی کوششوں سے آپ حضرات واقف بھی ہوں گے لیکن ایک پہلو سے میں اس کو خطرناک بھی سمجھتا ہوں کیا خدانخواستہ اس کا مدعا یہ تو نہیں ہے کہ رفقاء اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو خود اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے۔ اگر یہ جذبہ کارفرما رہا تو اندیشہ ہے کہ شخصی ذمہ داریاں جو موانعات کے باوجود ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے میں غفلت ہو۔ ناگزیر معاشی مصروفیات کو برقرار رکھتے ہوئے جو کچھ کرنا ممکن ہے عنداللہ اس سے زیادہ کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔

(۷) قیمین اور امراء پر ہر ماہ دورہ لازم کیا جائے۔

امیر جماعت :- عام طور پر مجھے معلوم ہے کہ قیمین حضرات برابر دورے کرتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی حلقہ کے قیم حسب ضرورت دورے نہ کرتے ہوں، میں ان کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ ہر ماہ کم از کم ایک دورہ ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن اسی کے ساتھ میں رفقاء کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ بعض صورتیں ایسی بھی پیش آسکتی ہیں کہ جب قیمین جماعت کے دوسرے کاموں کی وجہ سے دورہ کرنے سے دو تین ماہ تک معذور رہیں تو اگر کسی واقعی عذر کی بنا پر ایسا ہو تو ان کو معذور ہی سمجھنا چاہیے۔

(۸) جماعتی کاموں میں تقسیم کار کا اصول شدت سے ملحوظ رکھا جائے۔

امیر جماعت: میں سمجھتا ہوں کہ اس تجویز کا منشا غالباً یہ ہے کہ ایک مقام پر جو رفقاء رہتے ہوں صلاحیتوں کے لحاظ سے ان میں کام تقسیم کیے جائیں۔ یہ اصول بالکل ٹھیک ہے اس کے مطابق عمل نہ ہونے پر بعض رفقاء پر تو کام کا بار زیادہ پڑ جاتا ہے اور بعض کی صلاحیتوں کو نشو و نما کا صحیح موقعہ ہی نہیں ملتا ہے قیمین اور مقامی امراء کو اس کا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔

(۹) ذمہ دار اصحاب جن رفقاء کو نامناسب بتائیں انہیں نظم سے علیحدہ کر دیا جائے

امیر جماعت: یہ چیز مرکز سے تعلق رکھتی ہے۔ رفقاء کا مشورہ لیا جا سکتا ہے مگر ضروری نہیں ہے کہ اس پر ہمیشہ عمل ہی کیا جائے۔ اخراج کا مسئلہ بہت اہم ہے کسی رفیق کو اسی حالت میں جماعت سے خارج کر سکتے ہیں۔ جب اصلاح سے بالکل ہی ناامید ہو جائیں۔ رفقاء جماعت ملکر ایک جسم بنتے ہیں جسم سے کسی عضو کا علیحدہ کرنا اسی وقت گوارا ہوتا ہے جب کہ اس کا مرض متعدی ہو جائے۔ اس لئے ہم اخراج کو آخری چارہ کار کے طور پر ہی اختیار کرتے ہیں۔

(۱۰) امیر جماعت اور قیم جماعت دورے کیا کریں۔

امیر جماعت: یہ تجویز مناسب ہے میری خواہش رہتی ہے کہ دورے کروں اور موقع پر پہنچ کر صورت حالات کا جائزہ لوں لیکن اس میں بعض موانع ہیں جو شخصی نہیں بلکہ جماعتی ہیں۔ ادھر مرکز میں قیام کی ضرورت رہتی ہے اور ادھر دوروں کی۔ اگر کوئی ایسی متعین صورت سامنے آئے کہ دونوں کام خوش اسلوبی کے ساتھ ہو سکیں تو مرکز کے قیام کے ساتھ دورے کے فوائد بھی

حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

نجات اللہ صاحب صدیقی:۔ نائب امیر کا تقرر عمل میں لایا جائے دونوں فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔

امیر جماعت:۔ اس تجویز پر کسی دوسرے مناسب موقع پر غور کیا جائے گا۔

(۱۱) حلقہ اطفال کے لئے مرکز کے زیر نگرانی الگ الگ شعبے قائم ہوں اور خصوصی صلاحیت رکھنے والے رفقاء کو نگراں بنایا جائے۔

امیر جماعت:۔ طفلاں سے مراد اگر نابالغ بچے ہیں تو ایسے بچے ہمارے سامنے نہیں ہیں جن کے بارے میں مرکز کی جانب سے ایسے حلقے قائم کئے جائیں حلقہ نسواں کا کام بھی ابھی اس پیمانہ پر نہیں ہے کہ مرکز کی جانب سے اس کا خاص انتظام کیا جائے۔ مقامی جماعتیں اس سلسلہ میں کچھ کرتی رہتی ہیں انہی کو اس طرف مزید توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱۲) بیت المال کے مصارف کے لئے مرکز شرعی طور پر پر سینٹیج قائم کرے۔

امیر جماعت:۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کئے گئے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان سب میں مساوی طور پر زکوٰۃ صرف ہو، امام اعظم کا فتویٰ ہے کہ کسی ایک مصرف کو ترجیح دی جا سکتی ہے ۔ مقامی امراء جس مصرف کو زیادہ ضروری سمجھیں اس میں زیادہ خرچ کریں۔ اس چیز کو ان ہی کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہیئے

(۱۳) جن حلقوں میں ششماہی اور سہ ماہی اجتماعات نہ ہوتے ہوں وہاں مرکز اجتماعات کرائے۔

امیر جماعت:۔ جہاں تک ممکن ہو اس قسم کے اجتماعات ہونے چاہئیں۔ ہماری یہ خواہش یہ ہے کہ مرکز سے کوئی صاحب ضرور شریک ہوں لیکن حلقہ وار

کو چاہیئے کہ اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔ ہر موقع پر مرکز پر ہی نگاہ رکھنا مناسب نہیں ہے،

(۱۴) ایک ہفتہ وار یا سہ روزہ انگریزی اخبار کا اجراء عمل میں لایا جائے۔

امیر جماعت:۔ انگریزی اخبار کے اجراء کی تجویز تو مناسب ہے لیکن بعض عملی دشواریاں سد راہ ہیں۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی عملی شکل پیش کی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ اور پھر ضرور غور کیا جائے گا۔

(۱۵) اخبار و رسائل کا اجراء انفرادی طور پر نہ ہو جماعتی پلاننگ کے تحت ہو۔

امیر جماعت:۔ رفقاء اگر اپنے طور پر اخبار یا رسالہ نکالنا چاہتے ہوں تو ہمیں حق نہیں کہ ان کو روک دیں۔ ہاں اگر وہ چاہیں تو ہم انہیں مشورے دے سکتے ہیں

(۱۶) کم قیمت، مختصر اور مسائل حاضرہ پر مشتمل پر کشش ہندی، انگریزی کتابوں کی اشاعت کی جائے۔

امیر جماعت۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم برابر کوشش کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں کچھ کام کیا جا رہا ہے۔

(۱۷) لٹریچر کے ضروری حصوں کا ہندی اور انگریزی میں ترجمہ کیا جائے۔

امیر جماعت:۔ اس سلسلہ میں مرکز کی جانب سے کچھ نہ کچھ کوشش ہوتی ہی رہی ہے لیکن اس میں بعض عملی دشواریاں ہیں اس وجہ سے حسب ضرورت کام نہیں ہو رہا ہے۔

محمد یوسف صاحب صدیقی:۔ ایک صاحب اس سلسلہ میں مالی اعانت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

امیر جماعت:۔ در اصل ہمارے سامنے بڑی دشواری مالیات ہی سے متعلق

رہی ہے ورنہ خدا کے فضل سے ہمارے پاس ایسے صاحب صلاحیت کارکن موجود ہیں جو اس کام کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں۔ اگر اس طرف سے اطمینان ہو جائے تو انشاء اللہ یہ کام خاطر خواہ طور پر کیا جا سکتا ہے۔

(۱۸) حالات و ضرورت کے مطابق نیا لٹریچر تیار کیا جائے اور اس کے لئے صاحب صلاحیت رفقاء کو فارغ کیا جائے۔

امیر جماعت:۔ یہ تجویز بہت معقول ہے ہم خود اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں، مجلس شوریٰ کی روداد سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اس سلسلہ میں عملی کارروائی شروع کر دی گئی ہے، بعض رفقاء کی جزئی خدمات حاصل کر لیگئی ہیں لیکن رفقاء کو چاہیے کہ وہ مرکز پر بار ڈالکر مطمئن نہ ہو جائیں، قلمے، سخنے، درمے جس طرح ہو سکے مدد میں دریغ نہ کریں۔

(۱۹) تلنگی زبان میں لٹریچر تیار کیا جائے۔

امیر جماعت:۔ اس کام کے لئے حیدرآباد میں تلنگی دارالاشاعت قائم ہے محمد یونس صاحب اس کے ذمہ دار ہیں اس سلسلہ میں کچھ کام ہو رہا ہے۔

(۲۰) ملکی زبان میں دعوت کے ساتھ سیرت پر ایک مختصر کتاب شائع کی جائے۔

امیر جماعت:۔ نہیں معلوم کہ ملکی زبان سے مجوز کی مراد کیا ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ ملک کی ہر زبان میں لٹریچر کی اشاعت ہو۔ ہمارے نزدیک ہندی میں سب سے زیادہ ضرورت ترجمۂ کلام پاک کی ہے۔ سیرت پر فی الحال کسی کتاب کا شائع کرنا مشکل تھا اس لئے سیرت پر مولانا سلیمان شاہ منصور پوری کی کتاب جو ہندی میں ہے مکتبہ میں رکھی گئی ہے۔

(۲۱) ضروری امور کے متعلق سوالات قائم کر کے جوابات دیئے جائیں اور ان کو کتابی شکل میں مرتب کیا جائے۔

امیر جماعت: ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ رفقاء کی ذہنی تربیت ہو مگر سوالات و جوابات ترتیب دیکر لوگوں کو تیار کرنا فطری طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں کے ذہن کو اس طرح تیار کرنا چاہیے کہ وہ کسی مضمون کی روح کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور سوال و جواب کے ذریعہ یہ ممکن نہیں ہے لٹریچر کے مطالعہ کے نتیجہ کے طور پر یا کسی ضرورت کے پیش آنے پر جو سوالات فی الواقع ذہن میں اٹھتے ہیں یا کچھ شبہات جو پیدا ہوتے ہیں ان کے جوابات کی واقعی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ ضروری استفسارات کے ہم برابر جوابات دیتے ہیں۔ جن میں سے بعض "زندگی" میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۲) "زندگی" کے اشارات یکجائی شائع کیے جائیں۔

امیر جماعت: اس پر غور کیا جائے گا اور اگر مناسب سمجھا گیا تو اسکا اہتمام کیا جائے گا۔

(۲۳) ہندی ترجمہ جماعت کی روح سے واقف اور اس سے قلبی لگاؤ رکھنے والوں ہی سے کرانا چاہیے۔

امیر جماعت: تجویز کی حیثیت سے اس پر بحث ایک علمی بحث ہو جائے گی اس سلسلہ میں ہم نے اب جو انتظام کیا ہے مجلس شوریٰ کی کارروائی سے معلوم ہو سکتا ہے اور وہ بھی اسی قسم کا ہے۔

(۲۴) لٹریچر میں اشعار سے بچا جائے اور اشعار کے ذریعہ حق کی ترجمانی کو ترک کیا جائے۔

امیر جماعت :- حق کی خدمت ہر جائز ذریعہ سے کی جا سکتی ہے اور اشعار کا استعمال ناجائز نہیں ہے البتہ لایعنی اور مبتذل اشعار سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

(۲۵) ہر مفید کتاب قائدین، حکمراں حضرات اور اسکولوں کے ہیڈ مدرسین کو بھیجی جائے

امیر جماعت :- یہ کام اگر مقامی جماعتیں کریں تو بہتر ہوگا کیونکہ مقامی رفقاء باسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ کس کو کب کونسی کتاب دینا مناسب ہوگا۔ مرکز بھی حسب موقع ایسا کرتا ہے لیکن آپ کو بہار کی رپورٹ میں معلوم ہوا ہوگا کہ مولانا محمد شفیع داؤدی نے اپنے انتقال کے وقت اپنے دوستوں (جنہیں قائدین لکھیے) اور اعزا کو بطور وصیت دعوت پیش کی تھی اور ان کے پاس کتابیں بھیجنے کو کہا تھا۔ کتابیں بھیجی گئیں، جوابات حوصلہ افزا بھی ثابت ہوئے لیکن قائدین کی جانب سے جو جواب آیا وہ یہ تھا کہ کتابیں مل گئیں ان کو دیکھ لیا جائیگا۔ مولانا کو سلام عرض کر دیں۔

(۲۶) گجراتی زبان میں کتابیں شائع کی جائیں اور ایک اخبار بھی نکالا جائے۔

امیر جماعت :- گجراتی زبان میں لٹریچر کی منتقلی کا مسئلہ شروع ہی سے ہمارے سامنے رہا ہے چنانچہ گجراتی دارالاشاعت کا قیام عمل میں بھی آچکا تھا اور اس کے تحت کچھ کتابوں کے ترجمے بھی شائع کئے جا چکے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے جو رفیق اس کام کے انچارج تھے وہ مختلف موانع اور مجبوریوں کے تحت اب اس کام کو انجام دینے کے قابل نہیں ہیں اور نہ سردست ہمیں دوسرا کوئی ایسا رفیق مل سکا ہے جو اس کام کو انجام دے سکے اسلئے یہ کام فی الحال تقریباً معطل ہے لیکن کوشش جاری ہے ممکن ہے آئندہ اس سلسلہ میں کچھ کام کیا جا سکے گجراتی اخبار کا مسئلہ سردست ہمارے سامنے نہیں ہے کیونکہ اس کے ضروری انتظامات سے ہم قاصر ہیں۔ البتہ اگر کچھ رفقاء اپنے طور پر کوئی اخبار نکالنا چاہیں تو اس سلسلہ میں اپنی تجویز پیش کریں اس پر غور کرنے کے بعد مرکز کی طرف سے اس کی اجازت دی جائے گی۔

(۲۷) کل ہند اجتماع کے موقع پر ممتاز علماء اور لیڈروں کو شرکت کی خصوصی دعوت دی جایا کرے۔ اس تجویز پر امیر جماعت نے علماء سے قریبی تعلق رکھنے والے دوسرے رفقاء کو اظہار خیال کا کافی موقع دیا چنانچہ اس

سلسلہ میں مولانا صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، محی الدین صاحب یوپی، محب اللہ صاحب ندوی، حافظ عبدالتواب صاحب
مولانا ضیاء النبی العباسی صاحب اور مولوی عبدالقدیر الاعظم صاحب عباسی نے اپنے
تجربات کی روشنی میں اظہار خیال کیا، اس کے بعد امیر جماعت نے فرمایا:-

امیر جماعت:- مولوی عبدالقدیر صاحب نے ٹھیک کہا ہے کہ علماء کا مقام داعی کا تھا نہ یہ کہ خود ان کی خدمت میں بھی دعوت پیش کرنے کی ضرورت پیش آئے بہرحال ہم حسب موقع دعوت دینے کی کوشش کرتے ہیں اس سال پچاس ساٹھ حضرات علماء کی خدمت میں خصوصی دعوت نامے بھیجے گئے ان میں سے دو تین حضرات تشریف لائے ہیں اور اجتماع میں شریک ہیں بعض نے معذرت لکھ بھیجی بعض کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا، نہیں معلوم کہ انھوں نے اس پر سکوت اختیار فرمایا یا ہمارے خطوط ہی ان کو نہیں ملے، ہماری خواہش یہی ہے کہ وہ اس کام میں دلچسپی لیں اس لئے ہم ان کو خصوصی دعوت دیتے ہیں۔

۲۸۔ سالانہ اجتماعات کل ہند ہونے کے بجائے حلقہ وار ہوں۔

امیر جماعت:- سالانہ اجتماعات کل ہند ہوں یا حلقہ واری شکل ہی میں کیے جایا کریں۔ یہ مسئلہ شوریٰ کے موقع پر زیر غور آئے گا لیکن میں اس سلسلہ میں رفقاء کی سرسری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں تاکہ غور کرتے وقت آسانی ہو۔

اس کے بعد اس سلسلہ میں مولانا جلیل احسن صاحب ندوی، محمد عزیز صاحب الہ آبادی، حکیم محمد خالد صاحب، مولوی محمد صدیق صاحب گورکھپور، حافظ امام الدین صاحب۔ رام نگری، پیران کلمہ صاحب، محی الدین صاحب ایوبی محمد ادریس شبلی صاحب، محمد بدرالاسلام صاحب مظفر پور بہار نے اپنے خیالات

کا اظہار فرمایا۔

اس کے بعد امیر محترم نے فرمایا کہ فیصلے کے وقت ان مشوروں کو سامنے رکھا جائے گا۔

(۲۹) مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم سے زیادہ دلچسپی لی جائے۔

امیر جماعت:۔ ہمارے نزدیک اس مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے اس لئے اس طرف کافی توجہ کی جا رہی ہے اس کے لئے شوریٰ کی روداد ملاحظہ کی جائے۔

(۳۰) مرکزی درس گاہ کے نمونے پر درس گاہیں اور مکاتب قائم ہوں۔

امیر جماعت:۔ اس سلسلہ میں شوریٰ کی روداد ملاحظہ کی جائے۔

(۳۱) لڑکیوں کے لئے درس گاہ قائم کی جائے۔

امیر جماعت:۔ اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس میں بعض موانع حائل ہیں اور بوجوہ یہ کام اور کاموں کی بہ نسبت زیادہ مشکل ہیں۔ رفقاء خود اس طرف توجہ کریں۔

(۳۲) مکاتب کے لئے نصاب شائع کیا جائے۔

امیر جماعت:۔ درس گاہ کی طرف سے اس کا اپنا نصاب شائع ہو گیا ہے۔ نیز ان مکاتب کے لئے نصاب بنایا گیا ہے جو ہمارے مختصر اور ہلکے نصاب کو اپنا سکتے ہیں۔

(۳۳) مکاتب کے لئے اساتذہ کی ٹریننگ کا انتظام کیا جائے۔

امیر جماعت:۔ اس مسئلہ پر غور کیا جا رہا ہے۔ مرکزی رپورٹ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

(۳۴) امراء اور قیمین کو جلد تربیت گاہ میں بلایا جائے۔

امیر جماعت:۔ جلد ہی اس کا اہتمام کیا جائے گا۔

(۳۵) تربیت گاہ کا پروگرام شائع کر دیا جائے

امیر جماعت:۔ ابھی وہ پروگرام زیر تجربہ ہے۔ ورنہ ہمارا ارادہ پہلے ہی سے ہے کہ اس کو شائع کیا جائے۔

انوار علی خاں صاحب سوز:۔ اس پروگرام کا ایک پہلو تو محتاج تجربہ ہے۔ لیکن بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے لئے کسی تجربہ اور انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً منتخب احادیث، قرآن کے حصص وغیرہ۔ مقامی اجتماعات میں بھی ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

امیر جماعت:۔ تربیت گاہ کے پروگرام کو پورے پروگرام کی حیثیت سے پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ مقامی ضرورتوں کو ایک الگ پمفلٹ کے ذریعہ پورا کرنا مفید ہو سکتا ہے لیکن اصلی فائدہ کل ہی کو اپنانے سے ہوگا۔ ترتیبی پروگرام کے اجزاء کو شائع کرنا اتنا مفید نہ ہوگا۔

(۳۶) رفقاء کی بنیادی اور ابتدائی تربیت کے لئے ایک نصاب تیار کیا جائے جس کو یاد کرنا اور دہرانا سب کے لئے ضروری ہو۔

امیر جماعت:۔ کوئی نصاب جو ہر جگہ کے لئے اور ہر استعداد کے رفقاء کے لئے موزوں ہو نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ کام جماعتوں کے اپنے طور سے کرنے کا ہے۔ اس کے لئے تربیت کا نصاب ایک حد تک معاون ہے۔ آسان لٹریچر بھی جو شائع ہوا ہے یا ہوگا اس سلسلہ میں مفید ہو سکتا ہے۔

(۳۷) رفقاء کی معاشی بد حالی کو دور کرنے کیلئے کوئی اسکیم عمل میں لائی جائے

اس کے لئے ایک معاشی کمیٹی بنا دی جائے۔

امیر جماعت:۔ اس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں ایک معاشی کمیٹی بنا دی گئی ہے۔

اس کے بعد امیر جماعت نے شاہ ضیاء الحق صاحب کو جو اس معاشی کمیٹی کے داعی ہیں۔ معاشی کمیٹی کی رپورٹ پیش کرنے لئے فرمایا چنانچہ رپورٹ پیش کی گئی۔ امیر جماعت نے اس رپورٹ کے بعد تجارتی اور کاروباری صلاحیتیں رکھنے والے رفقاء کو اظہار خیال کا موقع دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں رشید الحسن صاحب کانپور نے اپنے تجربات پیش کئے۔

اس کے بعد امیر جماعت نے رفقاء جماعت سے فرمایا کہ وہ معاشیات کے سلسلے کے اپنے تمام مشورے رفقاء معاشی کمیٹی کو دے دیں۔

(۳۸) ہمارروں کو خطاب عام کی اجازت دی جائے

امیر جماعت:۔ خطاب کا انحصار صلاحیت اور قدرت پر ہے۔ یہ نہ ہو تو ارکان کو بھی اس سے اپنے آپ کو روکنا چاہئے۔ انہی بے اعتدالیوں کے باعث میں اجازت عام کے حق میں نہیں ہوں۔

اگر خطاب عام مناسب طور سے نہ ہو تو اس سے طرح طرح کے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ میں قیمین و امراء کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کی طرف دھیان دیں جن کی تقریر سے کسی قسم کی غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ ہو۔

(۳۹) تعلیمی اداروں میں اسٹڈی سرکل قائم کئے جائیں۔

امیر جماعت:۔ رفقاء کے لئے یہ اچھا مشورہ ہے دعوت کے نقطۂ نظر

سے یہ مفید طریقہ ہے حسب موقع اس طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

(۴۰) طلبہ کی ایک علیٰحدہ جمعیتہ بنائی جائے۔

اس پر امیر جماعت نے دوسرے رفقاء کے خیالات معلوم کئے مختلف پہلو سامنے آئے بالآخر یہ فرمایا کہ اس سلسلہ کی تمام تجاویز محمد عزیز صاحب الہ آبادی کو دے دی جائیں اور دوسرے وقت میں ان پر غور کر لیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں تجاویز کا پروگرام ختم ہونے پر وقفۂ آرام میں خاص اس تجویز پر غور کرنے کے لئے ایک مختصر نشست محمد شفیع صاحب مونس کی زیر نگرانی ہوئی۔ اس نشست میں طلبہ میں دعوتی کام کے نفوذ کے خصوصی اہتمام کے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کیا گیا۔

پہلے محمد شفیع صاحب نے زیر غور مسئلہ کی وضاحت کی۔ اس کے بعد محی الدین ایوبی صاحب نے ایک مختصر تقریر میں اس کام کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

ابتداءً اس مسئلہ کے سلسلے میں دو تجاویز سامنے آئیں۔ ایک یہ کہ طلبہ کی علیٰحدہ تنظیم کے ذریعہ یہ کام کیا جائے۔ دوسری یہ کہ موجودہ جماعتی نظم کے تحت ہی قیمین حلقہ کو اس کام کی طرف خصوصی توجہ دلائی جائے۔

اس کے بعد تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ مختلف حضرات نے اظہار خیال کیا اور بالآخر دونوں تجاویز کے بہتر عناصر کو جمع کرنے سے حسب ذیل تجویز سامنے آئی اور متفقہ طور پر پاس ہو گئی۔

"طلبہ میں دعوتی کام کے آگے بڑھانے کی طرف خصوصی توجہ کے لئے مرکز کی جانب سے ایک ناظم مقرر کیا جائے۔ جو یہ کام قیمین حلقہ جات کے واسطے سے

کریں البتہ جہاں حالات کا تقاضا ہو وہاں اس کام کی نگرانی کے لئے علیحدہ نظماء مقرر کئے جائیں جو قیم حلقہ کی زیر نگرانی کام کریں گے۔"

(۱۴) گھنشام داس صاحب گنگوہ

جماعت اسلام کی بہت سی آئیڈیالوجی (نظریات) جو اکثر اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں ان میں سے اکثر جماعت اسلامی کے علاوہ دیگر جماعتوں کے افراد بھی اچھا سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ان کو اپنے اخبارات میں شائع کرنا چاہیں تو اس کی کیا صورت ہو گی آیا ان خیالات کو بالکل اسی صورت میں شائع کیا جاسکتا ہے یا اپنے انداز میں تحریر کر کے شائع کیا جاسکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں کیا شرائط ہوں گی براہِ مہربانی تفصیل کے ساتھ بتائی جائیں۔

تجویز تحریری شکل میں پیش کی گئی تھی۔ صاحب تجویز نے زبانی طور پر جو کچھ اس کی وضاحت میں فرمایا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

جماعت اسلامی کے اکثر خیالات جو اس کے لٹریچر اور اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں دوسرے لوگ بھی پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے اخبارات میں اس قسم کے خیالات کی اشاعت کریں۔ اب مجھے یہ بات دریافت کرنی ہے کہ کیا دوسرے لوگوں کو ان خیالات کی اشاعت کی اجازت ہے اور اگر اجازت ہے تو کیا ان کے اصل الفاظ اور حوالہ جات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا یا اس کا لحاظ رکھے بغیر بھی ان کی اشاعت کی جاسکتی ہے،

امیر جماعت:- ہمارے لٹریچر میں جن نظریات کو پیش کیا گیا ہے وہ کچھ

ہمارے لئے ہی خاص نہیں ہیں بلکہ درحقیقت ان کا تعلق پوری انسانیت سے ہے اس لئے جو شخص یا جو جماعت چاہے ان کی اشاعت کر سکتی ہے۔ ہماری طرف سے ان کے لئے کوئی شرائط نہیں ہیں، البتہ اس کا اخلاقی فرض ہوگا کہ اسلام یا جماعت اسلامی کا حوالہ دینے کی صورت میں ان خیالات کو جوں کا توں پیش کرے، ان میں کسی قسم کی کوئی کلی یا جزوی تبدیلی نہ ہونے پائے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا مفہوم تو کچھ ہو اور بیان کرنے کے بعد وہ اور کچھ ہو جائے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے اس کا خیال نہ رکھا جا سکے تو ان باتوں کو اسلام یا جماعت اسلامی دونوں میں سے کسی کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

تجاویز کا پروگرام ختم ہو گیا۔ اس کے بعد عام حاضرین کو ۵ امنٹ کا وقت آرام کے لئے دیا گیا۔

آرام کا وقت گزر جانے کے بعد رفقاء سے خصوصی ملاقات کا پروگرام رہا اس میں امیر جماعت اور قیم جماعت نے اراکین جماعت سے اور شاہ ضیاء الحق صاحب، مولانا صدرالدین صاحب، مولانا حامد علی صاحب اور محمد شفیع صاحب مونس نے ہمدردان و متاثرین سے انفرادی ملاقاتیں کیں۔ یہ نشست بارہ بجے ختم ہو گئی۔

نشست ہفتم (بعد نماز ظہر)

اس نشست میں بھی رفقاء و متاثرین سے خصوصی ملاقات کا پروگرام رہا

ملاقاتوں کا سلسلہ ۵ بجکر ۵ منٹ تک جاری رہا۔ اس کے بعد یہ نشست ختم ہو گئی۔

نشست ہشتم

(۹ - ۳۰ سے ۱۲ بجے تک)

یہ دوسرا اجتماع عام تھا جس میں کل شب کی طرح ہر مکتب خیال و فکر کے لوگوں نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں پہلے مولانا قدوسی صاحب مرحوم نے رسالت کی ضرورت پر تقریر فرمائی۔

مولانا زکریا صاحب قدوسی مرحوم کی تقریر

خطبۂ مسنون کے بعد:-

صاحبو! اس وقت مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے اس کا تعلق ان دو تقریروں سے ہے جو کل آپ نے سُنی ہیں۔ ان تقریروں میں یہ بات پوری وضاحت سے بیان کی گئی تھی کہ دنیا میں اس وقت فساد ہے اور کوئی ملک اور کسی ملک کا کوئی حصہ ایسا نہیں جو اس ہمہ گیر فساد سے خالی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فساد دور کیوں نہیں ہوتا اور دور ہو تو کس طرح ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک انسان پر انسان کا حکم چلتا رہے گا جب تک انسان اپنے لئے خود قانون بناتا رہے گا دنیا میں فساد ہی مچتا رہے گا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ انسان قانون بنانے کا حق رکھتا ہے تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون انسان؟ اگر کچھ خاص انسان یہ حق رکھتے ہیں تو اس کی وجہ معلوم ہونی چاہیئے اور اگر سب انسان

قانون بنانے کا حق رکھتے ہیں اور انھیں قانون بنانا چاہیئے تو یہ ممکن نہیں ہے دوسرا سوال یہ ابھرتا ہے کہ انسان کے پاس وہ کیا ذرائع وسائل ہیں جن سے وہ قانون بنائے گا اگر عقل سے، تو آپ کو اس کا محدود اور ناقص ہونا خود معلوم ہے. چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی بڑے بڑے عقلاء کی عقلیں کس طرح ٹھوکریں کھاتی ہیں. یہ آپ آئے دن دیکھتے رہتے ہیں کیا اس عقل سے انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے لئے اور سب انسانوں کے تمام مسائل کو حل کرنے کے لئے کوئی صحیح قانون بنانا ممکن ہے؟ تو کیا تجربہ سے؟ لیکن کس کے تجربہ سے؟ ہر ایک مختلف قسم کے تجربہ رکھتا ہے اور ان سے بالکل جداگانہ نتائج اخذ کرتا ہے. پھر انسان خواہشات کا بندہ ہے، وہ تعصبات اور طرفداری وجانب داری کا شکار رہے جس گروہ جس قوم جس طبقہ اور جس ملک کے لوگوں کے ہاتھ میں قانون سازی کا اختیار آئے گا وہ دوسروں کو نظر انداز کر دیں گے. زنگی زنگی کی حمایت کریگا اور فرنگی فرنگی کی. جیسا کہ آپ ہر چہار طرف دیکھ رہے ہیں اور بڑے بڑے مہذب اور عقلاً روزگار یہی کچھ کر رہے ہیں. انسان کا تو حال یہ ہے کہ خالص علمی مسئلوں میں بھی وہ توازن کو برقرار نہیں رکھ پاتا اور افکار و نظریات میں بھی اپنی خواہشات وجذبات اور جانبدارانہ میلانات کو داخل کر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو نظریہ آج صحیح مانا جاتا ہے کل وہی غلط قرار پا جاتا ہے. جب افکار و نظریات و تحقیقات و اکتشافات میں انسان کی جذبات پرستی کا یہ حال ہے تو قانون کے معاملہ میں تو وہ اور بھی جذبات وخواہشات کا پاس کریگا کیونکہ قانون انسان کی زندگی، اس کے عملی مسائل اس کے مستقبل اور

اس کے مفادات سے انتہائی گہرا ہوتا ہے بلکہ قانون بنایا ہی انہیں امور کے لئے جاتا ہے۔ چنانچہ یہی کچھ ہو رہا ہے اور اس کا نتیجہ وہ عالم گیر فساد ہے جس سے عالم انسانیت چیخ اٹھا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر انسان صحیح قانون نہیں بنا سکتا تو پھر انسان کو صحیح قانون کہاں سے ملے۔ اس پر غور کرنے سے پہلے اس پر غور کیجئے کہ انسان کی تمام ضروریات کہاں سے پوری ہوتی ہیں۔ آپ ذرا بتائیں کہ یہ دودھ، یہ پھل، یہ ترکاریاں یہ غلے اور میوے کس نے پیدا کئے، ماں کے سینے میں دودھ کس نے اتارا اور ماں باپ کے دل میں محبت کس نے پیدا کی، سورج کی روشنی، ہوا، پانی، زمین اور دوسری تمام ضروریات کا کس نے بندوبست کیا۔ کانوں میں سونا، چاندی لوہا، کوئلہ اور دوسری معدنیات کس نے پیدا کیں۔ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہے کہ خدا نے، پھر اگر یہ واقعہ ہے کہ مہربان خدا نے انسانی جسم کی ہر ضرورت کو پورا کیا ہے تو کیا اس نے انسان کی روح اور اس کی انسانیت کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا، اس نے انسان کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کو پورا کیا اور اس کے لئے اتنے وسیع و عریض کارخانہ حیات کو وجود بخشا اور چلایا تو کیا اس نے انسان کی اس سب سے بڑی ضرورت — قانونِ زندگی — کو نظر انداز کر دیا، یہ بات عقل میں نہیں آتی، اور نہ خدا کی ربوبیت، حکمت اور رحمت سے اس کا کوئی جوڑ ہے، جب ہماری ہر ضرورت کو — چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کو خدا ہی پورا کر سکتا ہے اور کرتا ہے تو اس سب سے بڑی ضرورت کو بھی وہی پورا کر سکتا ہے اور اس کو پورا کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے علاوہ اس کی تکمیل کسی کے بس میں نہیں ہے۔

جب آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ انسان کے لئے یہ سب سامان کس نے پیدا کئے تو آپ خدا کا نام لیتے ہیں لیکن جب آپ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ انسان کی اس سب سے بڑی ضرورت کو کس نے پورا کیا اور کون پورا کرے تو آپ ایرے غیرے کا نام لے دیتے ہیں۔ ارے صاحب آپ یہ تو سوچیں کہ اگر موٹر کو، ریل کے انجن کو اور دوسری مشینوں کو کوئی اناڑی چلائے گا جو ان کے کل پرزوں سے اچھی طرح واقف نہ ہو تو ان کو بگاڑ کر نہ رکھ دے گا۔ پھر جو لوگ انسان کی فطرت کو نہ جانتے ہوں اس کی زندگی کے مقصد سے بے خبر ہوں۔ انسانی زندگی کے کل پرزوں کی ماہرانہ واقفیت نہ رکھتے ہوں۔ کائنات کے نظام کی انھیں خبر نہ ہو وہ اگر قانون بنائیں گے تو کیا انسانی زندگی کو بگاڑ کر نہ رکھ دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لئے خدا ہی صحیح قانون بنا سکتا ہے جو اس کا خالق ہے جس نے اس کی فطرت بنائی ہے۔ جس نے یہ کائنات پیدا کی ہے اور جو انسانی فطرت، انسانی زندگی اور کائنات کے تمام رازوں کا کامل علم رکھتا ہے۔

تو کیا خدا نے ہمارے لئے قانون بنایا ہے؟ اس کا جواب اثبات اور قطعی اثبات میں ہے۔ خدائے تعالیٰ نے انسان کو ابتدائے آفرینش ہی سے قانون دیا۔ جو برگزیدہ بندے یہ قانون لائے ہیں انھیں کو انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ہمیں یہ کیسے یقین ہو کہ یہ لوگ اللہ کے رسول ہیں تو اس کا معلوم کرنا بھی کچھ مشکل نہیں اور انبیاء کرام کے بارے میں تو میں اس وقت

کچھ عرض نہیں کرتا البتہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بلاخوف تردید یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ان کی پوری زندگی کا تفصیلی ریکارڈ تاریخ میں موجود ہے۔ اس کا آپ مطالعہ کریں، آپ یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ اس جیسی صادق، امین، خداترس اور کامل ہستی انسانی تاریخ میں کوئی دوسری موجود نہیں ہے۔ ایسی راستباز اور خداترس ہستی اگر پورے وثوق اور صراحت کے ساتھ اپنے کو اللہ کا رسول بتاتی ہے تو آخر کس بنیاد پر ہم اس کے اس دعوی کو رد کر دیں جب کہ جو دین اور جو طریقۂ زندگی اس نے پیش کیا ہے وہ ہماری عقل اور ہمارے دل کو اپیل کرنے والا، ہمارے تمام اُلجھے ہوئے مسائل حل کرنے والا اور تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن بھی ہو اور اس میں وہ ہمہ گیری، وہ ربط، وہ جامعیت، وہ گہرائی اور وہ حکمت رکھتی ہو جو اس دین کے دین الٰہی ہونے کا خود بیّن ثبوت ہو جبکہ خود اس رسول پاک کی زندگی کا ہر گوشہ کامل انسانیت کے بہترین نمونہ کی حیثیت سے سامنے آرہا ہو اور جب کہ اس دین کو پوری طرح قبول کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں انسانیت کا اعلیٰ نمونہ ہوں اور جب کہ اس دین کے قائم و غالب ہونے پر وہ زریں، وہ روشن، وہ انسانیت پرور اور وہ عدل گستر دور دنیا میں آیا ہو جو چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا اور جس کو تمام انسانیت نے سراہا اور نمونہ کا دور سمجھا۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بعد بھی ہم اس دین کو اللہ کا دین نہ مانیں اس کے لانے والے کو اللہ کا رسول قرار نہ دیں اور اپنی فلاح و بہبود کی خاطر اس دین کو نہ اپنائیں۔ اگر ہم اللہ کے قانون کی

پیروی کریں گے تو اپنا دنیا و آخرت کا فائدہ کریں گے اور نہ پیروی کریں گے تو اپنی دنیا و آخرت تباہ کریں گے۔

مگر آج حال یہ ہے کہ جو لوگ اس دین کو مانتے بھی ہیں اور قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھتے بھی ہیں وہ قرآن سے صرف تعویز گنڈوں کا کام لیتے ہیں اور اس سے جن، بھوت، بیماری وغیرہ کو بھگانے کی خدمت لیتے ہیں۔ نہ تو اس پر عمل کرتے ہیں نہ اس سے مسائل زندگی کو حل کرنے میں مدد لیتے ہیں نہ اس کی دعوت کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مختلف وادیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ذلت و خواری سے دوچار ہیں۔ کبھی کالے کا دامن پکڑتے ہیں کبھی گورے کا۔ گھر میں خزانہ بھرا پڑا ہے مگر اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے کبھی امریکہ کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور کبھی روس سے دستگیری کے طالب ہوتے ہیں۔ اللہ کا بھیجا ہوا نظام زندگی گھر میں موجود ہے مگر وہ دوسرے نظاموں اور تحریکوں کے پیچھے دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں، ان کا جوا اپنے کندھے پر اٹھا رہے ہیں۔ دنیا جمہوریت و اشتراکیت، قوم پرستی، وطن پرستی اور لادینیت کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہی ہے اس تباہی سے بچانے کا نسخہ اپنے پاس رکھتے ہیں، مگر دوسروں کو تو کیا بچاتے خود بھی اسی سیلاب تباہی میں بہے چلے جا رہے ہیں اور صحیح نظام زندگی کی طرف جانے کے بجائے ان غلط اور مہلک نظامہائے حیات کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ کس قدر اندھیر ہے! اللہ کے بھیجے ہوئے ہدایت کے خزانے پر اژدہا بنے بیٹھے ہیں۔ نہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیتے ہیں۔

آپ کہیں گے ہم نے کب غیر مسلموں کو روکا ہے کہ وہ اسلام سے مستفید نہ ہوں یہ صحیح ہے کہ ہم نے زبان سے نہیں روکا ہے، لیکن ہمارا عمل اور ہماری تمام عملی سرگرمیاں تو انھیں اس راہ سے روک رہی ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کا ماننے والا جھوٹ بولتا ہے، رشوت لیتا ہے، ہر طرح کی بداخلاقی اور ہر قسم کے بے اصولے پن کا ارتکاب کرتا ہے۔ پھر کیوں اس کا دل قرآن کے آگے جھکے اور کیوں اس کی رائے اسلام کے بارے میں بہتر ہو۔ اگر مسلمان اپنے قول و عمل سے دین کی شہادت پیش کرتے تو دنیا اپنی سر کی آنکھوں سے چلتے پھرتے اسلام کو دیکھتی دیکھنے پر مجبور ہوتی اور اس سے اثر قبول کرتی لیکن جب وہ مسلمانوں کے ان غلط نمونوں کو دیکھتی ہے، اور دن رات مشاہدہ کرتی ہے کہ مسلمان اسلامی تحریک کو چلانے کے بجائے دنیا کی دوسری غلط اور باطل تحریکات کے علم بردار بنے ہوئے ہیں تو کس طرح ان کا ذہن اسلام کا مطالعہ کرنے کی طرف مائل ہو اور کس طرح ان کے دل میں اسلام کے متعلق کوئی اچھا گمان پیدا ہو۔

میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ جب دلی میں فساد ہوا تو تم روئے، جب مشرقی پنجاب میں فساد ہوا تو تم روئے، جب لوٹے ہوئے برتن اور سامان بکے تو تمہیں رونا آیا۔ اور اس لئے رونا آیا کہ میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ایک مسلمان کے کانٹا لگے تو دوسرے مسلمان کے دل میں چبھن ہونی چاہیئے، یہ ایک فطری بات تھی، لیکن میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کسی کو اس پر بھی رونا آیا کہ اللہ کا قانون ہر جگہ پامال ہو رہا ہے، بازار

ے، کچہری سے، اسمبلیوں اور کونسلوں سے، مدرسوں سے، گھروں سے، صورتوں سے اور لباسوں تک سے اللہ کا دین بے دخل ہے، ہر جگہ ابلیس کا تسلط ہے، کیا اس کا درد بھی مسلمان کے دل میں پیدا ہوا، قرآن گھر سے بام و در سے دوکان سے، غرض ہر جگہ سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ لیکن مسلمان ہے کہ مزے کی نیند سو رہا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ (اسلام اجنبیت اور غربت کی حالت میں ظاہر ہوا اور جس طرح وہ ظاہر ہوا تھا اس طرح وہ پھر اجنبی و غریب ہو جائے گا، تو ان لوگوں کو خوشخبری ہو جو اس زمانے میں اسلام کے باعث اجنبی و غریب ہوں گے) آج وہی دور ہے تو کیا ہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوشخبری کا مستحق بننا نہیں چاہئے۔

صاحبو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آج اسلام ہر جگہ سے بے دخل ہے اور اسلام کے مطابق سانس لینا دشوار رہا ہے، اب دنیا کی ہدایت اور دین خدا کو قائم کرنے کا کام کس کے ذمہ ہے؟ یقیناً یہ تمہارا ہی فریضہ ہے اٹھو اللہ کے دین کو پھیلاؤ اور اپنی پوری زندگی اور اپنے فعل و عمل سے دنیا کے اندر حق کی شہادت پیش کرو۔

غیر مسلم بھائیوں سے مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ مسلمانوں نے اس دین کی ناقدری کی ہے اور اس وجہ سے وہ ٹھوکریں کھا رہے ہیں تو چھوڑو ان کو اور خود دیکھو کہ یہ دین کیسا ہے، قرآن خود تمہارے ملک میں موجود ہے تم اس کا مطالعہ کر سکتے ہو۔ پنڈت نہرو نے کہا تھا "میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا حل مل جائے کہ ہندستان کو

سکھ نصیب ہو جائے "۔ قرآن کو پڑھ کر تم محسوس کرو گے کہ پنڈت نہرو اور ہر ہندوستانی جس چیز کو دل سے چاہتا ہے وہ اس کے اندر موجود ہے۔ یہ سمجھنا کہ مسلمانوں ہی کی چیز ہے، صحیح نہیں ہے، یہ مسلمانوں کی جاگیر نہیں ہے کیا بارش سورج، چاند، ہوا صرف مسلمانوں کے لئے ہیں ؟ کیا غلہ پیداوار اور لاکھوں نعمتیں صرف مسلمانوں کے لئے ہیں ؟ نہیں ! اور یقیناً نہیں، اسی طرح خدا کا نازل کیا ہوا قرآن اور خدا کا بھیجا ہوا قانون سب انسانوں کے لیے نعمت ہے اور سب انسان اس سے فائدہ اٹھانے کا یکساں حق رکھتے ہیں۔ اس لئے اس سے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ غور کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ یہ اللہ کا آخری دین ہے یا نہیں اور اس سے انسانوں کے تمام مسائل حل ہوتے ہیں یا نہیں۔

آپ سوال کر سکتے ہیں کہ جس اسلام کی تعریف کی جا رہی ہے وہ کہیں قائم بھی ہے ؟ میں عرض کروں گا کہ وہ کہیں بھی قائم ونافذ نہیں ہے اور یہ ہم مسلمانوں کی فرض ناشناسیوں کا نتیجہ ہے۔ مگر یہ ہوائی باتیں نہیں ہیں اور نہ اسلام نظریہ ہی نظریہ ہے، اس کی مستقل تاریخ ہے۔ ذرا پیچھے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھئے، اللہ کے قانون کی بہاریں دنیا کے اندر آ چکی ہیں خلافتِ راشدہ کے زریں دور کو کون نہیں جانتا اور کون اس کے بہترین دور ہونے کا معترف نہیں اس دور کی کیا خاص خصوصیت تھی۔ بس یہی تو کہ اسلام کا قانون اپنی کامل شکل میں اپنی اصل سلسلے کے ساتھ نافذ تھا، آپ تاریخ میں اس دور کی تفصیلات پڑھیں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت ہے۔ آپ کی زرہ گم ہو گئی

تھی دیکھا کہ ایک یہودی کے ہاتھ میں ہے، اس نے کہا میری ہے۔ اس غلط بیانی کے باوجود خلیفۂ وقت کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ ڈرا دھمکا کر یا ایک تھپڑ مار کر زرہ اس سے چھین لیں، اس کے بجائے وہ قاضی (جج) کے یہاں اپنے معاملہ کو لیگئے قاضی نے دونوں سے یکساں سلوک کیا اور یہ نہ دیکھا کہ کون خلیفہ وقت ہے اور کون دشمن اسلام، قاضی نے خلیفہ سے کہا کہ آپ مدعی ہیں گواہ لائیے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے گواہی کے لیے اپنے غلام قنبر اور اپنے بیٹے حسنؓ کو پیش کیا قاضی نے کہا غلام کی گواہی تو قبول ہے مگر بیٹے کی باپ کے حق میں گواہی قانوناً اور اصولاً قبول نہیں کی جاسکتی، کوئی دوسرا گواہ لائیے ورنہ میں کارروائی آگے چلاتا ہوں خلیفہ نے کہا اور تو کوئی گواہ میرے پاس نہیں ہے قاضی نے یہودی سے کہا کہ تم قسم کھاؤ کہ زرہ میری ہے اس نے قسم کھالی قاضی نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ آپ نے غور کیا، دعویٰ کس کا رد کیا گیا خلیفہ وقت کا، امیر المومنین کا، وقت کے سب سے بڑے صحابی کا، رسول پاکؐ کے چچازاد بھائی اور داماد کا اور گواہی کس کی رد کی گئی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسے کی، خلیفۂ وقت کے بیٹے کی، ان کی جن کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ وہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اور فیصلہ کس کے حق میں ہوا اسلام کے سب سے کٹر دشمن یہودی کے حق میں کیوں ہوا، اس لئے کہ اصول اور قانون کا یہی تقاضا تھا، یہودی نے جب اس بے لاگ انصاف کو دیکھا تو بیساختہ اپنے آپ کو اسلام کے قدموں میں ڈال دیا۔

یہ اور اس طرح کے بے شمار واقعات یہ دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے اور تاریخ کے صفحات نے پوری احتیاط سے انہیں محفوظ کر لیا ہے۔

کیا آپ نہیں چاہتے کہ آج پھر وہی دور آئے کم از کم آپ کے ہندوستان میں آئے یہ دور صرف خدا سے ڈرنے والوں، اس کے احکام پر پوری شدت سے چلنے والوں ہی کے ہاتھوں پھر وجود میں آسکتا ہے اور اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب انسان کے خود ساختہ قوانین کے بجائے اللہ کا قانون دُنیا میں نافذ ہو آیئے ہم سب ملکر اللہ کے قانون کو تلاش کریں، اس کی پیروی کریں اور سوسائٹی کے پورے ڈھانچے کی تعمیر خدائی قانون کی بنیادوں پر کرنے کے لئے ایک ایسا ہمہ گیر انقلاب ملک میں برپا کریں جس سے ہمارا ملک واقعی جنت نشان بن جائے، ہر طرف امن وامان، انصاف، انسانیت، اخلاق، بھائی چارہ، محبت اور خدا ترسی کا دور دورہ ہو۔ جماعت اسلامی اسی کام کے لئے اُٹھی ہے اور آپ کو اسی بات کی دعوت دیتی ہے۔

امیر جماعت اسلامی ہند کا مقالہ

مولانا ذکریا صاحب کی تقریر کے بعد مولانا ابواللیث ندوی اصلاحی امیر جماعت اسلامی ہند کا ایک مقالہ پڑھ کر سنایا گیا ....

.... مقالہ پڑھے جانے سے پہلے موصوف نے اپنی ایک مختصر زبانی تقریر میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

کل سے اس وقت تک آپ ہمارے مختلف رفقاء کی زبانی تین تقریریں سن چکے ہیں۔

جن میں سے دو تقریروں میں موجودہ مقبول نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ کس طرح دنیا اور بالخصوص ہندوستان کے موجودہ مسائل کے حل کرنے میں ناکام ہیں اور تیسری تقریر میں کچھ اختصار کیساتھ اس بات کی طرف اشارے کیے گئے ہیں کہ ان کے حل کی صحیح صورت کیا ہو سکتی ہے۔ اب اس ضمن کی صرف آخری تقریر باقی رہ گئی ہے، جس میں یہ وضاحت کی جائے گی۔ کہ جماعت اسلامی جس کی دعوت پر آپ اس وقت یہاں تشریف لے آئے ہیں، کیا چاہتی ہے اور جو کچھ چاہتی ہے اس کو وہ کس طرح حاصل کرنا چاہتی ہے؟ یہ تقریر میرے فرائض منصبی کے لحاظ سے مجھے کرنی تھی اور میں چند دن پہلے تک یہی خیال کر رہا تھا کہ اس سوال کے ضمن میں مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے اسے میں زبانی عرض کر دوں گا، لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے خیالات کے سلسلہ میں ہم پر بڑا ظلم کیا جا رہا ہے۔ بہت سے لوگ ہماری باتوں کو غلط سلط کر کے بیان کرتے ہیں بلکہ نہایت غلط اور بے بنیاد باتیں ہماری طرف منسوب کر دی جایا کرتی ہیں، اور آجکل تو خصوصیت کے ساتھ یہ کام وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے مقصد اور اس کے طریق کار کے بارے میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اسے تحریری شکل میں بیان کروں گا تاکہ وہ باتیں ٹھیک طور سے ادا ہوں اور ٹھیک طور سے سمجھی جائیں اس خیال کے مطابق میں نے اپنی باتیں قلمبند کر لی ہیں اور وہی تحریر اس وقت آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری اس احتیاط کے باوجود جو لوگ غلط فہمیاں پھیلانے کا ارادہ ہی کر چکے ہیں۔

وہ اس کے بعد بھی اس سے باز نہیں آسکتے۔ لیکن ظاہر ہے اس احتیاط کے علاوہ ہمارے پاس ایسے لوگوں کو ان کی اس حرکت سے باز رکھنے کی کوئی اور تدبیر نہیں ہے۔

میری گزارش یہ بھی ہے کہ یہ تحریر کسی قدر طویل ہو گئی ہے اس لیے اس کو ذرا سکون کے ساتھ آخر تک سماعت فرمائیں۔ اس میں ان تمام ضروری پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا جاننا جماعت کی دعوت سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

اس کے بعد ایک رفیق اسٹیج پر تشریف لے آئے اور بلند آواز سے انھوں نے تقریر[1] پڑھنی شروع کی۔

---

[1] یہ تقریر "جماعت اسلامی اس کا مقصد اور طریق کار" نامی کتابچے میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۳ر اپریل ۱۹۵۱ء

درس قرآن پاک

نماز فجر کے بعد حسبِ معمول مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب نے قرآن مجید کا درس دیا۔

آج درس سورۂ مائدہ کی آیات (۷ تا ۱۴) سے متعلق تھا آیتوں کے ترجمہ کے بعد ان کے مطالب کی حسب ذیل شرح بیان کی گئی۔

حضرات سامعین! یہ آیات کریمہ ہماری ایمانی فلاح اور ملی زندگی کے باب میں قول فیصل کا حکم رکھتی ہیں، ان کو دراصل اللہ جل شانہ کا وصیت نامہ سمجھنا چاہیئے جو اس نے اپنے سارے احکام و فرامین سُنا دینے کے بعد حرفِ آخر کے طور پر پیروانِ قرآن کے کانوں میں ڈال دیا ہے۔ اس وصیت نامہ میں اُمّت مسلمہ کی ہستی کے اہم ترین حقائق مذکور ہیں۔ اسے سمجھا دیا گیا ہے کہ قرآن کے اوراق ہاتھ میں لینے کے بعد وہ کن گراں بار فرائض کی ذمہ دار بن چکی ہے؟ اور اب اس کا اللہ رب العالمین کی نگاہوں میں کیا مقام ہے؟ اگر اس نے اپنے فرض کو نہ پہچانا تو اس غداری کی اسے کیا سزا مل سکتی ہے؟ کاروبار حیات میں اس کی امتیازی نشان کیا ہونی چاہیئے؟ اور اگر خدانخواستہ اس امت میں اپنے فرائض زندگی سے گریز اختیار کرنے کی وبا پھیل جائے تو اس وقت بھی ایک سچے مومن کا رویہ کیا ہونا چاہیئے؟ پھر ان ساری اہم حقیقتوں کو یہود اور نصاریٰ کی تاریخ عبرت کے آئینہ میں بھی دکھا دیا گیا ہے۔ رہیں ان کی تھوڑی سی تفصیل

عرض کرتا ہوں ۔

فرمایا جاتا ہے کہ مسلمانو! اس قرآن کو اچھی طرح جان پہچان لو۔ یاد رکھو کہ فطرتاً تم پر میرے احکام کی پابندی لازم تو تھی ہی، کیونکہ میں ہی تمہارا خالق، مالک اور پروردگار ہوں ۔ مگر اب تو اس قرآن کی پیروی کا اور اور اس کی علمبرداری کا اقرار کر کے تم نے اس فرماں برداری کو اپنے اوپر لازم سے لازم تر کر لیا ہے ۔ یہ قرآن میرے اور تمہارے درمیان قرار پانے والے معاہدہ کی وہ دستاویز ہے جس کے مطابق ہی اب تم سے معاملہ ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ مگر یہ بھی سُن لو کہ یہ دستاویز معاہدہ بالکل ایک نئی قسم کی دستاویز ہے جس کی حیثیت، اگر تم سوچو تو، زحمتوں اور مصیبتوں کے انبار کی نہیں بلکہ نعمتوں کے خزانے کی سی ہے ۔ خبردار! جو کبھی اس سے تمہارے دلوں میں کبیدگی اور تنگی پیدا ہو، جیسا کہ دشمنِ عقل اہل کتاب کے دلوں میں پیدا ہوئی اور زبانوں سے اس کا اظہار بھی ہوا ۔ یہ اس معنی میں ضرور ایک عہد نامہ ہی ہے کہ تمہارے متعلق جو فیصلہ بھی کل کیا جائے گا اسی کے مطابق کیا جائے گا ۔ کیونکہ عقل کا، حکمت کا، اور عدل کا یہی تقاضا ہے، مگر فی نفسہٖ یہ کتاب وہ بیش بہا نعمت ہے جس سے بڑی نعمت اس آسمان کے نیچے کوئی اُتاری نہیں گئی ۔

اس معاہدہ کی پابندی نہیں کس طرح کرنی ہے؟ اس کا جواب لمبا بھی ہے اور مختصر بھی، لمبا جواب تو وہ ہے جو قرآن کی ایک سوچ، وہ صورتوں میں سمایا ہوا اور صاحب قرآن کے اقوال و افعال میں پھیلا یا ہوا ہے ۔ اور

مختصر جواب یہ ہے کہ "اللہ کے لئے قسط کے قوام اور شاہد بنو"، یہ "قسط" کیا چیز ہے؟ سیدھی بات یہ ہے کہ قسط اور عدل وہ دین اور شریعت ہی جسکا نام اسلام ہے۔ "قوام" کا مطلب ہے اس ضابطہ عدل (دین) پر مضبوطی سے جم جانا، اور "شاہد" بننے کا مدعا یہ ہے کہ اس کی سچائی اور فلاح بخشی کی باقی دنیا کے روبرو گواہی پیش کی جائے، قول سے بھی اور عمل سے بھی۔

حضرات! یہ آیت "قسط" سورۂ نساء میں بھی آئی ہے جس کے الفاظ اس (مائدہ والی) آیت سے کسی قدر مختلف ہیں، قرآن کی آیتیں ایک دوسرے کی شرح و تفصیل بیان کرنے والی ہوتی ہیں۔ پس اگر آپ اس آیت کو نساء والی آیت کی روشنی میں دیکھیں تو وہ مفہوم آپ کے سامنے بالکل واضح ہو کر آجائے گا جو عرض کر رہا ہوں۔ غرض دین حق کی ذاتی پیروی کا اور دوسروں تک اس کی تبلیغ و شہادت کا دوگونہ فرض اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرات! اس خالص حق و عدل کی پیروی اور علمبرداری کتنے بے لاگ طریقے سے ہونی چاہئے؟ اس کی وضاحت سورۂ نساء والی آیت کے یہ الفاظ کرتے ہیں کہ "وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ"، یعنی حق کا دامن ہرگز نہ چھوڑو خواہ اس حق پرستی کی زد بظاہر تمہاری اپنی ہی ذات پر اور اپنے والدین و اقرباہی پر کیوں نہ پڑتی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا کے دانشوروں کا مشورہ خواہ کچھ ہو، ذات اور خاندان، نسل، اور برادری، قوم اور ملت، ملک اور وطن کے اندھے

تقاضے جو کچھ بھی کہیں، تمہیں ہر آواز کے لئے اپنے کان بہرے کہ لینے چاہئیں اور کرنا وہی چاہیئے جو حق ہو، عدل ہو، فرمودۂ قرآن ہو، حکم خدا ہو، ارشاد رسول ہو۔ بلا شبہ دنیا کے نام نہاد عقلمند اسے حماقت کہیں گے اور کیا عجب کہ تمہارا دل بھی کتنے مواقع پہ ظاہری حالات کے طوفانی جھونکوں سے ہل جائے۔ مگر یاد رکھو یہی فیصلہ کا وقت ہوگا، اور یہیں تمہاری وعدہ وفائی جانچی جائے گی، پھر اس کا بھی یقین کرو، تم سے اس بے لاگ حق پرستی کا مطالبہ صرف اسی لئے نہیں کیا جاتا کہ یہی حکم خدا ہے اس لئے بھی کیا جاتا ہے کہ فی الواقع اس میں تمہاری بھی بھلائی ہے اور اس کی بھی جس کے خلاف تمہاری یہ گواہی بظاہر پڑ رہی ہو، تنگ نظری اور کم نگاہی سے کام نہ لو، دور تک سوچو، آخر تم اپنی ذات یا اپنے خاندان یا اپنی قوم یا اپنے وطن کے خلاف گواہی دینے اور حق کہنے سے کیوں دل گرفتہ ہوتے ہو؟ اسی لئے نا کہ تمہارا گمان ہے اس طرح اس پر چوٹ پڑ جائے گی اور اس کا مفاد تباہ ہو جائے گا، پر افسوس! تم نے یہ نہیں سوچا کہ جس کو تم چوٹ کھانے سے بچانا چاہتے ہو مجھ سے بڑھ کر اس کا واقعی خیر خواہ کوئی نہیں (اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا) کیا مجھ سے بڑھ کر تم اس کے خیر خواہ ہو؟ کارسازی میرے ہاتھ میں ہے یا تمہارے؟ پس اس سچی شہادت کا نتیجہ صرف یہی نہیں کہ تم اپنے عہد بندگی میں سچے ثابت ہو گے، بلکہ جس کے خلاف تمہاری یہ شہادت پڑیگی اس کا بھی حقیقی مفاد اسی طرح محفوظ ہوگا تم اسے اللہ کے اور اس کے قانون کے حوالہ کر کے

دراصل اسے فائدہ پہنچاؤ گے، اگرچہ وقتی طور پر، بظاہر نقصان ہوتا نظر آئے گا مگر یہ سطح بینی میں نقصان ہے، حقیقت میں نہیں۔ اس لئے اگر تم واقعی معنوں میں اپنی ذات کے یا اپنے اعزا و اقربا کے یا اپنے ملک و قوم کے خیر خواہ ہو تو باطل میں اس کی ہمنوائی اور جانب داری نہ کرو بلکہ مخالفت کرو اور اسے حق کے سپرد کر دو۔

حضرات! اس شہادت حق کی ایک عملی مثال بھی سن لیجئے جو قرآن حکیم نے اسی سورہ میں آگے چل کر پیش فرمائی ہے۔ یہ مثال ہے نبی اسرائیل کے دو اولو العزم شاہدانِ حق کی۔ جب بحکم خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی اسرائیل کو فلسطین پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ چلا اٹھے۔ "اِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ" اس بستی میں بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں "فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ" موسیٰ! تم اور تمہارا خدا، دونوں جاؤ، لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ جس وقت اللہ اور رسول اللہ کے حکموں کی یوں علانیہ خلاف ورزی ہو رہی تھی اور قسط و عدل سے صریح انحراف کیا جا رہا تھا تو اسی قوم کے اندر سے دو خدا کے بندے اٹھے جن کا نام توراۃ میں یوشع اور کالب آتا ہے۔ انھوں نے قوم کے سامنے حرارت ایمانی سے بھری ہوئی تقریر کی اور اس کی بے یقینی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اسے حکم خداوندی کی پیروی پر ابھارا۔ انھوں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی کہ حالات کیا ہیں؟ یہ نہیں سوچا کہ قوم کا سوادِ اعظم کیا چاہتا ہے؟ ان کے سامنے صرف خدا کا

حکم تھا، رسول کا ارشاد تھا "قسط" کی پیروی تھی اور حق کی گواہی تھی۔
قوم نے اگرچہ ان کی باتوں کو بھی ٹھکرا دیا، حتیٰ کہ ان کو پتھروں
سے مار مار کر ہلاک کر دینے کی سوچنے لگی مگر وہ برابر اپنے موقف پر ہی جمے رہے

حضرات! پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ مستقبل کا فیصلہ کیا رہا؟ مستقبل کا فیصلہ یہ رہا کہ آخر کار وہ وقت آیا جب انہی حضرات یوشع کی سرکردگی میں فلسطین فتح ہوا اور ان کے سر پر بنی اسرائیل کی سیادت کا تاج رکھا گیا۔ جی ہاں! انہی یوشع کے سر پر جن کی باتوں کو کل ٹھکرا دیا گیا تھا۔ اور پوری قوم جن کو نا انجام شناس قرار دے چکی تھی اور ان کو مع چند گنے چنے بندگانِ حق کے تنہا چھوڑ کر الگ ہو گئی تھی۔ یہ تھا فیض، حق کی استقامت بھری شہادت کا اللہ تعالےٰ نے ایفائے عہد، اتباعِ حق اور شہادتِ قسط کی یہ مثال بھی ہمارے سامنے رکھ دی ہے اور ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کے نقضِ عہد کی داستانیں بھی سنا دی ہیں اور پھر دونوں روشوں کے نتیجے بھی سنا دیئے ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کا اپنے لئے انتخاب کر لیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نشست نہم

۷ ½ بجے سے ۸ ½ بجے تک

ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد اجتماع کی نویں نشست شروع ہوئی یہ نشست اس اجتماع کی آخری باقاعدہ نشست تھی۔ اس میں امیر جماعت نے رفقاء کو ہدایت دینے کے لئے اپنی اختتامی تقریر ارشاد فرمائی جو درج ذیل ہے۔

امیر جماعت کی اختتامی تقریر :-

حمد و ثناء کے بعد

محترم رفقاء و حاضرین!

یہ ہمارے اجتماع کی آخری باقاعدہ نشست ہے اس کے بعد حلقہ ادب اور حلقہ معاشیات وغیرہ کے کچھ ذیلی اجتماعات اور ہوں گے اس طرح سے جو نئی بستی دو چار دن کے لئے یہاں بس گئی تھی وہ اجڑ جائے گی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے۔ یوں تو میں عام حالات میں بھی اپنے اکثر کاموں میں اللہ کے خاص فضل کو محسوس کرتا رہا ہوں لیکن خاص اس اجتماع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے جب میں اس کا تصور کرتا ہوں تو میرا دل شکر و امتنان کے جذبہ سے لبریز ہو جاتا ہے اس اجتماع کا اعلان ہوتے ہی مقامی طور پر مخالفتوں کا ایک طوفان اُمنڈ پڑا تھا۔ مختلف لوگ مختلف اغراض کے تحت ہماری مخالفت پر تُل گئے، ہم پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے، ہمارے رفقاء کو طرح طرح کی الجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی اور بعض اشخاص نے تو ایسے ایسے طریقے اختیار کئے کہ اگر وہ خود ان پر سکون کے ساتھ غور کریں گے تو انھیں شرم آئے گی لیکن اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ ساری مخالفانہ سرگرمیاں ہمارے اجتماع پر اثر انداز نہ ہو سکیں بلکہ بعض پہلوؤں سے ہمارے لئے مفید ثابت ہوئیں ان کی وجہ سے بہت سے

نئے لوگ ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور ہماری باتیں سننے کی طرف متوجہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو مخالفین کے نازیبا مخالفانہ طریقے اختیار کرنے کی بنا پر ہمارے ساتھ ہمدردی پیدا ہوئی اور انھوں نے ازخود ان کے تدارک کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو مشکور فرمائے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی فضل و کرم اس موقع پر ظاہر ہوا ہے اور جس کی بنا پر ہم اس قدر سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی سب کارروائیاں کر سکے ہیں وہ بہت ہی اہم اور عجیب ہے جس پر ہمیں خصوصیت کے ساتھ اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اللہ کے فضل و کرم کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہم نے اس اجتماع کے موقع پر شکر گذاری کا حق کہاں تک ادا کیا ہے۔

میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں اجتماع کے مقاصد کی توضیح کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اس اجتماع کے تین اہم مقاصد ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں۔ باہم قریب ہوں، ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں۔ ظاہر ہے جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں اسے اس کے بغیر کر ہی نہیں سکتے کہ ہم باہم مربوط ہوں، ہم میں باہم محبت و یگانگت و محبت ہو، اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کریں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے کاموں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ہمیں کیا کچھ کرنا چاہیے تھا اور ہم نے کیا کچھ کیا ہے اور جو کچھ نہیں کیا ہے کیوں نہیں کیا ہے اور پھر جو موانع اور اسباب ہمارے

سامنے آئیں ان کے ازالہ کی تدابیر سوچیں اور تیسرا مقصد جو ان دونوں کا حاصل ہے یہ ہے کہ اپنی دعوت سے آنے والوں کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرانے کی کوشش کریں اور اس کے لئے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

اب آپ اپنے کام کا جائزہ لے کر اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو موقع فراہم کیا تھا اس سے آپ نے کہاں تک فائدہ اٹھایا ہے اور اجتماع کے ان مقاصد کی کہاں تک تکمیل کی۔ اگر آپ نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے تو یہ خوشی کا مقام ہے ورنہ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اللہ کے فضل کی قدر شناسی میں کوتاہی کا ثبوت پیش کیا ہے اور اس اجتماع کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر آپ کا آنا بڑی حد تک آپ کے نقصان کا موجب ثابت ہوا ہے۔ اپنے بارے میں صحیح فیصلہ تو آپ ہی کر سکتے ہیں لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے میرا تاثر یہ ہے کہ آپ میں سے بہت سے لوگوں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اپنا قیمتی وقت مذکورہ مقاصد ہی میں صرف کیا ہے لیکن اس کے ساتھ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہتوں نے اس موقع سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ مثال کے طور پر آپ پہلے ہی مقصد کو لے لیجئے۔ یہ اجتماع ایک عرصہ کے بعد منعقد ہوا تھا اور یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے اس کے بعد ہمیں کب اس طرح کا کوئی موقع میسر آسکتا ہے۔ کیونکہ آئندہ اجتماع بہر حال حالات

کے موافقت اور جماعت کے مصالح پر منحصر ہے۔ ایسی حالت میں اس موقع کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیئے تھا اور اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ کسی نہ کسی مفید کام میں صرف کرنا چاہیئے تھا لیکن بہتوں نے۔ میرا احساس یہ ہے کہ ۔۔ فاضل اوقات کو ایک دوسرے سے ملنے اور دعوت و تحریک کے سلسلہ میں گفتگو اور تبادلہ خیالات کے بجائے غیر ضروری کاموں میں ضائع کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اجتماع کی تھکا دینے والی مصروفیتیں ایک سخت رکاوٹ تھیں۔ تاہم ان کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ اگر وقت کی پوری قدر پہچانی جاتی تو تعارف اور باہمی ملاقاتوں کے لئے بہر حال کچھ نہ کچھ فرصت مل سکتی تھی اور کچھ اسی طرح کی باتیں اجتماع کے دوسرے مقاصد کے سلسلہ میں بھی کہی جا سکتی ہیں۔ بہر حال اس پہلو سے اپنا جائزہ لیجئے اور جس حد تک ممکن ہو اپنی کوتاہیوں اور غفلت کے تدارک کی فکر کیجئے اگر آپ تدارک اور تلافی پر آمادہ ہوں تو اس کی راہیں اب بھی بند نہیں ہیں یہ ضرور ہے کہ اب آئندہ سالانہ اجتماع سے پہلے ملاقات اور تعارف کا اتنا بہتر موقع آپ کو میسر نہیں آ سکتا جس میں ہندوستان کے تقریباً ہر حصہ کے رفقاء یکجا جمع ہو گئے تھے ۔۔۔ لیکن محدود پیمانہ پر اس کی تلافی بھی کسی حد تک ممکن ہے کیونکہ حلقہ وار اور ضلع وار اجتماعات ہوتے رہیں گے اور ان سے تھوڑا بہت تعارف اور ملاقات کا فائدہ حاصل کیا جا سکے گا اور جہاں تک دیگر دو مقاصد کا تعلق ہے اور خاص طور سے تیسرے مقصد کا ان کے لئے مواقع تو ہر وقت اور ہر جگہ میسر آ سکتے ہیں۔ اس لئے

اگر یہاں آپ ان کے سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکے ہیں تو میں اسے بھی غنیمت سمجھوں گا کہ آپ اپنی کوتاہی اور غفلت کا یہ احساس لے کر یہاں سے جائیں اور یہاں سے جانے کے بعد ان کی تلافی کے مواقع تلاش کریں اور پوری سرگرمی اور انہماک کے ساتھ ان سے فائدہ اُٹھانے میں لگ جائیں۔

یہ ایک موقع تو بہر حال آپ کے سامنے کھلا ہوا ہے کہ اجتماع میں شریک ہونے والوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اس شرکت کے بعد بھی دعوت و تحریک کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوں گے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جنھوں نے شرکت کے بعد تحریک و دعوت کے بارے میں کچھ ابتدائی اثرات قبول کئے ہوں گے۔ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ آپ یہاں سے جانے کے بعد ایسے لوگوں سے خاص طور سے اپنا ربط قائم کریں اور ان کی غلط فہمیاں دور کرنے اور ان کے تاثرات کو گہرا کرنے کی کوشش فرمائیں۔ یہ آپ کے کام کے لئے بہت بڑا میدان ہے لیکن اگر آپ تلاش کریں گے تو اس کے سوا اور بھی بہت سے میدان مل سکتے ہیں جن میں لگ کر آپ اپنی کوتاہی اور غفلت کی بہت کچھ تلافی فرما سکتے ہیں لیکن یہ سب کچھ دل کی لگن اور احساس پر مبنی ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو بہتر سے بہتر مواقع بھی آپ کے لئے بیکار ہیں اور اگر یہ کسی درجہ میں موجود ہے تو یہ اپنے لئے از خود کام کے بہت سے مواقع پیدا کر لے سکتے ہیں۔ اس لگن اور احساس کے پیدا کرنے کی صورت صرف ایک ہے کہ آپ اپنے رب کے ساتھ

زیادہ سے زیادہ لگاؤ پیدا کریں جب تک یہ لگاؤ پیدا نہیں ہوگا اسوقت تک کام کے ساتھ بھی لگاؤ پیدا نہیں ہوگا اس غرض کے لیے سب سے مفید چیز اللہ کا کلام ہے جو رفقاء کلام پاک کو سمجھنے کے لئے عربی حاصل کر سکتے ہوں ان کو اس جانب پوری طرح متوجہ ہونا چاہیئے اور جن کے لیے یہ موافق نہیں ہیں، وہ ترجمہ کی مدد سے قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے کا التزام رکھیں۔

دوسری اہم چیز نماز ہے یہ اصل ذکر ہے اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دیجئے۔ اور اس کے ذریعہ اپنا محاسبہ کرتے رہیئے اس طرح آپ کو دین سے اور دینی جد و جہد سے لگاؤ ہوگا۔ اس سلسلہ کی تیسری ضروری چیز ذکر ہے غفلت سے بچنے کے لیے آپ کو ہر دم ذکر میں لگا رہنا چاہیئے۔ ذکر سے میری مراد محض ذکر لسانی نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ آپ ہر دم اللہ کو یاد رکھیں اور ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کریں اس طرح آپ کا ہر کام ذکر ہوگا اور غفلت آپ کے اندر راہ نہ پا سکے گی بہر حال تعلق باللہ ہمارے کام کی اصل بنیاد ہے اگر خدانخواستہ اس میں کمی رہی تو یہ کام انجام نہیں دیا جا سکتا اور اس تعلق باللہ کی اس موقع پر تو خاص طور سے ضرورت ہے کیونکہ یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ اجتماع کے بعد لوگوں کی توجہات آپ کی طرف مرکوز ہوں گی اور بہت سے لوگ آپ کی ٹوہ میں پڑ جائیں گے کچھ لوگ آپ سے بدگمانیاں کریں گے اور ہو سکتا ہے کہ بدگمانیوں کے نتیجہ میں آپ کے سامنے طرح طرح کی آزمائشیں پیش آئیں اور یہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ آپ اور آپ کی دعوت ملک سے پوری طرح روشناس ہو جائے۔

ان صبر آزما حالات میں تعلق باللہ کے بغیر آپ ان سے عہدہ برآ ہونے میں کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تعلق باللہ کے بعد دوسری ضروری چیز صبر ہے۔

دین کا کام ہر دور میں دشوار رہا ہے لیکن موجودہ حالات میں اس کام کو انجام دینا تو پہلے سے بھی دشوار ہے جو لوگ ہمارے ساتھ اس کام کو انجام دینے میں مصروف ہیں وہ اپنے عزم کو کچھ زیادہ مضبوط اور راسخ کر لیں اور اپنی کمر ہمت کو کچھ زیادہ چستی سے کس لیں جو بھی افتاد آپ پر پڑے اس کے برداشت کرنے میں زیادہ سے زیادہ عزم و ہمت سے کام لیں اور یاد رکھئے یہ بات اللہ کے ساتھ لگاؤ کے ذریعہ ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

تیسری بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنی مضبوطی کے ساتھ ساتھ یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے دوسرے ہمراہیوں کے استقلال و استقامت کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں، ہم جس کام کو انجام دے رہے ہیں، اس کے لئے مستحکم اجتماعیت کی ضرورت ہے اور یہ اجتماعیت دوسروں کی خیر خواہی اور خبر سگالی کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی اگر آپ اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ عملی تعاون نہ کریں گے اور ان کی مشکلات میں ان کا ہاتھ نہ بٹائیں گے تو اس اجتماعیت کا قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا، اپنے ساتھیوں کی مضبوطی اور تقویت کا سبب بنیئے، اپنے آپ کو ان کا دست بازو بنائیے خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ اب جو حالات سامنے آنے والے ہیں ان میں سے پامردی کے ساتھ گزر جانا بجز اس وابستگی کے ممکن ہی نہیں ہے۔

تحریک تغافل و تجاہل کے مرحلہ سے گذر کر شکوک وشبہات کے مرحلہ میں پہنچ رہی ہے۔ اس دور میں باہمی اشتراک وتعاون کے علاوہ سلامت فکر اور استقامت کی بھی ضرورت ہے، اپنے فکر میں بھی اصلاح کیجئے ــــ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس دور کے لئے جس پختگیٔ فکر اور فکری جماؤ کی ضرورت ہے۔ وہ ابھی معیار مطلوب پر موجود نہیں ہے کتنی غلط باتیں ہیں جو غیر شعوری طور پر ذہن میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ ضروری ہے کہ آپ اپنے اپنے افکار و خیالات کا جائزہ لیتے رہیں اور جو خیال و فکر بھی دین اور دینی جدوجہد کے مطابق نہ ہو اسے ذہن سے نکال پھینکیں پھر جو کچھ سوچئے خالص دینی لائنوں پر اللہ کی رضا کے لئے اور آخرت کی کامیابی کے لئے سوچئے۔ جو غلط باتیں ذہن میں گھس آئی ہیں یا صحیح باتوں کے ساتھ رل مل گئی ہیں ذہنی یکسوئی اور پختگی کے لئے ان کو چھانٹ کر الگ کر کے پھینک دینا ضروری ہے، اگر یہ نہ ہوگا تو وہ ثمرات بھی پیدا نہ ہوں گے جن کی ہم تمنا رکھتے ہیں۔

فکر کی تصحیح کے ساتھ فکر و عمل میں مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلی چیز کے مقابلہ میں اس کی نمایاں طور سے کمی محسوس ہوتی ہے فکر صحیح کو عمل صحیح کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتے جایئے۔ مطلب یہ ہے کہ دعوت کا جو اصل مزاج ہے اس سے آپ اپنے آپ کو عملاً ہم آہنگ بنالیں صحیح فکر کے تقاضے پوری طرح سمجھ کر انھیں ادا کرنے کی جدوجہد کیجئے۔ جن کی طرف میں نے اپنی رات کی تقریر میں سرسری اشارے بھی کئے ہیں۔

میں رفقاء کو اس طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ

اجتماع کے بعد آپ کا کام ایک منزل پر پہنچ کر ختم ہو گیا ہے. کام تو در اصل اب شروع ہوا ہے اس اجتماع میں بہت سے نئے اصحاب شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ یہ ایک نیا حلقۂ تعارف ہے کہ جو آپ کے لئے اللہ کے فضل سے پیدا ہو رہا ہے اس حلقہ سے آپ کو زیادہ سے زیادہ روابط قائم کرنا چاہئیں۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ وقتی تاثرات باقی نہ رہیں جو تاثر ابتدائی درجہ میں ہوتا ہے وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔ اس تاثر کے آگے بڑھنے اور پختہ کرنے کا یہی موقع ہے اور یہ اس وقت ہو سکے گا جب کہ آپ یہ سمجھیں کہ اس اجتماع کے بعد در اصل آپ کا اصل کام شروع ہو رہا ہے اگر آئندہ نہ کیا گیا تو اس اجتماع پر جو وقت اور مال صرف کیا گیا ہے اس کا کوئی خاص حاصل برآمد نہ ہو گا۔ اس معاملہ کا دوسرا رُخ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اس اجتماع کے بعد اسی پیمانہ پر کام نہ کیا گیا تو طرح طرح کی بدگمانیاں اُبھریں گی، اور پھیلیں گی اور جو ایک طرف آپ کی دعوت کے آئندہ پھیلاؤ میں رکاوٹ ثابت ہوں گی اور دوسری طرف ان کی وجہ سے آپ خود بھی مختلف خطرات میں مبتلا ہو سکتے ہیں. خطرات سے مراد عرف عام کے خطرات ہیں ورنہ دینی جدو جہد کی راہ میں جو خطرات بھی پیش آئیں ان کو خطرات کہنا ہی صحیح نہیں ہے وہ تو موجب اجر و فلاح ہیں بہر حال اپنی دعوت کو سرگرمی کے ساتھ وسیع کرنے کی کوشش کریں ہمارے لئے اصل خطرہ یہی ہے کہ لوگ ابھی تک ہماری دعوت سے آگاہ نہیں ہو سکے ہیں. اسی کے ساتھ حالات کی نزاکت کے تحت آپ حضرات

اپنے قول و عمل میں زیادہ سے زیادہ محتاط رہنے کی کوشش کریں اور اپنا پورا احتساب کرتے رہیں، آپ کی ایک چھوٹی سی غلطی بہت بڑے فتنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ یہ باتیں خصوصیت کے ساتھ اپنے رفقاء جماعت کو خطاب کر کے کہہ رہا ہوں لیکن اس کے مخاطب وہ لوگ بھی ہیں جو جماعت کے کاموں سے ہمدردی کا تعلق رکھتے ہیں۔ ممکن ہے یہ لوگ اپنے موجودہ موقف پر اس حیثیت سے مطمئن ہوں کہ وہ جماعت سے باقاعدہ تعلق نہیں رکھتے لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عام لوگوں کی نگاہ میں وہ ہم سے الگ نہیں سمجھے جا سکتے۔ اس لئے ان کے قول و عمل کی ذمہ داری آسانی کے ساتھ جماعت کے سر ڈال دی جاتی ہے۔ بنابریں اگر ان کو جماعت اور اس کے کاموں سے لگاؤ ہے تو ان کو بھی اپنے قول و عمل میں زیادہ سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے، بہ ظاہر بات ہے کہ ہمدردوں کو اپنے رویہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا پورا اختیار ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ جماعت اسلامی جو کام کر رہی ہے کرنے کا کام وہی ہے اور اس کے لئے طریقہ بھی وہی مناسب ہے، جو جماعت نے اختیار کیا ہے تو ایسی حالت میں ان کا محض ہمدردی پر قناعت کرنا اور جماعت سے باقاعدہ تعلق نہ قائم کرنا کہاں تک حق بجانب ہے اور یہ موقف اختیار کر کے وہ عند اللہ اور عند الناس اپنی ذمہ داریوں سے کہاں تک عہدہ برا ہو سکتے ہیں اس موقع پر میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

ارکان اور ہمدردوں کے بعد میں کچھ باتیں ان حضرات سے بھی عرض کرنا چاہتا ہوں جو اس غرض کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں کہ ہمیں اور ہمارے کاموں کو قریب سے دیکھیں ایسے حضرات کی تشریف آوری سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ عام طور سے مسلمانوں میں حق کی جستجو اور تلاش کا جذبہ کچھ مردہ سا ہو کر رہ گیا ہے۔ کم از کم لوگ ایسے ہیں جو پست اور دنی اغراض کو چھوڑ کر بلند مقاصد کی طرف توجہ کرتے ہوں یہ صورت حال بڑی تشویش ناک ہے اور اس کو دیکھ دیکھ کر بعض دفعہ مجھ پر مایوسی کے جذبات طاری ہونے لگتے ہیں ایسے حالات میں آپ جیسے لوگوں کا اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لانا اور ہماری خشک اور بے مزا باتوں کو غور و فکر کے ساتھ سننا بسا غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی حد تک یہی کوشش کی ہے کہ ان کو ان کی تحقیق میں پوری پوری مدد پہنچائیں لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم اس میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں یقیناً اس سلسلہ میں ہم سے کوتاہیاں بھی ہوئی ہوں گی کیونکہ غیر متوقع باتوں کے پیش آنے کی وجہ سے ہم اپنی دعوت کے تمام پہلو پوری وضاحت کے ساتھ پیش نہیں کر سکے ہیں لیکن ان حالات میں جو کچھ بھی ہم سے ممکن تھا ہم نے حتی المقدور کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ اب یہ اللہ کے فضل اور آپ کی توجہ اور دلچسپی پر منحصر ہے کہ ہماری یہ کوشش باعتبار نتائج کہاں تک کامیاب ثابت ہو سکی ہے اور میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ تحقیق حق کے لئے ہماری کوششوں کے علاوہ آپ کی آمادگی میلان الی الحق اور احساس ذمہ داری کی بھی بڑی ضرورت ہے بلکہ اگر یہ

نہ ہوں تو ہماری ساری کوششیں بیکار ہیں اور اگر یہ ہوں تو ہماری حقیر کوشش بھی کامیاب ہو سکتی ہے اور دوسرے ذرائع مثلاً لٹریچر اور رفقاء سے ملاقات وغیرہ کے ذریعہ فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے میں توقع کرتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ یہاں دیکھا اور سُنا ہوگا اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائیں گے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے، دعوتِ حق کو سمجھنے میں بسا اوقات کام کرنے والوں کی ذاتی کمزوریاں بھی بڑی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ ہمارے ارکان میں بھی بلاشبہ بہت سی کمزوریاں اور خامیاں ہیں جن کا ہمیں خود احساس ہے، اور ہم ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہیں لیکن اس اجتماع میں ارکان کے ساتھ بہت سے ایسے لوگ بھی شریک ہیں جو جماعت کے باقاعدہ رُکن نہیں بلکہ وہ ہمدرد یا متاثر یا متعارف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ ظاہر ہے کہ کسی طرح بھی ہمارے کام کے جانچنے کا معیار نہیں ہو سکتے۔ بنابریں آپ ہماری دعوت کو ہماری کوتاہیوں سے قطع نظر کر کے سمجھنے کی کوشش کریں ہم اور ہمارے رفقاء اپنی کمزوریوں میں آپ کی دعاؤں کے مستحق تو ضرور ہیں لیکن ہماری کمزوریاں خود آپ کے لئے اس کام سے الگ رہنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں بن سکتیں جس کو آپ اپنی تحقیق سے صحیح سمجھ رہے ہوں۔ خدا کے پاس ہر شخص اپنا آپ ذمہ دار ہے کسی ایک کی غلطی دوسرے کی غلطی کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ میں اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ ان غیر مسلم اصحاب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جو محض ہمارے کام کو دیکھنے کے

لئے ہمارے اجتماع میں شریک ہوئے ہیں خاص طور سے ان لوگوں کا جو باہر سے محض اسی غرض سے تشریف لائے ہیں اور شروع سے اس وقت تک برابر ہمارے اجتماعات میں شرکت فرماتے رہے ہیں۔ ہرچند ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور یہ غالباً اس بدگمانی اور نفرت کا نتیجہ ہے جو ابھی تک ہندؤوں اور مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اور جس کی ذمہ داری غیر مسلموں سے زیادہ مسلمانوں کے لیڈروں اور سربرآوردہ اصحاب پر عائد ہوتی ہے۔ جن کے غلط رویہ نے اس ملک کے باشندوں پر حق کے دروازہ کو بند کر دیا ہے اور اب اس دروازہ کو کھولنے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ حالانکہ اس ملک میں ایسے لوگ بڑی تعداد میں موجود ہیں جو اپنے اندر قبول حق کی صلاحیت رکھتے ہیں ـــ لیکن وہ جس تعداد میں بھی شریک ہوئے ہیں میرے لئے اُن کا آنا باعث مسرت ہے کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان میں قبول حق کی صلاحیت موجود ہے اور ہم اگر ان کے سامنے سلیقے سے اپنی دعوت رکھیں گے تو وہ اس پر غور کر سکیں گے میں ان حضرات سے درخواست کروں گا کہ آپ مسلمانوں کے رویہ سے متاثر ہو کر ہماری دعوت کے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کریں بلکہ وسعتِ قلبی سے کام لیتے ہوتے ان کے رویہ سے قطع نظر ہماری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ انشاء اللہ آپ اسے اپنے لئے اور اپنے ملک کے لئے مفید پائیں گے، اب میں چند باتیں اجتماع کے سلسلہ میں بھی کہنی چاہتا ہوں، یہ معلوم ہے کہ اجتماع کی

تیاریوں کے لئے ہمیں وقت بہت تھوڑا ملا تھا اور کچھ تذبذب پیدا کرنے والے حالات بھی آخر وقت تک لگے رہے اس لئے قدرتی بات ہے کہ حسب منشاء انتظامات کرنے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکے اور نظم و وقار اور شائستگی کے اعتبار سے ہمارے اجتماعات کی اب تک جو خصوصیت رہی ہے وہ پوری طرح برقرار نہیں رہ سکی تاہم ہو سکتا ہے کہ حالات کی مجبوریوں کے علاوہ کسی حد تک اس میں ہمارے رفقاء کے غفلت و تساہل کو دخل رہا ہو اور خیال کیا جاتا ہے کہ ایسا بھی ہے کیونکہ یہ کل ہند اجتماع ایک عرصہ کے بعد منعقد ہوا تھا اور ہمارے رفقاء اس سلسلہ کی بہت سی باتوں کو غالباً یاد نہ رکھ سکے تھے۔ بہرحال ہمارے رفقاء کو اس تجربہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرمائے اور ہمیں ان کی اصلاح اور تدارک کا موقع عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اس کے بعد دعا، جس پر تمام حاضرین نے خشوع و خضوع کے ساتھ آمین کہی۔ باقاعدہ اجتماع کے ختم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اجتماع کے خاتمہ پر متعدد حضرات نے خواہش کی کہ بہت سے لوگ امیر جماعت سے ملاقات و گفتگو کے مشتاق ہیں لیکن اجتماع کی مصروفیتوں میں اس کا موقع نہیں مل سکا ہے۔ اس لئے اگر لوگوں کو کم از کم مصافحہ کا موقع دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ امیر جماعت نے اس کے جواب میں کہا کہ مجھے باہر سے آنے والے

رُفقاء سے ملنے کا خود اشتیاق ہے اور محض مصافحہ سے یہ اشتیاق رفع نہیں ہوسکتا۔ اس لئے میں موقع نکال کر لوگوں کی قیام گاہوں پر تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے جاکر خود ملاقات کروں گا اور ویسے بھی جو اصحاب اجتماع کے بعد قیام فرمائیں گے اُن سے اطمینان سے ملاقات ہوسکتی ہے۔ چنانچہ امیر جماعت نے مختلف قیام گاہوں پر جاکر سرسری ملاقاتیں کیں۔

اس کے بعد ارکان کا ایک اجتماع خصوصی ہوا جس کی مختصر روئداد درج ذیل ہے۔

ارکان کا اجتماع

اس اجتماع میں پہلے امیر جماعت اسلامی ہند نے ایک مختصر تقریر فرمائی جس میں آپ نے بتایا کہ جماعت اسلامی ہند کی تشکیلِ جدید کن حالات میں ہوئی اور کن مجبوریوں کے تحت رُفقاء کے اصرار پر آپ نے عمارت کی ذمہ داری کو سنبھالا تھا۔ اور کس طرح آپ نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی، اس کے بعد آپ نے رقت انگیز لہجہ میں ارکان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تشکیلِ جدید کے بعد یہ ارکان کا پہلا عمومی اجتماع ہے اس لئے میں اپنے رُفقاء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں اور یہ گراں بار ذمہ داری کسی اور کو سپرد کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس عظیم الشان مقصد کی خدمت سے جی چُرانا نہیں چاہتا، اور انشاء اللہ تادمِ زیست اس کے لئے تن، من، دھن سے لگا رہوں گا۔

لیکن جو ذمہ داری آپ نے میرے سپرد کی ہے وہ بہت نازک ہے اور میں اپنے اندر وہ صلاحیتیں نہیں پاتا جو اس سے بہ حسن و خوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہیں اس لئے اپنے میں سے کسی اہل تر کا انتخاب کرکے مجھے اس بار سے سبکدوش فرمائیں۔ امیر جماعت کی اس مختصر سی تقریر کے بعد جو انتہائی رقت انگیز تھی، مختلف حلقوں کے ذمہ داروں نیز کئی دوسرے رفقاء نے اپنے دلی تاثرات کا اظہار کیا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ امیر جماعت پر کامل اعتماد رکھتے ہیں اور ان کی رہنمائی پر مطمئن ہیں۔ انھوں نے اصرار کیا کہ امیر جماعت ہی اس نازک ذمہ داری کو اٹھائیں کیونکہ اس منصب کے لئے جماعت کے اندر ان سے زیادہ کوئی اہل موجود نہیں ہے۔ ارکان کے متفقہ اصرار پر امیر جماعت نے اس ذمہ داری کو پھر قبول کیا اور رفقاء کے اعتماد پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد آپ نے ان سے اس نازک ذمہ داری کو پورا کرنے کے سلسلے میں کامل تعاون اور دلی دعا کی درخواست کی اور اللہ کے بھروسے پر دین کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہنے کا عزم صمیم ظاہر کیا اس کے بعد متعدد رفقاء نے دعوت و تحریک کے سلسلہ میں کچھ استفسارات کئے جن کے جواب کے بعد یہ اجتماع دعا پر ختم ہو گیا۔

روئداد اجتماع بہ سلسلہ اسلامک اسٹڈی سرکل

اس سلسلہ میں مختلف اوقات میں تین نشستیں منعقد ہوئیں جن کی مختصر روئداد حسب ذیل ہے۔

انفرادی گفتگوؤں میں مختلف مسائل زیر گفتگو آتے رہے اور ۲۰ر اپریل کو بعد نماز مغرب ان طلباء کا اجتماع کیا گیا جو اجتماعی علوم میں ڈگری کلاسز میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا بی، اے کر چکے ہیں۔ سائنس کے بعض طلباء بھی شریک تھے۔ حیدرآباد۔ بھوپال۔ ٹونک۔ جے پور۔ لکھنؤ۔ الہ آباد۔ پٹنہ۔ دربھنگہ۔ بھاگل پور اور مظفر پور کے طلبہ موجود تھے۔ مقامی طلبہ بھی تھے۔

سب سے پہلے نجات اللہ صاحب نے اجتماع کا مقصد واضح کیا۔ علمی کام کی اہمیت ذہنی انقلاب اور عملی کام کا تعلق اس کے لئے تیاریوں کی ضرورت۔ نظام تعلیم کی کمی۔ اس کی غیر موجودگی میں فکری ربط اور ایک دوسرے کے افکار کا ایک دوسرے کے سامنے آتے رہنا اور اس پر تنقید و تبصرہ اور مشوروں سے مستفید ہوتے رہنا وغیرہ ان امور پر روشنی ڈالی گئی۔ اب تک جو اسٹڈی سرکل (معاشیات) کا بلیٹن نکل رہا ہے اس کے سلسلہ میں یہ باتیں کہی گئیں۔

(۱) شروع میں غلطی سے غیر علمی اور عام مضامین اور نظمیں وغیرہ شامل کر دی گئیں جس سے اس کا مرکز توجہ ہٹ گیا۔ لہٰذا اب صرف فکری مضامین رکھے جائیں نہ کہ دعوتی۔

(۲) چونکہ دوسرے عمرانی علوم کے طلبہ بھی ہمارے ساتھ ہیں لہٰذا ان کو بھی

سہولت پہنچانے کے لئے بلیٹن میں ان علوم کے مضامین بھی لئے جائیں۔

(۳) بلیٹن کا حلقہ محدود ہو۔ طالب علم رفقاء اور اہلِ علم ہی تک پہنچایا جائے تاکہ ان کے مشورے وغیرہ حاصل کئے جا سکیں۔ اور دوسرے لوگوں کے ذوق کے لحاظ سے غیر متعلق چیزیں نہ رکھنی پڑیں۔

عزیز صاحب الہ آباد نے ان باتوں سے اتفاق کیا۔ خصوصاً اول الذکر سے۔ البتہ آپ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ عام لوگوں میں انگریزی میں دعوت پہنچانے اور انگریزی میں طلباء سے مضامین لکھوانے کے لئے ایک انگریزی اخبار جاری کیا جائے .... اور حلقۂ ادب انگریزی قائم کیا جائے۔

کچھ دیر غیر متعلق گفتگو انگریزی پرچے وغیرہ کے سلسلہ میں ہوتی رہی لیکن بالآخر یہ محسوس کیا گیا کہ اس اجتماع میں صرف اسٹڈی سرکل کے سلسلہ کی باتیں ہوں۔ رفقاء نے محسوس کیا کہ اسٹڈی سرکل جس کا کام طلباء میں فکری ربط اور علمی غور و فکر کو آگے بڑھانا ہے۔ انگریزی دعوتی اخبار یا حلقۂ انگریزی سے الگ ایک مسئلہ ہے اور فی الحال اس اجتماع میں صرف مسئلہ زیر بحث پر گفتگو کر لی جائے چنانچہ اب گفتگو اس پر ہونے لگی کہ :۔

(۱) بلیٹن تمام عمرانی علوم پر مشتمل ہو کہ صرف معاشیات پر۔

(۲) کیا علمی مضامین کے علاوہ عام مضامین بھی اس میں ہوں۔

اکثر حضرات اس بات کے حق میں تھے کہ بلیٹن میں دوسرے عمرانی

علوم بھی شامل ہوں۔ ایسا کہنے والوں کے دلائل یہ تھے۔

(۱) دوسرے علوم میں غور و فکر کا کام بھی کافی اہم ہے اور ہم ان کے لئے الگ الگ بلیٹن فی الحال نہیں نکال سکتے۔ نہ ہی ان میں اتنے زیادہ طلبہ ہیں کہ وہ الگ الگ اسٹڈی سرکل قائم کر سکیں۔

(۲) بعض لوگوں کے اس خیال پر کہ اس سے بلیٹن کا حجم زیادہ ہو جائے گا کہا گیا کہ طلبہ کی کمی کے پیش نظر اس کی توقع نہیں کہ معاشیات کے علاوہ دوسرے مضامین میں ہمیں زیادہ مقالے مل سکیں گے۔ دوسرے علوم کے طلبہ نے اس کی تائید کی۔

عزیز صاحب الہ آباد۔ عبدالمعز صاحب منظر پٹنہ۔ نعیم صاحب باجے پور، نجات اللہ صاحب، اشفاق احمد صاحب اور دیگر حضرات کی بھی یہی رائے تھی۔

سعید صاحب الہ آبادی کا یہ خیال تھا کہ یہ صرف سیاسیات و معاشیات پر مشتمل ہو۔ ایک آدھ اور صاحب بھی اس کی تائید میں تھے۔

کے۔ بی عبدالحلیم صاحب جے پور کا یہ خیال تھا کہ بلیٹن ہر طرح کے انگریزی مضامین کے لئے کھلا رہے۔

سید صاحب الہ آبادی نے ایک انگریزی پرچے کے اجراء پر زور دیا اور ساتھ ہی بلیٹن کے معاشیات اور دوسرے عمرانی علوم پر حاوی ہونے کی تائید کی۔

حامد احمد صاحب، حیدر آبادی اور احمد خضر صاحب لکھنؤ کی رائے

یہ تھی کہ بلیٹن سائنس کے مضامین کے لئے بھی کھلا رہے۔

اس اجتماع کی کارروائی وقت کی تنگی کے پیش نظر یہیں ختم ہوگئی۔ شرکاء کی تعداد پچیس یا تیس کے قریب تھی۔ کچھ نچلے درجات کے طلبہ بھی تھے

۲۲ر اپریل ۱۹۵۱ء

تیسرے دن بعد نماز عصر پھر اجتماع ہوا۔ طلبہ کچھ کم تھے۔ اس اجتماع نے یہ طے کیا کہ بلیٹن کے سلسلہ میں اور اسٹڈی سرکل کے سلسلہ میں لوگوں کے خیالات و تجاویز سامنے آگئے ہیں۔ اب ایک کمیٹی بنادی جائے جو ان کی روشنی میں زیر بحث مسئلہ اور دیگر جزئی مسائل کو طے کرے اور امیر جماعت کی منظوری کے بعد کام باقاعدگی سے شروع کیا جائے۔

مندرجہ ذیل کمیٹی کا لوگوں نے بالاتفاق انتخاب کیا

(۱) محمد عزیر صاحب الہ آباد (معاشیات)

(۲) عبدالمعز صاحب پٹنہ (")

(۳) قاضی اشفاق احمد رامپور (سیاسیات و تاریخ)

(۴) محمد نجات اللہ صدیقی (معاشیات)

اسی اجتماع میں مالیات کے سلسلہ میں مختلف مقامات سے موعودہ ماہانہ تعاون کی ایک فہرست بنائی گئی۔

۲۳ر اپریل ۱۹۵۱ء

صبح کو کمیٹی کی ایک نشست شاہ ضیاء الحق صاحب کی موجودگی میں ہوئی

جس میں مندرجہ ذیل امور بالاتفاق طے ہوئے۔

(۱) ادارہ کا نام بجائے اسلامک اسٹڈی سرکل ہونے کے اسلامک ریسرچ سرکل رکھا جائے، تاکہ یہ ہمارے ان اسٹڈی سرکلس سے ممتاز ہوسکے جو ہم لٹریچر اور اسلام کے مطالعہ اور اس پر مذاکرہ کے لئے عام طور پر بناتے ہیں۔

(۲) اس کو تمام عمرانی علوم پر حاوی رکھا جائے۔

(۳) اس کے ناظم شاہ ضیاء الحق صاحب رہیں۔ ضیاء الحق صاحب نے اس پر اظہار رضامندی کیا۔

(۴) بلیٹن کے معاشیات کے اڈیٹر محمد عزیر صاحب الہ آبادی اور سیاست و تاریخ و عمرانیات کے ایڈیٹر اشفاق احمد صاحب رامپور ہوں گے۔

(۵) الہ آباد سے بلیٹن کی اشاعت میں چند در چند زحمتوں کے پیش نظر طے کیا گیا کہ آئندہ بلیٹن سائیکلو اسٹائل مشین کے ذریعہ مرکز ہی سے شائع کیا جائے۔

(۶) مالیات کے لئے بلیٹن کی کوئی قیمت مقرر کی جائے بلکہ رضاکارانہ تعاون ہو اور اس طرح کام کیا جائے۔

طے ہوا کہ محمد نجات اللہ صدیقی ان تمام باتوں کو مرتب کر کے امیر جماعت کی خدمت میں پیش کریں۔

چنانچہ اس روئداد کو امیر محترم کے سامنے پیش کیا گیا اور انھوں نے

ـه محمد عزیر صاحب کے نقل مکانی کے سبب سے اس شعبہ کے ایڈیٹر محمد نجات اللہ صاحب بنا دیئے گئے

کمیٹی کے فیصلوں کی تصویب کرتے ہوئے شاہ ضیاء الحق صاحب کا اس حلقہ کا ناظم ہونا منظور فرمایا۔ بعد میں ان کے اذن سے ایک دستور مرتب کر لیا گیا ہے جو ان کی منظوری کے بعد اسلامک ریسرچ سرکل بلیٹن نمبر ۴ جلد ۲ میں شائع ہو چکا ہے۔

خواتین کی خصوصی نشستیں

اگرچہ اس اجتماع کی شرکت ارکان خواتین کے لئے بھی لازمی نہیں تھی لیکن پھر بھی تحریک اسلامی سے متعلق دلچسپی رکھنے والی خواتین کی ایک معتدبہ تعداد اجتماع میں شریک ہوئی اور انھوں نے اجتماع کی عام کارروائیوں میں شرکت کرنے کے علاوہ اپنی چند خاص نشستیں بھی منعقد کیں جن کی مختصر روداد درج ذیل ہے۔

نشست اوّل

۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء

پہلی نشست ۲۱ اپریل کو ۴ بجے سہ پہر منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے مولانا محمد ذکریا صاحب قدوسی نے خواتین کو خطاب فرمایا جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں نشستوں کی کارروائی میں آچکا ہے۔ اس کے بعد محترمہ محمود النساء صاحبہ رکنہ جماعت اسلامی کلکتہ نے درس کلام پاک دیا۔ جس میں سورۂ اعراف رکوع اوّل کا ترجمہ و تفسیر بیان کیا۔ درس کے بعد بیگم اسرار علی صاحبہ (رامپور) نے

اجتماع سے متعلق قابلِ توجہ باتیں" کے عنوان پر ایک تقریر فرمائی۔ آپ نے

اپنی تقریر میں فرمایا کہ:۔

" اپنے اجتماع سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہم کو حسب ذیل باتیں

ملحوظ رکھنی چاہئیں۔

(۱) خوش سلیقگی۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ نشست و برخاست بات چیت

پروگرام کے مختلف اجزاء کا دیکھنا اور سننا غرض یہ کہ ہر ایک کام کی انجام دہی

ایک قرینہ اور عمدہ ڈھنگ سے ہونی چاہئے۔

(۲) امانت و دیانت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اجتماعات میں یہ بات

بات محسوس و مشہود شکل میں نظر آنی چاہئے کہ ایک مسلم سوسائٹی میں امانت و دیانت

کا کس طرح قیام عمل میں آتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی فرد کی کوئی چیز کہیں پڑی

رہ جائے تو یا تو اس کو اٹھا کر چیز والے کے پاس پہنچا دیا جائے یا پھر وہیں

پڑا رہنے دیا جائے تا آنکہ چیز والا خود اس کو پالے۔

(۳) تنقیدی نظر۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بہن کو دوسری بہن کے اخلاق

اقوال اور اعمال میں جو خوبیاں نظر آئیں ان کو اختیار کرنے کی کوشش

کی جائے اور جو باتیں قابلِ اعتراض اور خلافِ شرع دکھائی دیں مشفقانہ و

ہمدردانہ طور پر ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی جائے۔

(۴) اخوت و ہمدردی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بہن کو دوسری بہن

کے آرام کا لحاظ ہو اور اگر کسی بہن کو کسی طرح کی تکلیف پیش آجائے تو دوسری

بہن کو بھی اس کا پورا احساس ہو اور اس کو رفع کرنے کی ہر امکانی کوشش

کی جائے۔ ہم کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ جہاں اخوت و ہمدردی موجود ہوگی وہاں غیریت و اجنبیت کا نشان نہیں مل سکتا۔

اس کے بعد بیگم اکرم الدین صاحبہ (الہ آباد) نے اپنی ایک تقریر میں عبادت کا مفہوم سمجھایا۔ آپ نے فرمایا کہ :-

"اس لفظ میں پرستش، غلامی اور اطاعت تینوں مفہوم شامل ہیں۔ خدا کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا سر نیاز صرف اللہ کے سامنے جھکے۔ اللہ ہی کی غلامی کا حلقہ اس کی گردن میں ہو اور وہ اپنی پوری زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرے عبادت کے اس مفہوم کو نگاہ میں رکھ کر ہم زندگیوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ ہم نے خدا کے علاوہ اور بہت سی زندہ اور مردہ ہستیوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ تعالےٰ سے ہمارا تعلق کچھ ہے بھی تو صرف نماز اور روزہ کی حد تک رہ گیا ہے اور وہ بھی ان کی ظاہری شکل تک، ورنہ روح ان عبادات میں بھی نہیں رہ گئی ہے۔ اگر ہم دنیا میں ایک مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے اور اسی حیثیت سے اللہ کے حضور حاضر ہونے کی خواہشمند ہیں تو ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دے دینی چاہیئے"

نشست دوم۔ ۲۲ر اپریل۔ ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک

سب سے پہلے محترمہ محمود النساء صاحبہ نے سورۂ انعام کے آخری رکوع

کا درس دیا اس کے بعد خواتین نے اپنے اپنے مقام کی خواتین کی دعوتی سرگرمیوں کی رپورٹیں پیش کیں۔ اس کے بعد بیگم عابدی صاحبہ (دہلی) نے ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد۔

محترم بہنو! اسلام جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ایک دین ہے، زندگی کا مکمل نظام۔ وہ انسان کو پوری زندگی کے لیے واضح ہدایات دیتا ہے کہ اس کو کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے کھانا پینا۔ بیٹھنا اٹھنا، معاملات و تعلقات غرض یہ کہ زندگی کے ہر گوشہ اور شعبہ کے لیے اس نے انسان کی مکمل طور پر رہنمائی کی ہے اور اسی کی رہنمائی اختیار کرنے سے انسان کی زندگی ستھری اور پاکیزہ بن سکتی ہے اور وہ اپنی گتھیوں کو اسی کی رہنمائی میں سلجھا سکتا ہے مگر یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ایک طرف اس کو اسلام سے صحیح واقفیت بھی ہو اور اس کے برحق ہونے کا یقین بھی۔ مگر قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ آج ہم مسلمانوں کی حالت نہایت ہی قابل رحم ہے، اسلام سے دلچسپی اور عقیدت تو ضرور ہے مگر دین کے تقاضوں کا صحیح شعور نہیں اس لیے سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان مردوں کی طرح عورتوں کے شعورِ دین کو بھی اجاگر کیا جائے تاکہ ان کو ایک پابند ضابط زندگی

اختیار کرنے کا صحیح احساس ہو اور وہ محسوس کریں کہ ان کو اپنے دین کی ذمہ داری اپنے مردوں پر ڈالنے کے بجائے خود سمجھنی اور انجام دینی چاہئے اسی کے ساتھ ہمیں اپنی دینی تعلیم۔ عملی زندگی کی اصلاح، بچوں کی پرورش اور تربیت اور امور خانہ داری کی انجام دہی کی طرف بھی پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر جس بات کو نگاہ میں رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں کے تعاون سے ہی صحیح معاشرہ کی تعمیر ہوسکتی ہے۔ یہ بات نہ تنہا مرد کے بس کی ہے اور نہ تنہا عورت کے بس کی۔

نشست سوم

۳ بجے سے ۵ بجے تک

اس نشست میں سب سے پہلے بنت چودھری رفیع الدین صاحبہ (رام پور) نے ایک تقریر کی اُنھوں نے اپنی تقریر میں اسلامی اخلاقیات کی وضاحت کی اور خواتین کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے اندر صحیح قسم کے اخلاق۔ کی پرورش کرنے کی کوشش کریں آپ نے خواتین کو صحابیاتؓ اور دیگر مسلم خواتین کی زندگیوں کے مطالعہ کی طرف بھی توجہ دلائی اس کے بعد بنت ابرار احمد صاحبہ (رامپور) نے "مسلم خواتین کی معاشرتی ذمہ داریاں" کے زیر عنوان ایک مقالہ پڑھا۔

سب سے آخر میں بیگم اکرام الدین صاحبہ (الٰہ آباد) نے جماعت اسلامی کے خلاف عائد کردہ الزامات (کہ جو کسی حد تک خواتین میں ابھر آرہے تھے) کی تردید میں تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ "خواتین میں اول تو علم کی

بہت کمی ہے اور دوسرے اُنھوں نے جماعتِ اسلامی کی دعوت کو ٹھیک طرح سمجھنے کی ابھی کوشش بھی نہیں کی اس لیے آسانی کے ساتھ اس حلقے میں غلط فہمیاں پھیلائی جا سکتی ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے اس کے بعد ہی ان کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی کہ کس بات کا دین سے کیا تعلق ہے اور پھر ان کو اس طرح غلط فہمیوں میں آسانی کے ساتھ مبتلا نہیں کیا جا سکے گا۔

نشست چہارم

۲۳ر اپریل ۱۹۵۱ء

خواتین کی یہ سب سے آخری نشست امیر جماعت کی اختتامی تقریر کے بعد منعقد ہوئی خواتین نے تفصیلی طور پر باہمی تعارف حاصل کیا اور اجتماع کے بارہ میں اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور اس بات کا عزم کیا کہ اپنے اپنے مقام پر واپس جاکر دعوت کو سمجھنے اور دوسری بہنوں کو روشناس کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے گی۔

ادارۂ ادب اسلامی کا کل ہند اجتماع

ادارۂ ادب اسلامی ہند کا پہلا کُل ہند اجتماع ۲۴ر اپریل ۱۹۵۱ء کو ۱۰ بجے دن میں شروع ہوا۔ اجتماع کی صدارت جناب محمد شفیع صاحب مونس، ناظم ادارہ ادب اسلامی ہند نے کی، اجتماع میں آئے ہوئے اکثر حضرات اس نشست میں شریک تھے۔ مقامی حضرات نے بھی شرکت کی،

سب سے پہلے تلاوتِ قرآن پاک ہوئی۔ اس کے بعد مونس صاحب نے ادارہ کی طرف سے پیش کیے جانے والے مقالہ کا تعارف کراتے ہوئے چند جملے کہے۔ اور محمد نجات اللہ صاحب صدیقی کو مقالہ پیش کرنے کے لیے بلایا۔

اس مقالہ کا عنوان "اسلامی ادب کیا ہے" تھا۔ اس میں اسلامی ادبی نظریہ کی توضیح کرتے ہوئے دوسرے مکاتب ادب سے اس کو ممتاز کیا گیا تھا خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے موجودہ مکاتب فکر و ادب کو سامنے رکھ کر اپنا موقف واضح کیا گیا تھا۔ آخر میں اسلامی ادبی تحریک کے طریق کار پر بھی کچھ روشنی ڈالی گئی تھی اور ملک کے تمام حساس ادیبوں سے اس مکتب فکر و ادب کا سنجیدگی سے مطالعہ کرنے اور اس کی دعوت پر لبیک کہنے کی اپیل کی گئی۔ یہ مقالہ پورے ایک گھنٹہ میں پیش کیا جا سکا۔

اس کے بعد سید اصغر علی صاحب عابدی مدیر معیار نے ایک مقالہ "ہماری ادبی تحریک" کے عنوان سے پیش کیا۔ اس میں موجودہ ترقی پسند ادبی رجحانات و اسلامی مکتب ادب کے تقابل کو بھی سامنے رکھا گیا تھا اور اسلامی ادب کی اصولی طور پر بھی وضاحت کی گئی تھی۔ ان چند تخلیقات کے بعد اجتماع بعد نماز ظہر تک کے لیے ملتوی ہو گیا۔

دوسری نشست ٹھیک ۲½ بجے شروع ہوئی اس نشست میں مندرجہ ذیل تخلیقات پیش کی گئیں۔

(۱)	محمود فاروقی صاحب مدیر الانصاف	افسانہ
(۲)	مولانا سید احمد عروج قادری صاحب	افسانہ
(۳)	اقبال نسیم صاحب۔ میرٹھ	افسانہ
(۴)	منیر حسین صاحب علی گڈھ	افسانہ شیطان کیا تھا چند گھنٹے
(۵)	حفیظ میرٹھی صاحب	دو غزلیں
(۶)	نجم الاسلام صاحب مدیر معیار میرٹھ	غزل
(۷)	ابو المجاہد صاحب زاہد۔	دو نظمیں
(۸)	انور اعظمی صاحب	چند رباعیات
(۹)	مولانا وارث کامل صاحب مدیر مدینہ	غزل
(۱۰)	بدر الاسلام صاحب بدر لکھیمپوری	نظم
(۱۱)	سہیل زیدی صاحب الہ آباد	نظم

اس کے بعد ان تحریروں پر تنقید و تبصرے کا وقت تھا۔

مولانا وارث کامل صاحب نے اظہار خیال فرماتے ہوئے اسلامی ادب کے تحریک اسلامی کا ایک مؤثر ذریعہ نفوذ ہونے کی حقیقت کو واضح کیا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اسلامیت اسلامی ادیب کی سب سے نمایاں حقیقت ہونی چاہیئے۔ ہمارا فکر و کردار دونوں اسلامی ہونا چاہیئے یہ اسلامی ادب کا اولین تقاضا ہے۔ آپ نے تخلیقات کے ادبی محاسن کی طرف مزید توجہ کی ضرورت واضح فرمائی۔

آخر میں مونس صاحب نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تھوڑے ہی عرصہ کی کوششوں سے ہمارے اہل قلم حضرات کی ادبی تخلیقات میں جو نمایاں ترقی محسوس ہونے لگی ہے اس پر اللہ تعالےٰ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ ادب کو صحیح معنی میں اسلامی بنانے کے لیے ابھی بہت زیادہ کاوش کی ضرورت ہے۔ اس خدمت کی خاطر خواہ انجام دہی کے لیے ہمارے فن کاروں کو اسلامی اور جاہلی دونوں نظریہ ہائے ادب کے مطالعہ کے علاوہ انسانی نفسیات اور موجودہ سماج کا گہرا مطالعہ کرنا ہوگا تاکہ وہ ایک طرف جاہلی طرز زندگی پر مناسب تنقید کر کے اس کی ایک ایک خرابی کو اچھی طرح واضح کر سکیں۔ اور دوسری طرف اسلامی طریق زندگی اور اس کے فیوض و برکات سے سوسائٹی کو آسانی سے روشناس اور متاثر کیا جا سکے۔

ایک اسلامی ادیب لکھتے وقت سب سے زیادہ جس چیز کو ملحوظ

رکھتا ہے وہ اس کی تحریر کی مقصدیت ہوتی ہے کیونکہ ادب کی خدمت بجائے خود اس کا مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہ ادب کو اپنے پیش نظر مقصد کی خدمت اور اس کے حصول کے لیے بطور ایک ذریعہ کے اختیار کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی بجائے خود حقیقت ہے کہ حسن بیان کے بغیر کلام میں مطلوبہ تاثیر پیدا نہیں ہو سکتی ہے اس لئے ہمارے لیے حسب اہمیت ادب کے دونوں ہی پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے

اس کے بعد آپ نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور یہ نشست بھی برخاست ہو گئی۔

ادارۂ ادب اسلامی کی مشاورتی نشست

ادارہ ادب سے متعلق دستوری امور پر غور و فکر کیا گیا اور اس کام کیلئے دو بارہ مجلس مشاورت منعقد کی گئی۔ ان دونوں نشستوں میں مختلف حضرات کو اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ مونس صاحب جو مجلس کی صدارت کر رہے تھے مختلف نقاط نظر کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوشش کرتے رہے تاکہ مجلس کسی متفقہ دستوری شکل تک پہنچ سکے۔ لیکن وقت کم تھا لہٰذا جب مختلف رجحانات پوری طرح سامنے آ گئے تو ان کی نمائندگی کرنے والوں پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنا دی گئی جس کے ارکان حسب ذیل ہیں۔

(۱) سید اصغر علی صاحب عابدی۔

(۲) محمود فاروقی صاحب۔

(۳) محمد نجات اللہ صاحب صدیقی۔

ان حضرات نے علیحدہ نشستوں میں ان اُمور پر پھر غور کیا اور بالآخر ان تینوں نے اپنی اپنی تجاویز تحریری شکل میں مرتب کر کے ناظم ادارہ کے حوالہ کر دیں تاکہ وہ ان کو امیر جماعت کے سامنے رکھ دیں اور وہ اس سلسلہ میں کوئی آخری فیصلہ کر سکیں[1]۔

پریس کی غلط بیانی

اجتماع کی پوری کارروائی سامنے آچکی ہے اس کے سلسلہ میں اب مزید کوئی بات پیش کرنے کی نہیں ہے لیکن اجتماع کے بعد ملک کے ایک خاص طرح کے پریس نے اس اجتماع کے سلسلہ میں جس طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا اس کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ پریس اس طرح کے معاملات میں کتنا ذمہ دار واقع ہوا ہے۔

اس پریس کی طرف سے حسب ذیل الزامات جماعت پر لگائے گئے۔

---

[1] ان تجاویز کے سامنے آنے کے بعد امیر جماعت نے ایک دستوری شکل طے کر دی اور ان خطوط پر ایک دستور مرتب کرا کے اس کی منظوری بھی دے دی ہے۔ اس کی کاپیاں نظامی اداروں کو روانہ کی جا چکی ہیں۔

(۱) جماعت اسلامی کے کارکن تین دن برابر خفیہ مٹنگ کرتے رہے اور ان خفیہ اجلاسوں میں طے کیا گیا کہ ہندوؤں میں جو مختلف طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان سے مسلمان پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور ان کے اختلاف کو مزید ہوا دیں۔

(۲) ظاہر طور پر ہر سیاسی پارٹی سے ملے رہیں لیکن اندر اندر ان پارٹیوں کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

(۳) انتخابات کے وقت مسلمان ایک ہی جماعت کے تحت حصہ لیں اور مسلمانوں کے لئے دستور ساز اسمبلی میں نشستیں مقرر کرانے کے بارے میں قرارداد پاس کرائیں، اور حکومت سے زوردار الفاظ میں اس کا مطالبہ کریں۔

پھر قیم جماعت نے ان الزامات کی تردید میں اپنا وضاحتی بیان اشاعت کے لئے بھیجا تو اس کو شائع نہیں کیا۔ قیم جماعت کا یہ بیان حسب ذیل تھا جو روزنامہ آغاز رام پور (اپریل ۵۱ء) کی اشاعت میں شائع ہوا۔

قیم جماعت کا وضاحتی بیان

"جماعت اسلامی ہند کے حالیہ کل ہند اجتماع منعقدہ رام پور کے بارے میں مقامی ہندی اخبار پرکاش مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۵۱ء میں بعض اطلاعات شائع ہوئی ہیں جو قطعی طور سے غلط اور بے بنیاد ہیں اور ان سے لوگوں کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا امکان ہے۔ جو پہلے سے جماعت اور اس کی دعوت سے واقف نہیں ہیں اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ چند سطروں میں ان اطلاعات کی

حقیقت واضح کر دی جائے۔ امید ہے آپ اس تردید کو شائع فرماکر ہمیں شکر گذاری کا موقع دیں گے۔

(۱) اس اخبار میں الزام لگایا گیا ہے کہ جماعت اسلامی کے کارکن تین دن برابر خفیہ گفتگو کرتے رہے اور ان خفیہ اجلاسوں میں طے کیا گیا کہ ہندوؤں میں جو مختلف طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان سے مسلمان پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور ان کے اختلاف کو مزید ہوا دیں۔

(۲) ظاہر طور پر ہر سیاسی پارٹی سے ملے رہیں لیکن اندر اندر ان پارٹیوں کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

(۳) انتخاب کے وقت مسلمان ایک ہی جماعت کے تحت حصہ لیں اور مسلمانوں کے لئے دستور ساز اسمبلی میں نشستیں مقرر کرانے کے بارے میں قرارداد پاس کرائیں، اور حکومت سے زوردار الفاظ میں اس کا مطالبہ کریں۔"

ہمیں افسوس ہے کہ یہ بے بنیاد باتیں اس جماعت کی طرف منسوب کی گئی ہیں جس کے مقصد اور طریق کار سے مسلمانوں اور غیر مسلم حضرات کی ایک بہت بڑی تعداد واقف ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود اس اجتماع میں جو لوگ شریک ہوئے ہیں غالباً ان کے کانوں میں ابھی تک مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت کے یہ الفاظ گونج رہے ہوں گے۔

"ہمارے دین میں جس کو ہم برپا کرنا چاہتے ہیں جھوٹ، مکر و فریب ظلم و زیادتی وغیرہ کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے ہم جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں ہماری کوئی چیز راز نہیں ہے۔ اور جو ہمارے دل میں ہے وہی ہماری زبانوں

پر ہے۔ اگر ہم اس کے سوا کوئی اور طریق اختیار کریں تو اس کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ ہم جس چیز کو قائم کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اس کی خود سب سے پہلے اپنے ہاتھوں جڑیں کاٹ دیں۔"

اس طریق کار کے مطابق ہمارے یہ اجتماعات بھی بالکل علانیہ ہوتے رہے ہیں۔ ہمارا کوئی اجتماع بھی ایسا نہیں ہوا جس کا لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے پہلے سے اعلان نہ کر دیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ رفقاء کی باہمی ملاقاتیں بھی کھلی جگہوں میں ہوتی رہیں اور ان میں متعلق اور غیر متعلق ہر طرح کے لوگ بے روک ٹوک شریک ہوتے رہے ہیں۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ ہمارا کوئی اجتماع خفیہ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اجتماع میں شریک ہونے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ خفیہ پولیس کا کتنا زبردست دستہ ہمارے کاموں کی نگرانی کے لئے متعین تھا۔ وہ کس طرح بسا اوقات اپنے حدود کو پامال کرتا ہوا دوستوں کی نجی باتوں تک میں شریک ہو جایا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں باہر سے آنے والوں میں متعدد غیر مسلم حضرات بھی شامل رہے ہیں اور ان کا اٹھنا بیٹھنا انہی رفقاء کے ساتھ رہا ہے۔ ایسی حالت میں خود قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہم خفیہ اجتماعات جن میں ملک کو تہ و بالا کرنے کی اسکیمیں طے کی جا سکیں کس طرح کر سکتے تھے۔

اور جہاں تک تفریق ڈالنے کا تعلق ہے اس کی تردید میں ہم اپنا پورا لٹریچر اور پوری گذشتہ سرگرمیاں پیش کر سکتے ہیں خود اس اجتماع میں بھی امیر جماعت نے جماعت کے طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

" دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے سامنے توڑ پھوڑ اور تخریب وغیرہ کی قسم کا

بھی کوئی کام نہیں ہے۔ کیونکہ ہم جو کچھ چاہتے ہیں اس کے لئے صحیح طریق کار یہی ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے انسان کے فکر و ذہن کی اصلاح کی جائے۔ انبیاے کرام نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور خود رسول اللہ صلعم کا بھی اسوۂ حسنہ یہی ہے" اس ضمن میں موصوف کے ایک مضمون کا ایک مختصر اقتباس کبھی یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ماہانہ "زندگی" کی گذشتہ اشاعت میں شائع ہوا ہے۔

"کچھ لوگ الیکشن سے علاحدگی کا یہ نقصان بتاتے ہیں۔ کہ الیکشن نے ہمارے لیے یہ موقع فراہم کیا ہے کہ ان پارٹیوں میں گھس کر ان کو ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان کر سکیں۔ اس لیے ہمیں اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہ دلیل ہمارے نزدیک انتہائی سفاہت پر مبنی ہے۔ اگر یہ چیز ممکن ہو بھی تو کسی طرح ہمارے شایان شان نہیں ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم دوسری قوم کی بدبختی پر اپنا مستقبل تعمیر نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے ٹھوس بنیادیں درکار ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں یہاں کی عام خوش بختی اور بدبختی سے الگ ہو کر اپنے لیے کسی خوش بختی کی توقع نہیں کر سکتے۔ جو چیز یہاں کی عام آبادی پر مضر اثر ڈال سکتی ہے۔ اس کے اثرات سے ہم اپنے کو بھی محفوظ نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ اس انداز سے سوچتے ہیں وہ ملک ہی کے دشمن نہیں ہیں بلکہ خود قوم اور خود اپنے بھی دشمن ہیں۔ بعض لوگوں کی زبانی اس طرح کی دلیلیں سن کر ہمیں مسلمانوں کی حالت پر انتہائی قلق ہوتا ہے" (از زندگی صفحہ ۷ بابت ماہ اپریل۔ مئی ۱۹۵۱ء) ان باتوں کے علاوہ اگر یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ پورے ملک میں ہمارے کارکنوں کی تعداد

کیا ہے تو غالباً کوئی شخص مذکورۂ بالا اطلاعات پر ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہمارے

ارکان کی مجموعی تعداد پورے ملک میں صرف ۳۸۹ ہے اور جن میں سے

کوئی بھی کسی سیاسی جماعت میں نہ شریک ہے اور نہ شرکت کو صحیح سمجھتا ہے،

اس سے اندازہ کیجئے کہ ہم اتنے اور ایسے ارکان کے ساتھ کس طرح ملک

کی دو رجنوں مضبوط سیاسی پارٹیوں میں پھوٹ ڈالنے کا حوصلہ کر سکتے ہیں؟

کیا یہ انتہائی تمسخر آمیز بات نہیں ہے۔؟

اراکین اور نشستوں کے سلسلے میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان پر وہ شخص

یقین کر سکتا ہے جو ہماری جماعت سے سرسری واقفیت بھی نہ رکھتا ہو۔

یا جس کے ذہن میں اس کی گنجائش ہی نہ ہو۔ کہ وہ کسی جماعت کا مقصد

ایکشن کے ماسوا تصور کر سکے۔ ورنہ الیکشن اور نشستوں کے بارہ میں

جماعت کا موقف ہر واقف حال کو اچھی طرح معلوم ہے۔ ہماری دعوت

کا ایک جزء ہی الیکشن اور سیاسی پارٹیوں سے علیحدگی ہے۔ اور کوئی

ایک مثال بھی اس کے خلاف نہ صرف ہمارے ارکان بلکہ ہمدردوں کے

ضمن میں بھی نہیں پیش کی جا سکتی۔ خود ماہنامہ "زندگی" میں بھی گزشتہ کئی

ماہ سے الیکشن کے بارے میں امیر جماعت کا ایک مضمون شائع ہو رہا ہے جس کا

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو آئندہ الیکشن سے علیحدہ رہنا چاہیئے ان باتوں کی

موجودگی میں آپ خود فیصلہ فرمائیں۔ کہ مذکورہ بالا اطلاعات کہاں تک صحیح ہو سکتی

ہیں آخر میں چند فقروں میں اسلام کی تبلیغ کے بارہ میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آپ کو خبر میں زیادہ اہمیت دی گئی ہے جس اسلام کو ہم مانتے اور پیش کرتے

رہیں وہ مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ چند عالمگیر صداقتوں کا نام ہے جن کی تبلیغ ہمارے عقیدہ کے مطابق ہر قوم اور ہر دور میں اللہ کے فرستادوں نے کی ہے۔ اور اس کی تبلیغ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ ہم مسلمان نامی قوم کی حکومت کے خواہشمند ہیں۔ اسلام اور مسلمان قوم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور ان پر اسی حیثیت سے غور کرنا چاہیئے۔

قیم جماعت اسلامی ہند رامپور

یہ الزامات، جو مذکورۂ بالا اخباروں نے لگائے تھے، اس قدر بے بنیاد تھے کہ ان تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کو انھیں پڑھ کر سخت تعجب اور افسوس ہوا جو اس اجتماع میں شریک تھے۔ چنانچہ ایک شریک اجتماع غیر مسلم دوست جناب گھنشام داس گنگوہی نے بھی ان بے بنیاد الزامات کو پڑھ کر ایک تردیدی بیان دونوں اخباروں کو اشاعت کے لئے بھیجا مگر یہ اخبار (غالباً خلاف مصلحت سمجھ کر) اس کی اشاعت کی بھی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے بعد قیم جماعت نے اپنے مراسلہ کے ساتھ جناب گھنشام داس صاحب کے بیان کا اردو ترجمہ اردو اخبارات کو بھیجا جو منجملہ دیگر اخبارات کے روزنامہ "ناظم" رامپور کی ۱۷ مئی ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ گھنشام صاحب کا مراسلہ درج ذیل ہے:

گھنشام داس صاحب کا مراسلہ

جناب ایڈیٹر صاحب سوبیش تسلیمات۔

آپ کا روزنامہ سوبیش مورخہ ۲۷ اپریل کو دوسرا نمبر میری نظر سے

گذرا میری حیرت و افسوس کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے جماعت اسلامی کے کل ہند اجتماع کے بارے میں جو ۲۰، ۲۱، ۲۲، اور ۲۳ تاریخوں میں رامپور میں ہوا تھا۔ اس کا بیان پڑھا کیونکہ کسی وجہ سے میں بھی انھیں تاریخوں میں رامپور رہا اور اجتماع کی تقریباً تمام نشستوں میں شامل ہوتا رہا۔ آپ کے اخبار کا بیان اور میں نے وہاں جو کچھ دیکھا اور سنا دونوں ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔

جماعت اسلامی کے سیاسی نقطۂ نظر کا جہاں تک تعلق ہے اور میں نے اجتماع کی کارروائیوں سے جو سمجھا ہے۔ اور خصوصاً جناب حبیب اللہ صاحب کی تقریر سے جو دوسرے دن رات کے وقت ہوئی تھی یہ بات پوری طرح صاف ہو گئی تھی کہ موجودہ سیکولر اسٹیٹ جس کو وہ لادینی حکومت کہتے ہیں، میں نہ الیکشن میں حصہ لینے کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ مسلمانوں کے مفاد کو اس طرز حکومت میں محفوظ کرانے کا سوال ہی پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ جو دستور خدائی دستور سے مختلف ہے وہ انسانیت کے لیے غلط ہی نہیں بلکہ مضر بھی ہے اس لیے کسی بھی ایسے دستور کے سلسلے میں جماعت کو کوئی دلچسپی نہیں ہے

رہا ہندو مسلمانوں کے تعلقات کے بارے میں تو جماعت کا نقطۂ نظر بھی کچھ برا نہیں ہے۔ جماعت کا خیال ہے کہ تمام انسان ایک باوا کی اولاد ہیں مگر امتداد زمانہ کے سبب نوع انسانی قوموں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئی ہے لیکن پھر بھی آپس میں بہت سی ایسی مشترک قدریں موجود ہیں جن پر ہم ساتھ ساتھ کام کر سکتے ہیں جن پر اٹھ بیٹھ سکتے ہیں نیز اکٹھے ہو سکتے ہیں اور جن چیزوں میں بھی اختلاف رہتے ہے ان پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں

باقی میری سمجھ میں وہاں پر کوئی خفیہ یا اس سے ملتی جلتی کارروائی نہیں ہوئی۔ تمام کارروائیاں کھلے اجلاس میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ہوئی ہیں۔

میں نے اسے اپنا فرض سمجھتے ہوئے کہ کسی غلط اور گمراہ کن بات سے عوام اور حکومت میں مسموم فضا نہ پیدا ہو جائے۔ اس غلط فہمی کو جو اخبار کے بیان سے پیدا ہو سکتی ہے یہ لکھنے کی جرأت کی ہے۔

ناچیز گھنشام سنگھ گوشک۔ پردھان آریہ سماج گنگوہ
ضلع سہارنپور ۲۶ مئی ۱۹۵۱ء

اجتماع کے بارے میں اس طرح کے شکوک و شبہات اس قدر بے بنیاد تھے کہ اس کی پوری کارروائیوں کو دیکھ کر ان لوگوں کو بھی آخر میں اپنی رائے بدلنی پڑی جو پہلے اس کی طرف سے تردد میں مبتلا تھے چنانچہ مقامی روزنامہ "آغاز" نے جو بعض اندیشوں کی بنا پر رامپور میں اجتماع کے منعقد ہونے کا مخالف تھا۔ ختم اجتماع پر اپنے تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں کیا۔

تبصرۂ آغاز

جماعت اسلامی ہند کا سالانہ اجتماع ۲۰، ۲۱، ۲۲ اپریل کو رامپور میں ہوا۔ اس کے متعلق عام طور سے مختلف و متضاد قیاس آرائیاں کی جا رہی تھیں۔ بعض لوگ ممکن ہے اس اجتماع کے نام سے بلا قید مقام خلاف ہوں۔

لیکن اکثر لوگ اس اجتماع کو غلط نہیں جانتے تھے مگر ان کی مصلحت اندیشیاں اس کی حامی تھیں کہ یہ اجتماع رام پور میں نہ ہو بلکہ کسی بڑے شہر میں ہو۔ اب ان مصلحت اندیشیوں کے سلسلے میں استدلال و براہین کی ضرورت باقی نہ رہی بہر حال اجتماع ہوا اور بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت شان دار طریقے پر ہوا اور انتہائی پُر سکون و منظم رہا جس میں مسلم اور غیر مسلم سب ہی شریک ہوئے اس اجتماع میں جو تقریریں ہوئیں ان پر تبصرہ کے لئے وقت و گنجائش درکار ہے اس لئے ہم ان پر اظہار خیال نہ کرتے ہوئے اجتماع کے سکون و تنظیم کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس سلسلہ میں اجتماع کے اہتمام کرنے والوں کو مستحق مبارک باد سمجھتے ہیں کہ انھوں نے کوئی ایسا موقع نہ دیا جو قابل اعتراض ہوتا یا کسی فرقہ و طبقہ کو اس سے شکایت کی گنجائش ملتی۔ ہم اس اجتماع کو نظم و ضبط کے لحاظ سے دوسری جماعتوں کے لئے مثالی اور قابل تقلید قرار دیتے ہوئے مشورہ دیں گے کہ ہر موقع پر اس کی تقلید ناگزیر تصور کی جائے۔

جماعت اسلامی ہند

کے اجتماعات

کی

رودادیں

(۱) روداد اوّل :-

اجتماع اوّل و اجتماع دربھنگہ

۹۰ نئے پیسے

(۲) روداد دوم :-

اجتماع دار الاسلام پٹھان کوٹ

۷۰ نئے پیسے

(۳) روداد چہارم :-

اجتماع ہرواڑہ (الہ آباد)

ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور

تعارفی لٹریچر

جماعت اسلامی کے مقصد اور طریق کار کو سمجھنے سمجھانے کیلئے یہ کتابیں بیحد مفید ہیں

شہادت حق	0·31	خواتین کا حصہ
دعوت اسلامی	1·00	مسلم خواتین
مقصد طریق کار	0·56	رسالۂ دینیات
دستور	0·25	غیر مسلموں کیلئے
روداد رام پور	2·75	شانتی مارگ
فریضۂ اقامت دین	1·50	بناؤ بگاڑ
نظریہ سیاسی	0 37	ستیہ دھرم
اسلامی حکومت	0·37	اسلام اگیان
خطبات مکمل سٹ	2·06	جماعت کا سندیش
نظام حیات	0·50	جیون مرتیو کے پشچات
سلامتی کا راستہ	0·31	جیون [illegible] ویستھا
بھارت کی تعمیر	0·44	نو[illegible]ماز تھا ہم
دین حق	0·38	و[illegible] از اسلام
حقیقت شرک	2·00	پربودھنی

مکمل فہرست کیلئے لکھئے :-

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند رام پور یو - پی

Title Printed at Hindustan Press, Rampur